1026

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ

حیاتِ سُلطانی

یعنی

سوانح عمری

فردوسِ آشیاں علیاحضرت نواب سلطان جہاں بیگم تاج ہند

جی، سی، ایس، آئی۔ جی، سی، آئی، ای

جی، بی، ای

فرماں روائے بھوپال

مؤلفہ

محمد امین زبیری مارہروی وظیفہ یاب مہتمم تاریخ بھوپال

مطبوعہ

عزیزی پریس آگرہ

۱۳۵۸ھ ہجری مطابق ۱۹۳۹ء عیسوی

انتساب

بنام

نساء الاسلام

مؤلف

فہرست مضامین حیاتِ سلطانی

دیباچہ

علیاحضرت فردوس آشیاں ہر ہائی نس نواب سلطان جہاں بیگم تاج ہند جی، سی، آئی، ای، جی، سی، ایس، آئی، جی، بی، ای سابق فرماں روائے بھوپال نوراللہ مرقدہٗ اپنی ذات ستودہ صفات، اخلاقی فضائل وحسنات، اصول فرمانرہی وحکومت، علی الخصوصیات صنفی اور تنوعات زندگی کے تمام اعتبارات و لحاظات سے ایک ایسی شخصیت جلیلہ رکھتی تھیں جو

اَلیس لِلّٰہ بمستنکرٍ   ان یجمع العالم فی واحدٍ

کی مصداق تھی،

انھوں نے تہتّر سال کی عمر میں آئندہ نسل اور تاریخ عالم کے لئے اپنی پاکیزہ زندگی کا ایک پائیدار نقش چھوڑ کر ۱۹۳۰ء میں داعی اجل کو لبیک کہا، ان کی حیات طیّبہ بے شک وشبہ اپنے مختلف ادوار سوانح وواقعات، سیرت وعادات اور شرف انسانیت کے اعتبار سے ہر انسان کے لئے دلچسپ سبق آموز، بصیرت افزا، حوصلہ آفریں، اور بالخصوص طبقاتِ اُمرا و والیانِ ملک کیلئے دلیل راہ اور شمع ہدایت ہے، صنفی لحاظ سے اس کا ہر مرحلہ اور ہر منزل ہر درجہ اور ہر مرتبہ کی عورتوں کیلئے قابلِ اتباع اور اسوۂ حسنہ ہے، جس کو صفحات قرطاس پر نمایاں کرنا ملک کا ایک ضروری اور قوم وملّتِ اسلام کا ایک مہتم بالشّان فرض ہے۔

مؤلف سوانح اپنی خوش نصیبی سے ۱۹۰۷ء میں دفتر تاریخ کا مہتمم مقرر ہوا۔ جو اگرچہ فردوس آشیاں کی تصنیف وتالیف کے اہتمام کا دفتر تھا، مگر اُس میں ملکی وقومی اور صنفی معاملات کے متعلق بھی بعض مہمّات امور کا مواد جمع رہتا تھا، راقم کو اپنے فرائض خدمت اور اس توسل سے اکثر وبیشتر فردوس آشیاں کے اصولِ حکومت، طرز فرماں روائی اور جذبات وخیالات کے علم اور مطالعہ ومشاہدہ کا بھی کم وبیش موقع ملتا تھا، نیز تاریخ بھوپال کے اوراق وقتاً فوقتاً

نظر سے گذرتے رہتے تھے۔

سلسلۂ تصنیف و تالیف میں آٹھ یا نو برس کے اندر منجملہ دیگر کتب کے "روضۃ الریاحین" (سفرنامۂ حجاز) "تزک سلطانی" "گوہر اقبال" "اختر اقبال" (جو ماقبل و مابعد فرماں روائی کے حالات و واقعات پر مشتمل ہیں) "حیات شاہجہانی" "تذکرہ باقی" "حیات قدسی" (والدین ماجدین اور جدۂ اعلیٰ کی سوانحِ عمریاں) بھی مرتب اور شایع ہوئیں، پہلے سفر یورپ ۱۹۱۱ء کے حالات ہر ہائی نس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم بالقابہا وزادت مجدہا نے "سیاحت سلطانی" کے نام سے شایع فرمائے۔ راقم نے ان مواقع اور اس قیمتی مواد سے استفادہ کرکے اور متعدد خواتین و اصحاب کی قلمی امداد سے ۱۸-۱۹۱۷ء میں ایک کتاب "بیگمات بھوپال" تالیف و شایع کی، جس کے پہلے حصّہ میں اس خانوادہ شرف کی نو بیگمات کا اور اور حصّہ دوم میں صرف فردوس آشیاں کا تذکرہ ہے۔

۱۹۳۰ء میں فردوس آشیاں کے سانحہ رحلت پیش آنے پر نہ صرف شکر نعمت کے جذبات سے ایک مستقل سوانح حیات مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا بلکہ ملکی اور قومی فرض و اہمیت کا احساس بہت زیادہ متقاضی تھا، حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی شخصیت جلیلہ کے مکمل و جامع سوانح حیات کی ترتیب و تالیف صرف کسی ایک شخص کا کام نہیں۔ اس میں ایسے متعدد اصحاب (مرد و عورتوں) کی شرکت و معاونت ضروری ہے جنھوں نے اس عظیم الشان زندگی کے تمام مراحل و منازل کا بہ نظر غائر مشاہدہ کیا ہو خصائص و عادات کا پورا علم اور خیالات و جذبات سے پوری واقفیت رکھتے ہوں اور ان کا دربار و حکومت سے معتمدانہ و ذمہ دارانہ توسل و تعلق رہا ہو، لیکن راقم نے اس وقت کا انتظار کئے بغیر جب کہ ایسے معیار پر یہ کام شروع ہو۔ اس ذخیرہ و مواد سے جس پر دسترس حاصل تھی سوانح حیات کی تالیف شروع کردی۔ ابتدائی مسودہ مرتب کرنے کے بعد مختلف اوقات میں اُس پر نظرِ ثانی ہوئی، تاآں کہ اب وقت آیا کہ اس کو شایع کیا جائے سچ ہے کہ "کل امر مرھون باوقاتھا"۔

اگرچہ فردوس آشیاں کی ہفتاد و سہ سالہ زندگی کے طول و عرض اور مختلف ادوار حیات کے تناسب سے یہ کتاب ایک اجمالی تذکرہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، تاہم اُس کے مطالعہ سے ابتدائی حالات

نظم ونسق حکومت کی خوبی اور کامیابی، سیرت واخلاق اور صنفی خصوصیات کا ایک بڑی حد تک اندازہ ہوسکتا ہے۔ اور سب سے زیادہ اس امتیاز کا کہ ایسی جلیل القدر خاتون نے ایسے عصر تمدن میں جس پر ہر صبح لامذہبیت و دہریت کا نیا رنگ چڑھتا رہتا ہے، اور اتنے مختلف مراحل زندگی میں جس میں اپنی صنفی حیثیت کے مدارج سے بھی کسی قدر تجاوز ناگزیر رہا ہے، اپنی اسلامی شان کو کیسے شاندار، احسن اور اعلیٰ طریقہ پر برقرار رکھا، اور اپنی ذات گرامی کو اسلام کی صحیح تعلیم کا کس قدر اچھا نمونہ بنا کر پیش کیا۔"

آخر کتاب میں مرحوم ومغفور نواب احتشام الملک عالی جاہ (نواب کنسرٹ) کے حالات بھی شامل کئے گئے ہیں، اور یہ وہ مستند حالات ہیں جو خود فردوس آشیاں نے "تزک سلطانی" اور "گوہر اقبال" میں تحریر فرمائے ہیں۔ جن کے بغیر یقیناً یہ کتاب تشنہ رہتی۔

مؤلف ان تمام اصحاب وخواتین کا جن کے تحریر کردہ حالات اس کتاب میں شامل ہیں بصدق دل شکرگذار ہے، جن میں دبیر الانشا میر دبیر قاضی ولی محمدؔ سب سے زیادہ مستحق شکریہ ہیں۔ جنھوں نے ایسے سفروں کے حالات جن میں وہ معیت شاہانہ میں تھے، اس کتاب کے لئے نہایت تفصیل وقابلیت سے تحریر کئے۔ دفتر تاریخ کے رفقاء کا بھی شکریہ واجب ہے، بالخصوص سید محمد یوسف قیصر منشی فیاض محمد، اور منشی عبدالوحید صاحبان کا جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب وتسوید میں مؤلف کی معاونت کی۔"

ناظرین کو بعض مواقع پر بیانِ حالات میں کچھ جوش وجذبہ نظر آئے گا جس سے کہ اصولاً تاریخ وسوانح کو معرّا وخالی ہونا چاہیئے مگر مستثنیات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اوّل تو واقعات وحالات ہی دلوں میں جوش وجذبہ پیدا کرتے ہیں اور پھر جب اُن لکھنے والوں کو سالہا سال ذاتی طور پر مطالعہ ومشاہدہ کے مواقع حاصل ہوئے ہوں تو یقیناً یہ حالت نظر انداز کرنے کے قابل ہی ہوتی ہے۔ مگر مؤلف کو یہ ادّعا بھی ہے کہ واقعات وحالات میں مبالغہ اور غلو سے مطلق کام نہیں لیا گیا۔

نذرِ عقیدت

کنیزِ درگہِ رحمان[1] مکینِ تختِ سلطانی　　مجسّم عبدیّت باشوکت وشانِ جہاں بانی

ملک خوانی بشکل وصورتِ زیبائے انسانی　　بہ مردانہ محامد افتخارِ صنفِ نسوانی

خدیوِ کشورِ بھوپال سلطان جہاں بیگم

بہ اوجِ عزّ واقبال وجلالت نیّرِ تاباں　　برائے مملکت آمد سراپا رحمتِ یزداں

دل ودستش بقوم وملک وملّت بود بحرِ کاں　　خمیرِ طینتش عفو وعطا ورافت واحساں

تعالیٰ شانہ ذاتِ کریمش زبدۂ عالم

ازیں دُنیا بسوئے آخرت فرمود چوں رحلت　　جہانے گشت غرقِ لجّہ درد وغم وحسرت

سلامے بر روانش از منِ پروردۂ نعمت　　الٰہ العالمین بادا نصیبش کوثر وجنت

طفیلِ شافعِ محشر محمدؐ مصطفےٰ صلعم

محمد امین زبیری مارہروی

علیگڈھ اکتوبر سنہ ۱۹۳۸ء

---

[1] فردوس آشیاں کا نام امۃ الرحمٰن بھی تھا ۱۲-

فردوس مکان علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم
جی۔ سی۔ ایس۔ آئی، جی۔ سی۔ آئی۔ ای، جی۔ بی۔ ای، سی۔ آئی،
سابق فرماں روائے بھوپال و چانسلر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندانِ فرماں روایانِ بھوپال کی تاریخ ایک افغان سردار دوست محمد خاں بہادر دلیر جنگ سے شروع ہوتی ہے جو شہنشاہِ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے فوجی افسر تھے انھوں نے اپنے زورِ بازو اور شجاعت و تدبر سے حکومتِ بھوپال کی بنیاد قائم کی اور سنہ ۱۷۲۶ء تک اس کو مستقل و مستحکم کر کے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

ان کے بعد انہی کی نسل میں نوبت بہ نوبت نواب یار محمد خاں، نواب فیض محمد خاں،

نواب حیات محمد خاں اور نواب غوث محمد خاں فرماں روا ہوئے لیکن آخر الذکر کی فرماں روائی محض برائے نام تھی اقتدار حکومت کا مرکز تیسری پشت میں بانیٔ ریاست ہی کی نسل کے ایک رکن نواب وزیر محمد خاں کی شخصیت تھی جنھوں نے اپنی بہادری وجاں بازی اور بیدار مغزی وفراست سے ناگپور اور سیندھیا کے متحدہ حملوں کی مدافعت کر کے اپنے آبائی ملک کو دشمنوں کے قبضہ سے محفوظ رکھا اور تاریخی شہرت وعظمت کے ساتھ نجات دہندۂ بھوپال کا لقب حاصل کیا اُن کے فرزند نواب نظر محمد خاں کی شادی نواب غوث محمد خاں کی صاحبزادی گوہر بیگم المخاطب بہ قدسیہ بیگم سے ہوئی اور نواب موصوف سنہ ۱۸۱۶ء میں اپنے نامور باپ کی رحلت کے بعد اُن کے جانشین ہوئے ۲۶ فروری اور ۸ مارچ سنہ ۱۸۱۸ء کو اُن کے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مابین ایک معاہدہ ہوا اور وہ فرماں روائے بھوپال تسلیم کیے گئے ۱۱ نومبر سنہ ۱۸۱۹ء کو ایک حادثہ سے اُن کا انتقال ہوگیا ان کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی صرف ایک صاحبزادی نواب سکندر بیگم تھیں جو ۳۱ اگست سنہ ۱۸۱۸ء کو پیدا ہوئی تھیں۔

نواب مرحوم کی وصیت کے مطابق ارکانِ ریاست اور پولیٹیکل افسروں کے مشورہ سے نواب قدسیہ بیگم مختار ریاست قرار دی گئیں اور یہ امر طے پایا کہ نواب سکندر بیگم کی جس سے شادی ہوگی وہ نواب بھوپال قرار دیا جائے گا۔ سنہ ۱۸۳۵ء میں اُن کی شادی نواب جہانگیر محمد خاں سے ہوئی جو نواب نظر محمد خاں کے بھتیجے تھے، شادی کے بعد وہ نواب بھوپال قرار پائے۔ ۳۰ جولائی سنہ ۱۸۳۸ء کو نواب شاہجہاں بیگم پیدا ہوئیں، لیکن کچھ دن بعد نواب جہانگیر محمد خاں اور نواب سکندر بیگم کے تعلقات میں خوشگواری نہ رہی خانہ جنگیاں ہوئیں اور خانگی مسرتیں برباد ہوگئیں تا آنکہ ۹ دسمبر سنہ ۱۸۴۴ء کو نواب جہانگیر محمد خاں کا انتقال ہوگیا اگرچہ نواب شاہجہاں بیگم رئیسہ فرماں روا کی حیثیت سے مسند نشین ہوئیں لیکن جو شرط کہ نواب سکندر بیگم کے لئے تھی وہ ان کی نسبت بھی قائم رہی مختار ریاست (ریجنٹ) خاندان کے ایک امیر نواب فوجدار محمد خاں مقرر ہوئے مگر نواب سکندر بیگم نے اعتراض واحتجاج کیا اور بالآخر جنوری سنہ ۱۸۴۷ء میں خود ریجنٹ قرار دی گئیں۔

اب انھوں نے دلائل وبراہین کی قوت سے آئندہ کے لئے یہ طے کرایا کہ نواب شاہجہاں بیگم رئیسہ فرماں روا ہوں گی اور ان کے شوہر برائے نام نواب رہیں گے، اس کے بعد جولائی سنہ ۱۸۵۵ء میں اُن کی شادی (نواب امراؤ الدولہ) بخشی باقی محمد خاں نصرت جنگ سپہ سالار افواجِ بھوپال سے کی گئی۔

نواب سکندر بیگم جنت نشین

ولادت اور تربیت و تعلیم

۲۷ ذیقعدہ ۱۲۷۴ھ مطابق ۹ جولائی ۱۸۵۸ء کو دار الریاست بھوپال کے ایوان موتی محل میں سرکار عالیہ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ ساتویں دن عقیقہ ہوا۔ اور سلطان جہاں بیگم نام رکھا گیا۔

اس تقریب میں عامہ رعایائے بھوپال، خواتین و اراکین اور تمام ملازمانِ ریاست کی دعوتیں ہوئیں خلعت عطا کئے گئے، غربا اور مستحقین کو انعام اور جوڑے مرحمت ہوئے اور چھ مہینے تک اس تقریب کی دھوم دھام رہی۔

سرکار عالیہ کی ولادت تمام خاندان اور ملک کے لئے ایک برکت ثابت ہوئی سیاسیاتِ غدر کے سلسلہ میں نواب سکندر بیگم نے ایک تنبیہی مہم گڈھی آنبا پانی[1] بھیجی تھی اور غیر معمولی طور پر اس کے نتیجہ میں دیر ہو رہی تھی اُسی زمانہ میں وہ فتح و نصرت کے ساتھ واپس آئی اور اس علاقہ کو سرکار عالیہ کی جاگیر میں دیا گیا۔ برکتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا ۱۲۷۶ھ ۱۸۵۹ء میں نواب سکندر بیگم کو اپنے حقوقِ جانشینی و حکومت کے متعلق کامیابی ہوئی جن کے لئے وہ عرصہ سے کوشش کر رہی تھیں چنانچہ ۱۸۶۰ء میں نواب نظر محمد خاں کے وارث کی حیثیت سے وہ باضابطہ مسند نشین ہوئیں اور آئندہ کے لئے جانشینی کا قاعدہ منضبط ہو گیا، مزید برآں ۱۸۶۱ء میں بیرسیہ کا جو بھوپال سے شمالی جانب ایک زرخیز علاقہ ہے بصلہ خدماتِ غدر ملکِ محروسہ میں اضافہ ہوا۔

اشخاص کے سوانح و حالات نے اس امر کو بالبداہت ثابت کر دیا ہے کہ جو انسان دنیا کا مشہور ترین شخص بننے والا ہوتا ہے اس کے لئے ابتدا ہی سے ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جو اس کی شہرت و عظمت کی مخفی قوتوں کے نشو و نما میں معاون ہوتے ہیں چنانچہ سرکار عالیہ کی تعلیم و تربیت کے لئے بذاتِ خاص نواب سکندر بیگم کی آمادگی جن کی فراست بیدار مغزی، استقلال تدبر و دینداری اور اعلیٰ قابلیتوں کا اعتراف ہندوستان کے ہر ایک مؤرخ اور سلطنتِ برطانیہ کے ہر ایک مدبر کو ہے منجملہ اُن اسباب کے ایک عظیم الشان سبب تھا۔ چنانچہ انھوں نے ولادت کے چند ماہ بعد ہی سرکار عالیہ کی پرورش اپنی خاص

---

[1] ریاست کے مشرقی جانب ایک علاقہ ہے جو ریاست بھوپال میں شامل ہے۔

نگرانی میں کی غذا اور سواری و لباس حتیٰ کہ مقامات ہوا خوری کا تعین کر کے ایک نظامِ عمل مقرر کیا وہ جس طرح خود علما و زہاد سے عقیدت رکھتی تھیں اسی طرح نواسی کے دل میں بھی اس عقیدت کو راسخ کرنا چاہتی تھیں چنانچہ جب کسی درویش یا عالم سے ملتیں تو سرکار عالیہ کو بھی ہمراہ لے جاتیں نذریں پیش کراتیں اور دُعا کی طالب ہوتیں۔ عام معمولات اور خاص تقریبات کے مواقع پر سرکار عالیہ کے لباس کے ساتھ ساتھ غریب بچّوں کے جوڑے بھی تیار کرائے جاتے وہ جس طرح انابت الی اللہ کی تعلیم دیتی تھیں اس کی مثال کے لئے ذیل میں اُن چند خطوط کا اقتباس درج کیا جاتا ہے جو انھوں نے ۱۸۶۳ء میں مکّہ مکرمہ سے سرکار عالیہ کو لکھے تھے :-

(۱) "جو تھیں میری یاد آیا کرے تو تم وضو کر کے اور جانماز سرخ رنگ کی جو زعفران نے سی کر تم کو دی ہے بچھا کر نماز پڑھا کرو اور دعا مانگا کرو کہ اللہ میری امّاں جان کا حج کرا کے جلدی سے لے آوے"

(۲) "مکّہ معظمہ میں تمھارے لئے میں نے بہت دُعائیں مانگی ہیں اللہ تعالیٰ اُن سب دُعاؤں کو قبول کرے"

(۳) "جس روز سے مکّہ معظمہ میں آئے ہیں ازبس دلانا موقوف ہوا ہے ہم طواف کو جاتے ہیں طواف کے وقت حجر اسود کے نزدیک کھڑے ہو کر یہ نیت پڑھتے ہیں اور پھر طواف کرتے ہیں اس نیت کو تم حفظ کرو انشاء اللہ جب میں آؤں گی اس نیت کو حفظ تم سے سُنوں گی"

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ طَوَافَ بَیْتِكَ الْحَرَامِ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ سَبْعَۃَ اَشْوَاطٍ لِلّٰہِ تَعَالٰی عَزَّ وَجَلَّ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ہ"

(۴) "تمھارے اجمیر نانا[1] سب سے زیادہ طواف کرتے ہیں اور دُعا اللہ سے مانگتے ہیں کہ اللہ تو اپنی چھوٹی سی لونڈی کو تندرست اور زندہ اور خوش رکھیو اور تم سے یہ کہتے ہیں کہ جب تک ہم حج کر کے آویں تم قرآن شریف پڑھتے رہیں۔ دیا نہ کرو قرآن شریف اپنے ایمان کی چیز ہے اس کو خوشی سے پڑھتے ہیں"

اہلِ خاندان کے ساتھ سلوک و مودّت اور بزرگانِ خاندان کا حفظِ مراتب تربیت کا جزوِ لازم تھا۔ عیدین وغیرہ کے موقع پر بزرگوں کے سلام اور نذریں گذارنے کے لئے بھیجی جاتیں۔

---

[1] مولوی جمال الدین خاں مرحوم مدار المہام ریاست اجمیر کے بڑے شائق تھے اور سرکار عالیہ ان کو اجمیر نانا کہتی تھیں۔

امراؤ دولہ ، نواب باقی محمد خان بہادر نصرت جنگ

نواب شاہجہان بیگم خلد مکان

نواب سکندر بیگم عموماً باتوں باتوں میں نہایت دل نشین نصائح کرتی تھیں اگر کسی بات سے منع کرتیں تو بڑی محبت اور نرمی سے سمجھاتیں اور جب کبھی اس کے خلاف عمل ہوتا تو بجائے تنبیہ و تادیب کے روٹھ جاتیں۔

برسات میں عموماً بچوں کو پھوار میں پھرنے اور پانی سے کھیلنے کا شوق ہوتا ہے اسی طرح سرکار عالیہ بھی کھیلا کرتیں نواب سکندر بیگم نے ایک دفعہ منع کیا اُنھوں نے نہ مانا اور پھر کھیلیں تو وہ خفا ہوگئیں اور اس وقت تک خفا رہیں جب تک کہ سرکار عالیہ نے معافی نہ مانگی اور معافی بھی تحریری اور بطور اقرار نامہ کے تھی جو اُن کے اُستاد نے لکھوائی۔

سرکار عالیہ کی اردلی کے لئے ریاست کی فوج سے سوار و پیادے مقرر تھے لیکن خاص طور پر شرفا کے لڑکوں کا ایک رسالہ اور لڑکیوں کا ایک گارد بھی مرتب کیا گیا۔

اگرچہ نواب سکندر بیگم تقریبات میں ہمیشہ سادگی کے ساتھ شریک ہوتیں لیکن سرکار عالیہ کو پورے تزک و احتشام کے ساتھ لے جاتیں اور اس کی بے انتہا پابندی تھی۔

ان تقریبوں میں ساون کی بھی ایک تقریب تھی باغ فرحت افزا میں ایک خاص جلسہ ہوتا تھا جس میں سرکار عالیہ کی ہم سن سہیلیاں اور معزز خاندانوں کی لڑکیاں جمع ہوتیں درختوں میں جھولے ڈالے جاتے اور تفریحی مشاغل جاری رہتے شام کو سرکار عالیہ اپنی ہمجولیوں کو کھلونے عطا کرتیں اور جوڑے پہناتیں۔

بعض مواقع پر رعایائے دیہات کے بچے محل میں بُلائے جاتے تو سرکار عالیہ کے ہاتھوں ان کو شیرینی کھلونے تقسیم کرائے جاتے۔

جب عمر کی پانچ منزلیں طے ہوگئیں تو ۱۰ رجمادی الاول ۱۲۷۹ھ = ۳ ر نومبر ۱۸۶۲ء کو تقریب بسم اللہ ہوئی اور تعلیم کا دور شروع ہوا نواب سکندر بیگم نے تعلیم کے ہر جزّیہ و کلّیہ کو قائم کیا اور خود ہی تعلیم کا خاکہ بنایا اُردو، فارسی، انگریزی کے منتخب اساتذہ مقرر کئے دستکاری کی تعلیم کیلئے ہوشیار مغلانیاں مامور کی گئیں شہ سواری اور نشانہ بازی کے لئے باکمال تعلیم دینے والے معیّن ہوئے غرض تعلیم کا جہاں یہ مقصد تھا کہ اُن اوصاف کی تکمیل ہوجائے جو ایک حکمران کے لئے ضروری ہیں وہاں اس مقصد سے بھی کبھی ذہن خالی نہ رہا کہ صنفِ نسواں کی وہ تمام خوبیاں بھی مجتمع ہوں جو فرائض منزلی میں ہر درجہ اور ہر حیثیت کی عورتوں کے لئے ضروری ہیں اُسی کے ساتھ اصولِ مذہب کی عظمت اور فرائض مذہب کی پاسداری کو تربیت و تعلیم کا جزوِ اعلیٰ رکھا۔

نواب سکندر بیگم انگریزی سے ناواقفیت کی وجہ سے خود اس تعلیم کی ترقی کا اندازہ نہیں کر سکتی تھیں اس واسطے انھوں نے یہ التزام رکھا تھا کہ یورپین احباب کو امتحان دلواتیں اور اُن سے اطمینان کرتیں۔

اس سلسلۂ تعلیم کو پانچ سال گذرے تھے کہ ۱۳ رجب ۱۲۸۵ھ = ۳۰ اکتوبر ۱۸۶۸ء روز جمعہ کو نواب سکندر بیگم کا انتقال ہو گیا اور پھر اس نظام میں بھی تغیر آگیا اور نیا نظام قائم ہوا چنانچہ سرکار عالیہ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ:-

"تعلیم کا جو نظام معین تھا اس میں دہمی برہمی ہو گئی خوش خطی کی مشق بالکل جاتی رہی اگرچہ قرآن مجید گیارہ سال کی عمر میں ختم ہو گیا تھا مگر دَور کرتی تھی اور مولوی جمال الدین خانصاحب بہادر مدار المہام ایک گھنٹہ ترجمہ اور تفسیر پڑھاتے تھے مولوی محمد ایوب صاحب بھی ایک گھنٹہ تعلیم فارسی دیتے تھے دو گھنٹہ تعلیم انگریزی ہوتی تھی اسی کے ساتھ میری روبکاری میں صدور احکام کے لئے وہ کاغذات بھی پیش ہوتے تھے جن کی نسبت سرکار خلد مکاں[1] کا خاص حکم تھا"

ایسے کاغذات جن کی نسبت روبکاری میں پیشی کا حکم دیا جاتا نائب میر منشی پیش کرتے اور جو احکام سرکار عالیہ لکھواتیں اُن کے مسودات پہلے سرکار خلد مکاں کی روبکاری میں بغرض ملاحظہ و اصلاح پیش کئے جاتے تھے اس موقع پر سرکار عالیہ مراتب اصلاح اور مدارج سررشتہ ذہن نشین ہونے کے لئے خود بھی موجود رہتیں۔

سرکار خلد نشین یعنی نواب سکندر بیگم کے انتقال کے بعد جب نواب شاہجہاں بیگم (خلد مکاں) فرماں روائے ریاست ہوئیں تو سرکار عالیہ باقاعدہ ولی عہد تسلیم کی گئیں مراسم صدر نشینی و ولی عہدی ادا کرنے کے لئے ایجنٹ نواب گورنر جنرل کا بھوپال میں حسب ضابطہ دربار منعقد ہوا۔ معمول کے مطابق تقریریں ہوئیں جب ولی عہدی کا اعلان ہوا تو سرکار عالیہ نے بھی اس کے تشکر میں ایک موزوں تقریر فرمائی۔

تاریخ عالم میں ایسی بہت کم مثالیں ملیں گی کہ ایک یازدہ سالہ شہزادی نے کسی دربار عام میں اس طرح متانت کے ساتھ بغیر کسی جھجک کے تقریر کرکے تمام حاضرین سے خراج تحسین لیا ہو۔

۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء میں سرکار عالیہ کی تقریب نشرہ نہایت شاندار طریقہ پر کی گئی بھوپال ایجنسی کے اکثر امرا اور یورپین اصحاب مدعو کئے گئے۔ اراکین و اخوانِ ریاست اور متوسلین و رعایائے ملک کی دعوتیں ہوئیں،

---

[1] نواب شاہجہاں بیگم۔

گاؤں کے مکھیاؤں، مستاجروں، جاگیرداروں اور اہل سیف واہل قلم اور متوسلین کو خلعت عطا کئے گئے غرض ایک ماہ تک اس جشن کا سلسلہ قائم رہا۔

متاہل زندگی

سرکار خلد نشیں کو سرکار عالیہ کی متاہل زندگی کا بھی بہت خیال تھا، بھوپال میں دونسلوں سے خاندانی پیچیدگیوں کی ایک صورت ہو گئی تھی نیز ایسے لڑکے جو اس رشتہ کے اہل ہو سکتے تھے ضروری صفات سے معرا تھے اس لئے بھوپال سے باہر بہت غور و تحقیق کے ساتھ سنہ ۱۸۶۶ء میں بمقام آگرہ (نواب) احمد علی خاں صاحب بہادر کو منتخب کیا جو جلال آباد ضلع مظفر نگر کے ایک معزز و ممتاز افغانی خاندان کے نور نظر تھے اور ان کا سلسلۂ نسب خاندانِ بھوپال سے ملتا تھا۔ اسی زمانہ میں سرکار خلد نشین ان کو تعلیم و تربیت کی غرض سے بھوپال لے آئیں لیکن کوئی رسم وغیرہ نہیں کی گئی اُن کے انتقال کے بعد اور پیام بھی آئے لیکن کوئی ناطہ اجلانہ فیصلہ نہیں کیا گیا جب سرکارِ عالیہ کی عمر شادی کے قابل ہو گئی تو اس وقت (سرکار خلد مکاں) نواب شاہجہاں بیگم نے ارکین ریاست معتمدین قدیم سے پھر مشورہ کیا اور اُن لڑکوں کے نام بھی جن کے پیام آئے تھے پیش ہوئے لیکن بہ اتفاق و کثرت رائے سرکار خلد نشیں کی تجویز مناسب و موزوں قرار پائی اب آخری مرحلہ سرکار عالیہ کی منظوری کا باقی تھا یہ مرحلہ اس طریقہ سے انجام پذیر ہوا کہ وہ کل نام جن کے متعلق غور کیا گیا تھا سرکار عالیہ کے سامنے پیش کئے گئے کہ ان میں سے جس کو مناسب اور منظور کریں اپنے دستخط اور اپنی مُہر اس نام پر ثبت کر دیں۔ سرکار عالیہ نے اسی نام پر مہر و دستخط ثبت کر دیئے اِس کارروائی کی تکمیل کے بعد بذریعہ خریطہ وائسرائے کو اطلاع دی گئی۔ ہز اکسیلنسی وائسرائے نے اہمیت معاملہ کے لحاظ سے ایجنٹ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا کو ہدایت کی کہ بذاتِ خاص اِس تجویز کی سرکار عالیہ سے تصدیق کی جائے چنانچہ اس مقصد کے لئے صاحب موصوف بھوپال آئے۔

ایک مشرقی بالخصوص ہندوستانی شہزادی سے اور وہ بھی آج سے ستر برس پہلے ایسا سوال کہ جواب جس قدر اہم اور نازک ہو سکتا تھا ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

سرکار عالیہ نے اس نازک و اہم موقع پر عہدہ برآ ہونے کے متعلق اس طرح تحریر کیا ہے کہ:۔

"اگرچہ اس سوال کا زبانی جواب دینا مجھ پر بوجہ اس رسم و رواج کے جو ہندوستان میں ہے نہایت گراں تھا مگر سرکار خلد مکاں نے مجھ کو فہمائش کر دی تھی کہ یورپین معاشرت اور مسلمانوں کے مذہبی قواعد کی رو سے کوئی شرم کی بات نہیں ہے کہ آدمی صاف الفاظ میں اپنی خواہش کا اظہار کرے اسلئے میں نے جواب دیا کہ "واقعی میں نے اپنی خوشی سے یادداشت زیر بحث پر اپنی مہر و دستخط ثبت کئے ہیں"۔ صاحب ممدوح نے مجھ سے انگریزی میں کہا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو اس یادداشت کو حضور وائسرائے کی خدمت میں بھیجدوں؟

اس کا جواب میں صرف یہ لفظ "یس" دے کر خاموش ہو گئی۔

صاحب موصوف نے فرمایا کہ کچھ اور کہنا ہے؟

میں نے سلسلۂ گفتگو دوسری جانب پھیرا کہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ آپ میرا اسلام لارڈ صاحب اور اُن کی دختر صاحبہ کی خدمت میں تحریر کر دیجئے گا"۔

ان مراحل کے طے ہونے کے بعد منگنی وغیرہ کی رسمیں کی گئیں حسب رواجِ ریاست دولھا سے ایک اقرار نامہ بھی لیا گیا جس پر عمائدین ریاست اور پولٹیکل ایجنٹ کے دستخط بطور شہادت ثبت کرائے گئے ایک سال چار ماہ کے بعد ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ = یکم فروری ۱۸۷۵ء روز دوشنبہ کو نہایت دھوم اور شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ یہ مبارک عقد ہوا۔ دو کرور روپیہ مہر معجل قرار پایا اور ریاست کی جانب سے دولھا کو "نظیر الدولہ سلطان دولہ" کا خطاب دیا گیا نیز چالیس ہزار روپیہ کی جاگیر عطا کی گئی ۶ لاکھ ۳۶ ہزار آٹھ سو پانچ روپے کا جہیز دولہا دُلہن کے توشک خانہ میں بھیجا گیا سرکار عالیہ کی ۸۰ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر جو ابتدا سے مقرر تھی بدستور قائم رہی۔

تقریب کے تمام امور نواب امیر الملک والاجاہ مولوی سید صدیق حسن خاں[۱۵] کی شرکت و مشاورت سے انجام پذیر ہوئے۔

---

[۱۵] سرکار خلد مکاں جب ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء میں بعمر ۳۱ سال مسند نشین ریاست ہوئیں تو اس وقت وہ بیوہ تھیں اور پردہ میں رہتی تھیں ان کو پولٹیکل حکام نے عقد ثانی کا مشورہ دیا جس کا اہم مدعا یہ تھا کہ شوہر سے ملکی نظم و نسق میں امداد مل سکے چنانچہ ارکان و امرائے ریاست کے اتفاق رائے سے میر دبیر (نواب) سید صدیق حسن خاں کا انتخاب ہوا جو ساداتِ قنوج کے رکن (مرتبہ)

اس وقت تک تمام خاندان سے عزیزانہ تعلقات نہایت شگفتہ تھے لیکن اس تقریب میں خاندان اور ملک کی سب سے ممتاز و محبوب ترین ہستی نواب قدسیہ بیگم شریک نہ تھیں تقریباً ایک سال سے اُن کے اور سرکار

(بقیہ حاشیہ)

اور متبحر عالم اور صاحب تصنیف و تالیف تھے اُن کے جد امجد سید اولاد علی خان بہادر نور جنگ متوسل دولت آصفیہ اور امیر کبیر نواب ابو الفتح خاں شمس الامرا کے اقربا میں سے تھے سرکار خلد نشیں کے عہد حکومت میں بھوپال وارد ہوئے اور مختلف عہدوں پر مامور رہے اور اس زمانہ میں دفتر انشا (سکریٹریٹ) میں منشی روبکاری (سکریٹری) اور امیر و بیر دخانی کے خطاب سے ممتاز تھے۔

مولوی جمال الدین خاں مدار المہام ریاست جنھوں نے اپنی خدمات و وفاداری اور اوصاف و قابلیت سے خاندان ریاست میں اپنی غیر فانی عزت و محبت قائم کرلی تھی ان کے معاون و مربی تھے اور انھوں نے اپنی بیوہ دختر زکیہ بیگم کا عقد بھی ان سے کردیا تھا۔ مدار المہام صاحب کی اولاد میں صرف لڑکیاں ہی تھیں اور دامادوں میں سب سے زیادہ قابل یہی داماد تھے اسلئے ان کی پدری توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔ غرض ۱۷ صفر ۱۲۸۸ھ = ۸ مئی ۱۸۷۱ء کو اُن سے سرکار خلد مکاں کا عقد ہوگیا ریاست سے ۷۵ ہزار چار سو بہتر روپیہ سالانہ کی جاگیر دی گئی۔ ۱۸۷۲ء میں گورنمنٹ کی طرف سے خلعت اور نواب امیر الملک والاجاہ کا خطاب عطا ہوا۔

عقد کے بعد وہ بہت جلد مشیر حکومت ہوگئے اور بالآخر اس امر کی کوشش کی گئی کہ امپیریل گورنمنٹ کی منظوری سے ان کو مستقلاً مختار ریاست بنا دیا جائے۔ خاندانِ ریاست میں صرف نواب قدسیہ بیگم ہی سب سے قریب اور بزرگ تھیں یہ عقد ان کو پسند خاطر نہ تھا نواب والاجاہ بھی ان سے کشیدہ اور کبیدہ رہنے لگے۔ رفتہ رفتہ رنجش بہت زیادہ بڑھ گئی اور نواب قدسیہ بیگم کو خاندانی تعلقات اور جاگیری معاملات میں طرح طرح کی تکلیفیں دی جانے لگیں بعض اعزّائے ریاست اور قدیم خاندانوں کے با اثر اصحاب بھی معتوب ہوئے۔

اس عقد کے وقت سرکار عالیہ کی عمر ۱۳ سال کی تھی اور جب اُن کی شادی ہوئی تو یہ نزاعات اتنے شدید ہوگئے تھے کہ اس تقریب میں نواب قدسیہ بیگم شریک نہیں کی گئیں۔ اور پھر تقریباً کُل تعلقات منقطع ہوگئے۔

نواب قدسیہ بیگم کے دل میں سرکار عالیہ کے مستقبل کی طرف سے بھی خطرات پیدا ہوگئے تھے اور وہ پریشان رہنے لگیں تھیں اس لئے سرکار عالیہ کی شادی کے بعد ایجنسی میں یہ تحریک کی گئی کہ:۔

"نواب سلطان جہاں بیگم کو میری جگہ تسلیم کیا جائے اور بصورت اولاد فرزند نرینہ والی ریاست ہو اور دختر

خلدمکاں کے مابین رنجش پیدا ہوچکی تھی اس لئے وہ اس تقریب میں مدعو نہیں کی گئیں اور جب انھوں نے شفقت سے مجبور ہوکر اپنے محل پر تقریب جمعہ[1] کرنے اور دولھا دلہن کو تحائف دینے کی مکرر و باصرار خواہش کی تو صاف جواب دے دیا گیا کہ :۔

"کئی بار گزارش کیا گیا کہ اب ضرورت ایسے رسوم کے ادا کرنے کی حضور کو نہیں ہے حضور کی دُعا کافی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نواب سلطان جہاں بیگم کو سب کچھ دیا ہے وہ کسی چیز کی محتاج و حاجت مند نہیں۔"

سرکار عالیہ کے لئے بھی یہ کشیدگی و رنجش کچھ کم تکلیف کا باعث نہ تھی مگر وہ مجبور محض تھیں۔

ولادت صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم

۲۴ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۸۷۵ء کو سرکار عالیہ کے صاحبزادی پیدا ہوئیں سرکار خلدمکاں نے مسرت و خوشی کے ساتھ ضروری مراسم انجام دیئے بلقیس جہاں بیگم نام رکھا اور خود ہی پرورش و تربیت شروع کی۔

سفر کلکتہ اور شہزادۂ ویلز سے ملاقات

اسی زمانہ میں سرکار خلدمکاں بمقام کلکتہ ہز رائل ہائینس پرنس آف ویلز کی تشریف آوری ہند کے سلسلہ میں مدعو کی گئیں چنانچہ باہ دسمبر سرکار عالیہ نواب صدیق حسن خاں نواب سلطان دولھا اور دیگر حشم و خدم کے ساتھ عازم کلکتہ ہوئیں۔ سرکار عالیہ بہ سبب علالت دربار میں شریک نہ ہوسکیں البتہ ایک رسمی ملاقات میں

بقیہ حاشیہ

میری جانشین قرار دی جائے۔"

اس تحریک کا کوئی نتیجہ نہ نکلا مگر باہمی کشیدگی نے شدید صورت اختیار کرلی اور تعلقات منقطع کرلئے گئے ایجنسی و رزیڈنسی میں جاگیر کی بدنظمی اور اُن کے اہلکاروں کی جبر و تعدی کی شکایات کی گئیں اور اُن کے اختیارات میں دست اندازی کی کوشش شروع ہوئی مگر پولیٹیکل افسروں نے اُن کا احترام ملحوظ رکھا اور صلح و صفائی کے لئے کوشش کی جو دس سال کے بعد ۱۲۹۸ھ میں کامیاب ہوئی اور نواب قدسیہ بیگم نے اپنے مال و متاع اور اخراجات و مصارف خیر کی فہرست سرکار خلدمکاں کے پاس بھیجدی اس کے بعد وہ تقریباً ایک سال زندہ رہیں اور ۲۴ محرم ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۷ دسمبر ۱۸۸۱ء کو ۸۳ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

[1] بھوپال میں شادی بیاہ کے موقع پر کسی عزیز قریب کے یہاں جمعہ کے دن دولہا دُلہن اور اعزّا و اقربا کی دعوت کی جاتی ہے اور جوڑے اور تحفے دیئے جاتے ہیں۔

شرکت کی اس موقع پر شہزادۂ ممدوح نے دورانِ گفتگو میں سرکار عالیہ سے یہ دلچسپ جملہ فرمایا کہ :-

"اس وقت ہم اور آپ ایک ہی درجہ[۵۱] پر ہیں آپ اپنی ریاست میں کراؤن پرنس ہیں اور میں سلطنت انگلشیہ میں کراؤن پرنس ہوں"

ولادت نواب محمد نصر اللہ خاں

۱۷ ذی قعدہ ۱۲۹۳ھ مطابق ۲ دسمبر ۱۸۷۶ء کو اس خاندان میں ۶۷ سال اور چار پشتوں کے بعد خداوند کریم نے اولاد نرینہ عطا کی یعنی نواب نصر اللہ خاں پیدا ہوئے اس ولادت سے یوں تو تمام خاندان کو خوشی ہوئی لیکن سب سے زیادہ مسرت نواب قدسیہ بیگم کو تھی ان میں باوجود ضعیف العمری اور گوشہ نشینی کے ایک عجیب جوشِ مسرت تھا حسب رواج ملک، ملازمین ڈیوڑھی پر حاضر ہو کر بندوقیں سر کرتے تھے سرکار قدسیہ بیگم کو مبارک باد دیتے تھے اور وہ شادان وخنداں اُن کی تہنیت قبول کرتی تھیں ان لوگوں کو شیرینی دیتی تھیں اور انعام میں نہایت فیاضی کے ساتھ روپیہ تقسیم فرماتی تھیں۔

اس وقت تک بظاہر بجز سرکار قدسیہ بیگم کے اور سب کے تعلقات شگفتہ تھے لیکن اب سرکار خلد مکاں کے مزاج میں نواب والا جاہ کا اثر ورسوخ بہت بڑھ چکا تھا اور وہ اپنے اقتدار واستبداد کی جا وبے جا نمائش کرتے رہتے تھے اس موقع پر جبکہ سرکار عالیہ کی ڈیوڑھی پر بھی توسلیں و ملازمین بندوقیں سر کر رہے تھے نواب صاحب نے نہایت ہی نامناسب اور اہانت آمیز طریقہ پر جلسۂ عام میں اُن لوگوں کے نکالنے اور بندوقوں کے سر کرنے کی ممانعت کے لئے زبانی حکم بھیجا اور اس کی تعمیل پر بسختی اصرار کیا۔

نواب سلطان دولہا نے بادل ناخواستہ تعمیل کی اور بذریعہ عریضہ سرکار خلد مکاں کو اس واقعہ کی اطلاع دی مگر جواب میں خود ان ہی کو تہدید کی گئی۔

اسی طرح نواب قدسیہ بیگم کو بھی تحریری ممانعت کی گئی اور ایسی تلخ مراسلت[۵۲] ہوئی کہ دونوں میں نہایت ہی ناگواری پیدا ہوگئی۔ پھر باوجود نواب قدسیہ بیگم کے سخت اصرار کے بھی اس امر کی اجازت نہ دی گئی کہ سرکار عالیہ کی وہ اپنے محل پر دعوت کریں۔

---

[۵۱] یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ جس سال شہزادہ ویلز تخت نشین ہوئے اسی سال سرکار عالیہ مسند آرائے ریاست ہوئیں۔

[۵۲] ملاحظہ ہو مراسلت مندرجہ صفحات تزک سلطانی ۱۲۸ تا ۱۳۲

دربار قیصری کی شرکت

۱۲۹۴ھ ۱۸۷۷ء میں سرکار عالیہ بمعیت سرکار خلد مکان مشہور دربار قیصری[۱۵] منعقدہ دہلی کی شرکت کے لئے تشریف لے گئیں مگر اپنی علالت کی وجہ سے درباری مراسم میں شریک نہ ہو سکیں البتہ نواب سلطان دولہا شریک ہوئے۔

نواب محمد عبید اللہ خاں کی ولادت

۷ ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ مطابق ۳ نومبر ۱۸۷۸ء کو نواب محمد عبید اللہ خاں فرزند دوئم پیدا ہوئے تمام مراسم حسب معمول ادا کئے گئے لیکن پچھلے تجربہ کے لحاظ سے کوئی بات ایسی نہیں کی گئی کہ ذرا بھی اعتراض کا موقع ملتا یا رنج کی کوئی وجہ ہوتی۔

صاحبزادی آصف جہاں کی ولادت اور سرکار عالیہ کی علالت

۲۵ شعبان ۱۲۹۷ھ مطابق ۳ اگست ۱۸۸۰ء کو صاحب زادی آصف جہاں بیگم کی ولادت ہوئی۔

اس ولادت کے بعد سرکار عالیہ سخت علیل ہو گئیں تین مہینہ میں صحت ہوئی سرکار خلد مکاں اور سرکار قدسیہ بیگم نے بہت کچھ خوشی و مسرت کی صدقات اور مبرات میں زر کثیر صرف کیا سرکار قدسیہ بیگم نے سرکار عالیہ کو خلعت بھیجا اور ساتھ ہی سرکار خلد مکاں، نواب صدیق حسن خاں سرکار عالیہ، اور نواب سلطان دولہا اور سب بچوں کو ایک ایک لاکھ روپیہ نقد بھی تھا۔ لیکن سب واپس کر دیا گیا۔

شرکت دربار کلکتہ

اس کے بعد ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۲ء کے دربار منعقدہ کلکتہ کے مراسم میں سرکار عالیہ نے شرکت کی لارڈ اور لیڈی رپن سے بھی دلچسپ ملاقاتیں ہوئیں لیکن اسی سفر میں سرکار خلد مکاں کی وہ ناراضی و کشیدگی جو پانچ چھ سال سے دل ہی دل میں تھی صاف صاف ظاہر ہونے لگی جو روز بروز بڑھتی گئی اور پھر آخر وقت تک قائم رہی۔

صاحبزادیوں کا انتقال

صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم سرکار خلد مکاں کے پاس رہتی تھیں لیکن کچھ عرصہ سے سرکار عالیہ نے ایک سخت مجبوری کی وجہ سے اپنے

---

[۱۵] اسی موقع پر نواب صدیق حسن خاں کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ ۱۷ فیر کی سلامی قلمرو سرکار انگریزی میں مقرر کی گئی لیکن اس کے بعد جو واقعات پیش آئے اُن کے صحیح یا غلط نتیجہ کے طور پر ۱۸۸۵ء میں خطاب و سلامی کا اعزاز مسترد ہوا۔ اور نواب صاحب گوشہ نشین کر دیئے گئے۔

ہی پاس رکھ لیا تھا کچھ دنوں کے بعد وہ بیمار ہوگئیں اور بالآخر ۱۲ سال ۶ ماہ کی عمر میں ۵ ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ ۱۸۸۸ء روز جمعہ کو ایک مہینہ تکالیف مرض اُٹھاکر انتقال کیا۔ شدائد مرض کے زمانہ میں سرکار عالیہ نے ہر چند کوشش کی اور خود تاج محل جاکر عاجزی اور منّت کی لیکن سرکار خلد مکاں کسی طرح تشریف لائیں اور مریضہ کو تسکین دیں لیکن وہ راضی نہ ہوئیں۔

ہنوز بلقیس جہاں بیگم کا صدمہ تازہ تھا کہ تقریباً ڈھائی سال کی سخت علالت کے بعد صاحبزادی آصف جہاں بیگم نے ۱۸ محرم ۱۳۱۲ھ = ۲۲ جولائی ۱۸۹۴ء کو بہ عمر ۱۴ سال چار ماہ ۲۲ یوم رحلت کی اور اِن دونوں غمناک مواقع پر سرکار عالیہ ماں کی تسلی سے محروم رہیں۔

اعلیٰحضرت اقدس نواب حمید اللہ خاں صاحب بہادر زاد اللہ عمرہٗ وشرفہٗ کی ولادت

۸ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ = ۹ ستمبر ۱۸۹۴ء روز یکشنبہ وقت ۶ بجے صبح اعلیٰحضرت اقدس کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ اگرچہ ریاست سے کوئی رسم نہیں کی گئی نہ کسی خوشی کا اظہار ہوا اور نہ سرکار خلد مکاں تشریف لائیں لیکن سرکار عالیہ کو تسکینِ قلب حاصل ہوئی جیساکہ خود تحریر فرمایا ہے :-

"اُس مولودِ مسعود کی ولادت سے مجھے بے انتہا مسرت ہوئی کیونکہ صاحبزادی آصف جہاں بیگم کے انتقال کے بعد میری طبیعت ہر وقت غمگین اور اُداس رہتی تھی اس نعم البدل کے ملنے سے کسی قدر وہ اُداسی اور افسردگی جاتی رہی۔

خداوند کریم نے جو سب سے بڑا تسلی دینے والا ہے گویا میرے غم زدہ دل کی تسلی کے لئے اپنے فیض وکرم کا فرشتہ بھیجدیا۔ بمصداقِ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ میں نے اس بچہ کو صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم و آصف جہاں بیگم کا بدلِ کامل سمجھا۔ اس میں شک نہیں کہ خداوند کریم کا فضل اور اُس کی رحمتیں مختلف صورتوں میں طرح طرح سے جلوہ گر ہوتی ہیں جو شمار میں نہیں آسکتیں"۔

صاحبزادوں کے عقد کی تقریب

جب نواب نصر اللہ خاں اور نواب جنرل محمد عبید اللہ خاں کی عمریں ۲۴ اور ۲۲ سال کی ہوگئیں تو سرکار عالیہ کو ان کی شادی کی فکر ہوئی اور بوساطتِ وزارت سرکار خلد مکاں سے استصواب کرکے نواب سلطان دولہا کی بھانجیوں سے نسبت کی۔ اِس موقع پر سرکار عالیہ نے انتہائی کوشش اور نہایت عاجزانہ طور پر معافیِ قصور کی درخواست

کرکے اصرار کیا کہ سرکارِ خلد مکاں یہ تقریب اپنے ہاتھوں سے انجام دیں لیکن کامیابی نہ ہوئی اور مجبوراً بتاریخ ۲۵ رجب ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء کو سادہ طور پر رسم عقد کر دی گئی۔

نواب شاہجہاں بیگم کی علالت و رحلت اور بعض دیگر واقعات

علالت اواخر ربیع الاول ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں سرکارِ خلد مکاں کی طبیعت ناساز ہوئی روز بروز مرض میں زیادتی ہوتی گئی سرکارِ عالیہ کو بھی ان حالات کی اطلاعیں ملتی رہتی تھیں جس سے شب و روز بے چین رہا کرتیں اور اُن کی صحت کی دُعائیں مانگتیں خود جانے میں طرح طرح کے اندیشے تھے لیکن بے تابانہ تشریف لے گئیں مگر جس جذبے کے ساتھ گئیں اور نواب شاہجہاں بیگم خلد مکاں کے انتقال اور تکفین و تدفین تک جو واقعات پیش آئے وہ خود سرکارِ عالیہ کی تحریر میں پڑھنا چاہیئے تزکِ سلطانی اور گوہرِ اقبال میں تحریر فرماتی ہیں کہ:۔

"اب مجھ سے زیادہ ضبط و صبر نہ ہو سکا اور میری محبت ان واہی اندیشوں پر غالب آگئی جو ایسی حالت میں ان کے پاس جانے سے ضروری تھے کیوں کہ مجھ کو افترا پردازوں سے ہمیشہ کھٹک رہتی تھی۔ میں مضطربانہ تاج محل کو روانہ ہوئی مجھے پاؤ میل کا راستہ کوسوں دُور معلوم ہوتا تھا خدا خدا کرکے مجھے محل میں قدم رکھنے کی نوبت آئی۔ اس سے پیشتر میں صرف ایک مرتبہ صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم کے زمانۂ علالت میں سرکارِ خلد مکاں کو لینے آئی تھی۔ یا اب ان کی عیادت و خدمت کیلئے آئی۔ سخت گرمی کا موسم دو بجے کا وقت محل میں کوئی راستہ بتانے والا بھی نہ تھا۔ سب جانتے تھے کہ میں خون کے جوش اور محبت کے اثر سے آئی ہوں۔ لیکن جو تھا بیگانہ تھا۔ بجائے اس کے کہ ایسی حالت میں میرا آنا باعثِ تسلی سمجھا جاتا۔ ان لوگوں میں بے چینی اور گھبراہٹ پھیل گئی میں ایک ایک سے پوچھتی ہوئی سرکارِ خلد مکاں کے کمرے میں پہنچی۔ وہ بوجہ ضعف کے لیٹی ہوئی تھیں میرا جی چاہا کہ ماں کے پاؤں سے لپٹ کر خوب روؤں۔ تلوؤں سے آنکھیں ملوں اور جو جوش کہ ۲۷ برسوں سے دل میں بھرا ہوا دریا کی سی لہریں لے رہا ہے جی کھول کر نکالوں۔ مگر سرکار کی خفگی کے خیال اور تکلیف کے خوف سے مجھے جرأت نہ ہوئی اور دیوارِ حسرت بن کر کھڑی رہ گئی۔ صاحب زادہ حمید اللہ خاں صاحب متعجبانہ نظروں سے یہ حالت دیکھ رہے تھے کہ سرکارِ خلد مکاں نے میری جانب نظر کرکے پوچھا کہ "تم کون ہو؟" چونکہ علالت سے اُن کی نظر میں ضعف آگیا تھا کمرہ میں اس وقت ذرا اندھیرا بھی تھا اور تیرہ برسوں کے عرصہ میں جانی صدمات اُٹھاتے اٹھاتے میری ہیئت میں ایسا تغیر ہو گیا تھا کہ سرکارِ خلد مکاں مجھے پہچان نہ سکیں میں

خاموش رہی کیونکہ مجھے خیال تھا کہ بلقیس جہاں بیگم زمانہ کی طرح اب بھی خفا نہ ہوں اور خفگی سے زخم کو نقصان نہ پہنچے جس سے مجھے جی بھر کر اُن کی زیارت کرنے کا موقع بھی نہ ملے۔

اُنھوں نے پھر کہا کہ "تم کون ہو؟ کیوں نہیں بولتیں؟" میں نے پھر بھی جواب نہ دیا۔ آخر کار جب کئی مرتبہ استفسار کیا تو ان کی ایک خواص نے جو وہاں حاضر تھی میرا نام بتایا اور میں نے نہایت عاجزی سے دست بستہ عرض کیا کہ "سرکار میری خطا معاف فرمائیں"۔ لیکن جس اندیشے سے میں خاموش رہی تھی۔ وہی پیش آگیا۔ اُس صادق العہد خاتون محترم نے غمگینی ملی ہوئی خفگی سے فرمایا کہ "تم اس وقت چلی جاؤ۔ ہمارے بعد آجانا"۔ لیکن میرے قدم گڑ گئے تھے کیوں کر وہاں سے ہٹتی۔ میں خاموش کھڑی رہی۔ مگر پھر بہ اصرار کہا تو مجھے ہمت نہ ہوئی کہ میں ٹھہری رہوں کیونکہ مجھے ان کی حالت کا تجربہ تھا اور میں اس راز کی تہ سے واقف تھی۔ جانتی تھی کہ میری موجودگی اُن کی تکلیف کی زیادتی کا باعث ہوگی۔ آخر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ لیکن ایک خواص نے آکر کہا کہ سرکار فرماتی ہیں کہ "تم اگر نہیں جاؤگی تو میں اپنے باغ کو چلی جاؤں گی"۔ مجبوراً باچشم گریاں مجروح دل پر ایک اور تازہ زخم لے کر میں صدر منزل کو واپس آئی۔

رحلت سرکار خلد مکاں کا مرض روز بروز بلکہ لحہ بہ لحہ بڑھتا گیا اور بالآخر ۲۸ صفر ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۶ جون ۱۹۰۱ء دن کے ۱۲ بج کر ۱۸ منٹ پر انتقال کیا۔ وزیر ریاست (مولوی عبدالجبار خاں صاحب مرحوم) اطلاع کی غرض سے ایوانِ صدر منزل پر حاضر ہوئے سرکار عالیہ فوراً ہی تاج محل روانہ ہوگئیں لیکن جس حالت میں گئیں اور جس طرح وہ دن گذرا اور رات بسر ہوئی وہ سرکار عالیہ کے ہی الفاظ میں یہ تھی کہ:۔

"میں اس دن صبح ہی سے غیر معمولی طور پر پریشان تھی۔ مجھے ہر چیز پر اداسی چھائی ہوئی نظر آتی تھی کہ اس سانحہ عظیم کی صدا میرے کانوں میں پہنچی۔ آہوں کے ہجوم سے حلق میں دم گھٹنے لگا۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ بگھی آئی اور میں تاج محل کو روانہ ہوئی۔ دل میں حسرتناک خیالات کا ہجوم ہوگیا۔ ۵۰ برس کا گذرا ہوا زمانہ یاد آیا۔ قوتِ متخیلہ نے میری زندگی کے اس حصہ کو جس میں جلیل القدر ماں کی محبت وشفقت کی مسرت مجھے نصیب تھی۔ دائمی فرقت سے بدل دیا۔ اور میری ماں کو ایک خلد نشین پاکیزہ صورت میں مجسّم کر کے میرے سامنے لا کھڑا کر دیا۔ مگر چشم زدن میں وہ پاک صورت تصور کی نظروں سے غائب ہوگئی اور بجائے اس کے ۲۷ برسوں کا رنج وہ زمانہ ایک خوفناک صورت میں نمودار ہوا لیکن

آنِ واحد میں وہ بھی نقش بر آب کی طرح مٹ گیا۔ پھر زمین و آسمان پر ایک سناٹا معلوم ہوا اور بے ثباتیٔ دُنیا کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا اور نظر آیا کہ کُلُّ شَیۡءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ لَهُ الۡحُکۡمُ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۔ میں محل میں داخل ہوئی۔ وہی محل جس میں ہر وقت چہل پہل رہتی تھی ھُوٗ کا مکان معلوم ہوتا تھا۔ ہر چیز پر عبرت و حسرت برس رہی تھی۔

آخری دیدار اور تجہیز و تکفین کا انتظام

میں اُس کمرہ میں پہنچی جہاں سرکارِ خلد مکاں تمام دُنیاوی اقتدار و حکومت کو خیرباد کہہ کر ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے خواب شیریں میں محو تھیں۔ نہ میرے آنے پر نام کا استفسار اور نہ میرے جانے پر اصرار کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ باتیں تمام تر بھلا دیں۔ اور آخری منزل طے کرنے کیلئے مجھ سے رخصت ہونے کا انتظار کر رہی ہیں میں نے بے تابی اور بے اختیاری کے ساتھ اُن کے قدموں کے بوسے لئے جن سے ۲۷ برسوں تک جُدا رہی تھی اور جن کے نیچے جنت کی نہریں[۵] بہہ رہی تھیں، دیر تک ٹکٹکی باندھے ہوئے اس چہرۂ مبارک کو دیکھتی رہی جس کی زیارت کی محرومی کے سبب اکثر تمام تمام دن اور تمام تمام راتیں گریہ و زاری میں بسر کی تھیں اور اب دوبارہ بجز روز قیامت کے دیکھنے کی امید نہ تھی۔

جی چاہتا تھا کہ قدموں کو ہاتھوں سے نہ چھوڑوں اور آنکھیں روئے مبارک سے نہ ہٹاؤں لیکن کسی طرح ممکن نہ تھا اور کیونکر ہو سکتا تھا۔ آخر تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور جو لوگ جزع فزع کر رہے تھے اُن کو منع کیا البتہ ثواب کیلئے میں نے سورۂ بقر اور کلمۂ طیب پڑھنے کی تاکید کی اور خود انتظامِ تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئی۔ ۷ مرتبہ سورۂ بقر اور سوا لاکھ مرتبہ کلمہ طیب پڑھا گیا۔ ۳ بج کے ۵ منٹ پر بعد فراغِ غسل و کفن جنازہ تاج محل سے جانب باغ نشاط افزا روانہ ہوا۔ جنازہ پر فرشتگان رحمت الٰہی کا سایہ تھا اور رضائے الٰہی کا نور برس رہا تھا۔"

عبرت خیز شام اور غمگین رات

تاج محل کے وہ لوگ جو میرے آنے سے کبیدہ ہوتے اور بگڑتے تھے۔ اب میرے حضور میں کھڑا رہنا باعثِ افتخار جاننے لگے، آٹھ دن پہلے جو مجھے دیکھ کر چھپ گئے تھے اب پیش پیش ہیں۔ ۱۲ بجے سے قبل جو لوگ

---

[۵] حدیث قدسی ہے کہ اَلۡجَنَّةُ تَحۡتَ اَقۡدَامِ اُمَّهَاتِکُمۡ۔

میری فرضی برائیوں کا بیان کرنا اور مجھ پر اتہامات لگانا واجبات سے جانتے تھے اب تعریفیں کرنا اور مجھ میں دُنیا بھر کی خوبیوں کا شمار فرض سمجھتے ہیں غرض ایک لمحہ کے اندر ہی دوسرا دَور دَورہ تھا وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔

لیکن اُس دن نہ حکومت کا خیال تھا اور نہ فرماں روائی کا ولولہ۔ ۲۷ برس کے بے انتہا رنج و غم ایک ایک کر کے سامنے آ رہے تھے۔

جن باتوں کو بھولے ہوئے برسیں گذر چکی تھیں فرداً فرداً تازہ ہوتی جاتی تھیں وہ امیدیں جو سرکار خلد مکاں کی زندگی سے وابستہ تھیں حسرت و ناکامی کے ساتھ وداع ہو رہی تھیں گو اس دن تاج محل کے اندر اور باہر ہمیشہ سے زیادہ آدمی تھے مگر رونق نہ تھی ہُو کا عالم تھا اور افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ جب سے تاج محل تیار ہوا تھا یہ چوتھا موقع تھا کہ میں اتنی دیر تک وہاں قیام پذیر رہی۔ پہلا موقع صاحب زادی بلقیس جہاں بیگم کے نشرہ سورۂ بقر کا تھا...

....

دوسرا موقع وہ ہے کہ جب بلقیس جہاں باغ حیات افزا میں مرض الموت میں مبتلا تھیں اور میں سرکار خلد مکاں کو لینے گئی تھی تیسری مرتبہ خود ان ہی کی عیادت کو آئی تھی اب میں چوتھی دفعہ اس محل میں آئی ہوں جو غم کدہ بنا ہوا ہے اور ہر در و دیوار پر حسرت اور اُداسی برس رہی ہے اوّل جب میں یہاں آئی تھی تو یہی محل بطرز محلات دہلی ایک کشادہ عمارت تھی لیکن چونکہ سرکار خلد مکاں قدیم بھوپالی طرز کی عمارت میں رہنے کی عادی تھیں اور اکثر چھوٹے مکانوں کو پسند فرماتی تھیں اس لئے حسب پسند اپنے اکثر کمرہ جات بنوائے تھے جس سے تاج محل کی کشادگی اور دل چسپی میں کمی واقع ہوگئی تھی۔ شب باراں کی تاریکی آغاز برشگال کی گرمی اور گوناگوں خیالات کے ہجوم نے مجھے اور بھی پریشان بنا دیا تھا۔ علاوہ بریں محل کی عمارات بجائے خود اور بھی زیادہ پریشانی بڑھانے والی تھیں مجھے کشادہ اور صاف مکان میں رہنے کی عادت ہوگئی تھی اور محل کے کمرہ وغیرہ نہایت تنگ تھے۔ پھر غیر مانوس مکان جس میں خود ہی انسان کا دو چار دن دل نہیں لگتا خصوصاً ایسے وقت کہ ایک سرپرست اور شفیق ماں کا سایہ اٹھ گیا ہو اور دُنیا کی تمام آرزوئیں اُن سے ملنے کی منقطع ہو چکی ہوں۔ اس حالت میں سرکار خلد مکاں کی زندگی کے حالات ایک کتاب کی صورت میرے سامنے آ گئے کبھی مادرانہ شفقت کے واقعات دکھائی دیتے تھے کبھی

شفقانہ زجر و تنبیہ سامنے آجاتی۔ اور کبھی ۲۷ سال کی جُدائی کے حالات اور صدمات پیشِ نظر ہوتے۔ گویا میرے خیال کے سامنے ایک کتاب تھی جس کے اوراق جلد جلد اُلٹتے جاتے تھے۔"

واقعات و اسبابِ کشیدگی

یہ ممتد و مسلسل کشیدگی جو اوراقِ ماقبل میں نظر آتی ہے سرکارِ عالیہ کے سوانحِ حیات میں وہ سانحۂ عظیم ہے[۵۱] جو حیرت و حسرت کے ساتھ عبرت و بصیرت سے بھی معمور ہے۔ سرکارِ عالیہ نے ایک موقع پر اپنی تزک میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"تاریخ میں بہت سے ایسے واقعات ملیں گے کہ ملک و مال کی وجہ سے مفسدین کی فتنہ پردازیوں سے باپ بیٹوں میں جدال و قتال اور ظلم و زیادتی کی آگ مشتعل ہوئی جس نے ہزاروں گھر اور حکومتیں برباد کردیں اور دونوں میں سے کسی ایک کی جان جاتی رہی یا دونوں تباہ ہو گئے۔ لیکن تاریخِ عالم کے کسی صفحہ پر ماؤں کی بے رحمی نظر نہ آئے گی۔ اکثر نافرمانی اور خودرائی اولاد ہی کی جانب سے ظہور پذیر ہوتی ہے مائیں اولاد سے دُکھ سہتی ہیں، نافرمانیاں دیکھتی ہیں مگر ان کی محبت ہمیشہ رحم و کرم سے ان کا معاوضہ کرتی ہے .... مگر میری اور سرکارِ خلد مکاں کی ایسی حالت تھی جو شاید ہی آج تک کسی کو پیش آئی ہو، نہ میرا قصور تھا نہ سرکارِ خلد مکاں میں صلۂ رحم اور مہرِ مادری کا فقدان تھا لیکن وہ میرے مفروضہ قصورات پر اظہارِ ناراضی کے لئے مجبور تھیں اور اسی مجبوری کی وجہ سے یہ مستثنیٰ حالت نظر آتی ہے۔"

مگر یہ مستثنیٰ حالت جس میں سرکارِ عالیہ کی شاندار زندگی کے ۲۶-۲۷ سال گذرے جن اسباب کا نتیجہ تھی اُن کے معلوم کرنے کے لئے ہم کو اس زمانہ کے چند اہم[۵۲] واقعات پر نظر ڈالنی ہوگی۔

ا۔ ۱۸۷۱ء میں سرکارِ خلد مکاں نے نواب صدیق حسن خاں صاحب (والاجاہ) کے ساتھ

---

[۵۱] حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کے جن متعدد ابواب میں اس کشیدگی کا تذکرہ ہے ان میں وہ سوز و گداز بھرا ہوا ہے کہ کوئی شخص گرم آنسوؤں اور سرد آہوں کے بغیر اُن کو مطالعہ نہیں کرسکتا۔

[۵۲] مؤلف سوانح نے ان واقعات کے لکھنے میں حسبِ ذیل کتابوں سے استناد کیا ہے۔

ا۔ تزکِ سُلطانی۔

۲۔ بھوپال آفیسرس مطبوعہ ۱۸۸۸ء مولفۂ سرکارِ خلد مکاں (اُردو ایڈیشن)

عقدِ ثانی کیا۔ ان کو وسیع اختیاراتِ حکومت دیئے اور پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ نے حوصلہ افزائی کی رفتہ رفتہ یہ اختیارات والیانِ ملک کے ہم مرتبہ ہو جانے کی خواہش و کوشش کی بنیاد قرار پائے مگر اس عقد سے خاندانِ ریاست میں تعصبات پیدا ہو گئے اور بالخصوص نواب قدسیہ بیگم کو سخت ناگوار ہوا، نواب والاجاہ نے مداہنت، رواداری اور اخلاق و حکمتِ علمی کی جگہ خشونت و سختی، نفرت و حقارت اور فرماں روایانہ اقتدار کی نمود و نمائش کو اختیار کیا۔

نواب قدسیہ بیگم اور بعض اعزائے ریاست کے خلاف سخت کارروائیاں شروع کی گئیں اُن کے چند متوسلین[۵۱] و معتمدین خاص معتوب ہوئے۔ ان کے اقتدار و اختیارات کم کرنے کی کوشش کے ساتھ سرکار خلد مکاں کو فرضی باتوں پر اس درجہ برہم و ناراض کرا دیا گیا کہ تعلقات خاندانی تک منقطع ہو گئے۔

میاں یٰسین[۵۲] محمد خاں پر عتاب ہوا وہ ترکِ وطن پر مجبور ہوئے اور اُن کی جاگیر ضبط کی گئی۔

نواب صاحب کے تعلقات زوجۂ اول کی اُس اولاد[۵۳] سے جو شوہرِ اول سے اچھے نہ تھے بلکہ بڑی حد تک ان میں باہمی ناگواری اور نفرت تھی۔

سرکار عالیہ کے سوتیلے بھائیوں مجید محمد خاں اور لطیف محمد خاں کے ساتھ حقارت کا برتاؤ تھا اور اس امر کی کوشش تھی کہ سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولھا بھی اُن سے تعلقات منقطع کر لیں۔

بقیہ حاشیہ

۳۔ الروض الخصیب ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء
۴۔ ابقاء المنن بالقاء المحن ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء
۵۔ وصیت نامہ ابو الوفا توفیق ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء

} مصنفات نواب صدیق حسن خانصاحب مرحوم

۶۔ مآثر صدیقی ۱۹۲۴ء مولفۂ سید علی حسن صاحب۔

۵۱ ان میں خاص طور پر میاں جی ریاض الدین اور مفتی رسول قابل الذکر ہیں۔ میاں جی صاحب نواب سکندر بیگم کے اُستاد تھے اور مفتی صاحب ریاست کے اس قدیم خاندانِ علما کے رکن تھے جس میں منصبِ افتا وراثتاً چلا آتا تھا۔

۵۲ نواب قدسیہ بیگم کے بھتیجے اور ایک معزز جاگیردار تھے۔

۵۳ ابقاء المنن بالقاء المحن صفحہ ۱۰۸

یہ سب بھوپال میں ایک خاص اثر رکھتے تھے اور ریاست کو ان کے ساتھ گہری ہمدردی تھی، نواب قدسیہ بیگم کا نہ صرف تمام طبقاتِ رعایا پر ایک خاص اثر تھا بلکہ پولٹیکل عہدہ داروں کے دلوں پر بھی ان کی عظمت کے نقوش مرتسم تھے۔

نواب والاجاہ اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم میں عقائد کا اختلاف بھی شدید مذہبی تعصب کی شکل میں رونما ہوگیا ساتھ ہی بعض انتظاماتِ حکومت اور بالخصوص بندوبست مالگذاری کے متعلق ایک عام شکایت پیدا ہوگئی جس کی ریشہ دوانی ایجنسی کے اُن ملازموں نے کی جو ریاست کے مالگذار تھے اور مقتضائے حالات کے لحاظ سے ان تمام امور کی ذمہ داری نواب صدیق حسن خاں[۵۱] پر تھی۔ ابتداءً سرکارِ خلد مکاں کو شکایتی خطوط و عرائض کے ذریعے سے لوگوں نے اطلاع دی لیکن جب کوئی اثر نہ ہوا تو اخبارات کو ذریعہ بنایا اور بالآخر رزیڈنسی میں رجوع[۵۲] کیا گیا۔

لیکن ان پر تو کچھ زیادہ اعتنا نہیں کیا گیا البتہ نواب والاجاہ کی شہرتِ وہابیت[۵۳] اور ایک قدیم خطبہ جہاد کی اشاعت پر پولٹیکل عہدہ داروں نے توجہ کی۔

اس زمانہ میں جنرل ڈیلی سنٹرل انڈیا میں ایجنٹ گورنر جنرل تھے جن کو پہلے ہی سے نواب قدسیہ بیگم کے معاملہ میں نواب صاحب سے بدگمانی تھی۔ انھوں نے اس خطبہ کی طرف گورنمنٹ آف انڈیا کو متوجہ کیا مگر لارڈ رپن نے زبانی ہدایت و فہمائش کا ایما کیا اور کرنل بنرمین انچارج رزیڈنٹ کے سامنے

---

۵۱ بھوپال آفیسرس۔

۵۲ مآثر صدیقی۔

۵۳ ۱۸۷۱ء کو تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ ڈاکٹر ہنٹر کی زہریلی کتاب "انڈین مسلمانز" نے انگریزی حکام کی ذہنیت پر ایک خاص اثر ڈالا تھا۔ اس کتاب میں گورنمنٹ کو مسلمانوں کی طرف سے ہوشیار و خبردار رہنے کی تلقین کی گئی اور بالخصوص وہابیت اور بغاوت کو مترادف الفاظ سمجھایا گیا تھا۔ بنگالہ میں وہابیوں کے مقدمات کا سلسلہ جاری تھا۔ گورنمنٹ کے افسر وہابیوں کی تلاش و جستجو میں سرگرم تھے۔ غرض یہ خطرہ جو ڈاکٹر ہنٹر کے ذہن رسا نے پیدا کردیا تھا۔ بہت سی دار و گیر کے بعد تقریباً ۱۸۹۰ء میں سرسید اور بعض علما کی کوششوں سے رفع ہوا۔

(ماخوذ از حیاتِ جاوید)

وہ چاک کر دیا گیا لیکن اس کے بعد ایک طرف تو نواب صاحب نے رواداری اور حکمت عملی اختیار کرنے کی جگہ اور زیادہ سختی اور تنفر و حقارت[1] سے کام لیا بلکہ اس نوبت پر ان کے انتقامی جذبات میں تموّج پیدا ہو گیا۔ مخالفین کی ایذا رسانی پر دلیر ہو کر انتقامی تدابیر شروع کیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر سرکار خلد مکاں نے حتی الامکان اعراض بھی کیا چنانچہ نواب والاجاہ خود لکھتے ہیں کہ :۔

"اگر مرا دست رسے بخشند این گنج رواں را باندک فرصت راست می تواں کرد"

---

[1] ان واقعات کے متعلق نواب والاجاہ نے اپنی کتاب الروض الخصیب میں لکھا ہے کہ :۔

"دریں عرض مدت چار سال کہ ریاست را از طرف اہلکاران و متوسلانِ گوہر بیگم عبدہٗ فاسدہ و حیۂ ساعیہ این ... مظالم و عدوانات بر زباں آمد۔ زمرۂ مفسدین را رگِ شرارت جنبید۔ مالِ مفت دلِ بے رحم میانجیاں[1] و رسولاں[2] و کوچک ابدالانِ ایشاں انتہاز فرصت کردہ و موقع اخذ و جر بدست آوردہ و نزاعِ آستانہ را باکاشانۂ ریاست غنیمت باردہ شمردہ کردند انچہ کردند و خوردند انچہ خواہند و بردند انچہ بردند و دادند انچہ دادند و باطلِ محض را حق بحت نمودند ؎

شبہا رقیب چند بکوئے تو جا کند
او ہم بروز ما بنشیند خدا کند

برضمیر منیر ریاست ذرہ ازاں مخفی نیست ولکن ؎

چیں بر جبیں ز جنبشِ ہر خس نمی زنند   دریادلاں چو موج گہر آرمیدہ اند

ایں قدر بالضرورت شد کہ بعض حکام را خلافِ واقعہ فہمانیدند و باہم شکر رنجی ہا افزودند امّا عاقبت بخیر ماند۔

چوں ایں حرام نمکاں طینت و فتنہ انگیزانِ بہایم سیرت ہیچ راہے بسرِ مدعائے خود در بارہ ایں ہیچ کارہ نیافتند دریں نزدیکی سہ چہار سال نزدِ حکام بالا دست بہ وہابیت و امثال ایں الفاظ بدنام کردن، خواستند و تہمت ترغیب غزو مانند آں شہرت دادند تجربہ صدر عالی قدر نسبت ایں ریاست و دولت عموماً و بہ نسبت ایں بے حراست و صولت خصوصاً بہ قاضی بہ عدم ثبوت ایں قسم افترا آت و

---

[1] میاں جی ریاض الدین ۔ [2] مفتی رسول

دوسری طرف ناراض گروہ میں برابر اضافہ ہو رہا تھا اور عوام و خواص[۱] کے جذباتِ مخالفت اشتعال پذیر تھے۔ اس زمانہ میں سر لیپل گریفن سنٹرل انڈیا ایجنسی میں مامور ہوئے ان کی نظر سے پہلی کارروائی گذر چکی تھی اب بعض دیگر کتابوں پر بھی توجہ دلائی گئی اور مخالفین کی طرف سے نہایت منظم اور مضبوط طریقے سے

(بقیہ حاشیہ)

خذعبلات شد ورنہ نزدیک بود کہ دست بخوں بے گناہے رنگین سازند و ساز مدعا برائے علی روس الاشہاد بنوازند۔ (الروض الخضیب صفحہ ۱۷۴ و ۱۷۷)

صاحبِ مآثر صدیقی لکھتے ہیں کہ:۔

بالآخر والاجاہ پر انواع و اقسام کے الزامات مذہبی و انتظامی قائم کر کے حکام گورنمنٹ انگلشیہ تک پہنچانا شروع کئے۔ جناب سر ہنری ڈیلی صاحب بہادر جب رزیڈنٹ سنٹرل انڈیا مقرر ہو کر ورود فرمائے اندور ہوئے اور اوّل مرتبہ بھوپال میں تشریف لائے تو رئیسہ عالیہ کسی عذرِ خاص کی وجہ سے مطابق قاعدہ مجریہ ریاست ان کے استقبال کو نہ جا سکیں اور بجائے اپنے جناب نواب ولی عہد صاحبہ دام اقبالہا کو بھیج دیا۔ یہ امر صاحبِ موصوف کی طبع نازک پر گراں گذرا اور باعثِ ناخوشی ہوا .... اربابِ خدع و حیل نے رزیڈنٹ صاحب کی اس ناراضی کو غنیمت سمجھ کر اس سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور والاجاہ کے متعلق اتہاماتِ لایعنی اور اخبار مخترعہ تراش کر بذریعہ عرائض جنرل صاحب موصوف کو پہنچانا شروع کئے صاحب موصوف ناخوش تو تھے ہی اسلئے بغیر ریاست سے دریافت کئے اور بلا ثبوت لئے وہ سب عرائض گورنمنٹ آف انڈیا کے پاس بھیجتے رہے مگر گورنمنٹ آف انڈیا نے اپنے دانشمندانہ آئینِ حکمرانی کے مطابق کبھی اُن پر توجہ نہیں کی اور کوئی اسٹیپ نہیں لیا (مآثر صدیقی حصّہ سوم صفحہ ۱۲۸)

[۱] نواب صاحب کو بھی بھوپال اور اہلِ بھوپال کے ساتھ ایک خاص کد و کاوش اور نفرت و حقارت تھی جو ابتدا سے انتہا تک قائم رہی چنانچہ جا بجا اپنی تصانیف میں بھی نہایت سخیف الفاظ میں اس کو ظاہر کیا ہے مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:۔

"اب وطن میرا وہ شہر ہے جو اس آیت کا مصداق ہے سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ یہ وہ جگہ ہے جہاں علم مرجاتا ہے، عالم مردار سے زیادہ خوار رہتا ہے اہلِ معرفت و صلاح تو یہاں شاید پہلے ہی سے پیدا نہیں ہوئے۔" (القاء المنن بالقاء المحن صفحہ ۱۴۰)

شکایتیں پیش ہوئیں جن کی ایجنسی سے بھی تائید ہوتی تھی اس مرتبہ خود نواب والاجاہ کے خاص[۹۵] آدمی بھی مخالف گروہ میں شامل تھے۔

۲- سرکار خلد مکاں کا جب عقدِ ثانی ہوا ہے تو سرکار عالیہ کی عمر ۱۳ سال کی تھی اور ان ہی کے دامانِ شفقت میں رہتی تھیں۔ شادی کے بعد بھی قریب ہی کے محل میں قیام تھا جس میں صرف ایک دیوار حائل تھی اُن کو اور نواب سُلطان دولھا کو ان حالات و واقعات سے جو سنہ ۱۸۷۱ء کے بعد

(بقیہ حاشیہ)

۹۴ سر لیپل گریفن سنہ ۱۸۸۱ء میں اندور میں متعین ہوئے اور دو سال بعد ڈیڑھ سال کے لئے رخصت پر چلے گئے پھر آخر سنہ ۱۸۸۵ء میں آئے اور سوا دو سال کے قریب رہے اگرچہ وہ ایک نہایت ذہین اور قابل انگلش مین تھے مگر اُن کے مزاج میں انتہائی ضد تھی اور ہندوستانی والیانِ ملک کے ساتھ سخت تعصب بھی رکھتے تھے، چنانچہ اس تعصب کا اندازہ اُن کے اُس لیکچر سے ہوتا ہے جو انھوں نے جون سنہ ۱۸۸۹ء میں ہندوستانی ریاستوں اور ان کے فرماں رواؤں کے متعلق لندن کے کالونیل انسٹی ٹیوٹ میں دیا تھا یہ لیکچر والیانِ ریاست پر ایک شدید حملہ تھا اور اس حملہ کی شدّت خصوصیت کے ساتھ مسلمان فرماں رواؤں پر زیادہ تھی اور بڑی بلند آہنگی کے ساتھ حیدر آباد، بھوپال اور بہاولپور میں مسلمانوں کی پولٹیکل سازشوں کے وجود کا خطرہ ظاہر کر کے ان کی سرکوبی میں تامّل کرنے کو گورنمنٹ کی بزدلی سے تعبیر کیا تھا حیدر آباد اور مسلمانوں کے عام حملہ کے متعلق نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی (سابق فنانشل سکریٹری گورنمنٹ نظام و آنریری سکریٹری ایم۔ اے۔ او کالج) نے اسی زمانہ میں نہایت قابلیت کے ساتھ جواب لکھ کر لندن کے کثیر الاشاعت میگزین "نائنٹینتھ سینچری" میں شایع کرایا۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ کا وہ حصّہ جس کا تعلق والیانِ ملک سے ہے اس درجہ غیر آئینی ہے کہ جس کی کوئی نظیر سلطنتِ برطانیہ کے اتنے وسیع محکموں میں نہیں مل سکتی۔

اکثر و بیشتر سلطنت یا گورنمنٹ آف انڈیا اور والیانِ ملک کے تعلقات کی خوشگواری ان کی عزت و شہرت اور مرتبہ و وقار کا قیام محض پولٹیکل ایجنٹ ریزیڈنٹ اور ایجنٹ گورنر جنرل کی آرا و جذبات پر منحصر ہوتا ہے اور اس کی متعدد مثالیں بڑی سی بڑی اور چھوٹی سی چھوٹی ریاستوں میں پائی جاتی ہیں۔

۹۵ ان خاص آدمیوں کے متعلق خود نواب والاجاہ لکھتے ہیں کہ :-

جُن کے ساتھ میں نے طریقۂ مروّت و رعایت و قدردانی و اضافہ تنخواہ و ترقی عہدہ جات و اختیارات

سے اب تک پیش آئے کوئی تعلق نہ تھا البتہ نواب سلطان دولہا پر شادی سے قبل کسی مقصد کے لحاظ سے بعض سخت پابندیاں[۵۱] عائد کی گئی تھیں اور بعد شادی ۱۸۷۶ء میں ان پر اعتراضات[۵۲] کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ مثلاً گھوڑوں کی خرید، شکار کے لئے چیتوں کی پرورش ورزش وغیرہ کے لئے دو تین پہلوانوں کی ملازمت، والدہ اور بعض اعزائے قریب کا قیام، بلا منظوریٔ ماقبل دیہات جاگیر پر روانگی۔

یہ کل اعتراضات تھے جو مختلف اوقات میں وارد کئے گئے جن کا جواب نواب سلطان دولہ نے ہمیشہ نہایت ادب و انکسار اور معذرت کے ہی ساتھ پیش کیا اور تین چار سال کے اندر یہ سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔

۱۸۸۱ء تک سرکار عالیہ سے بھی کسی قسم کی کوئی شکایت نہ تھی اور نہ سرکار خلد مکاں اور نواب الاجاہ کو کوئی وجہ ملال پیدا ہوئی تھی البتہ کبھی کبھی بعض معمولی اور جزئی باتیں ایسی ہو جاتی تھیں جو ناگواری کا باعث ہو سکتی تھیں۔ مگر سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولہ کے ضبط و تحمل سے ان کا کوئی اثر

(بقیہ حاشیہ)

کا برتاؤ کیا تھا اُن میں سے ہر شخص نے بمقدار احسان و سلوک خیر کے عداوت و شکست پر کمر باندھی۔

دخن اس فتنہ کا علاوہ متوسلانِ قدیم کے طرف سے ان لوگوں کے بھی برپا ہوا تھا جن کو میں نے حضیضِ مذلت سے اوجِ عزت پر پہنچا دیا تھا اور معتمد و کارگذار و شریف القوم و صاحب علم و ہنر سمجھ کر اس جگہ کی خدمت پر مامور کیا تھا جن کو اب کسی جگہ کوئی جگہ نہیں ملتی ہے ان سے بمقابلہ مواسات کے یہ معادات ظاہر ہوئے۔" (القاء المنن بالقاء المحن صفحات ۱۰۲ و ۱۰۶)

۵۱ اس حالت کے متعلق سرکار عالیہ لکھتی ہیں کہ :۔

"زندگی مثل شاہی قیدیوں کے بنا دی گئی ان کے گرد پہرہ قائم ہوا اور بغیر اجازت سیر و تفریح ممنوع کی گئی سیر و شکار بلکہ آزادی کی ہر رفتار میں روک ٹوک ہونے لگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ایک سال چار ماہ اسی طریق سے بسر ہوگئے۔" (تزک سلطانی صفحہ ۸۴)

۵۲ ماخوذ از نقشہ بھوپال آفس ۱۲۔

نہ ہوتا البتہ اسی زمانہ میں محل کے حلقہ میں اس بات کا رازدارانہ چرچا ہونے لگا کہ سرکار خلد مکاں اور نواب والاجاہ کا ارادہ ہے کہ بلقیس جہاں بیگم (مرحومہ) کی شادی سید علی حسن[۵۱] سے کی جائے اس اطلاع سے سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولھا دونوں متردد ہو گئے تا آنکہ ایک مرتبہ خود سرکار خلد مکاں نے سرکار عالیہ سے مبہم طور پر اپنا منشا ظاہر کیا اور سرکار عالیہ کو خاندانی و ملکی مصالح کے اعتبار سے انکار ہی کرنا پڑا۔

اسی دوران میں سرکار عالیہ کو ممانعت کی گئی کہ وہ اپنے ددھیالی اعزہ اور سوتیلے بھائیوں سے نہ ملیں جن پر کچھ الزامات بھی قائم کئے گئے۔[۵۲]

سرکار عالیہ نے جیسا کہ فطری محبت کا تقاضا ہونا چاہیئے اور ایسی صورت میں کہ اب دنیا میں سرکار خلد مکاں کے بعد اُن سے زیادہ کوئی قریبی رشتہ دار نہ تھا ان الزامات کی تردید اور اُن پر سرکار خلد مکاں کی خفگی کو معمولی خفگی سمجھا لیکن خاندان کی یہی معمولی باتیں نہایت اہم بنا دی گئیں اور رفتہ رفتہ سرکار خلد مکاں کے مزاج میں برہمی بڑھتی گئی مگر اس وقت تک تعلقات میں کوئی ایسی ناگواری پیدا نہ ہوئی تھی جو قابلِ لحاظ ہوتی حتی کہ آغاز ۱۸۸۳ء میں صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم کی تقریب نشرہ میں سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولہ کو سرکار خلد مکاں نے خلعت عطا کئے اور نواب والاجاہ نے مردانہ جلسہ تقریب میں مراسم انجام دیئے اور نواب سلطان دولھا کو خلعت پہنایا۔

اس تقریب کے دو مہینے بعد مارچ ۱۸۸۴ء میں بمقام کلکتہ جو دربار عطائے تمغہ جات ہونے والا تھا اس میں سرکار خلد مکاں مدعو کی گئیں اور سفر کی تیاریاں ہونے لگیں۔ تمام اراکینِ خاندان اور نواب سلطان دولھا بھی ہمراہیوں میں تھے لیکن معمول کے خلاف سرکار عالیہ کا نام فہرست میں نہ تھا۔

---

۵۱ نواب صدیق حسن خاں کے چھوٹے صاحبزادے۔

۵۲ اس واقعہ کے متعلق خود سرکار خلد مکاں تحریر فرماتی ہیں:۔

"بمقدمہ شادی اولادِ خود وقتِ ذکر کے یہ کہا کہ کسی کی اولاد پر کسی کا زور نہیں ہے حالانکہ سلطان دولہ نے اقرار نامہ میں صاف اختیار اولاد کا میرے ہاتھ میں دے دیا ہے جن مفسد لوگوں سے ملنے کو منع کیا ان سے ملنا موقوف نہ کیا نہ اپنے سوتیلے بھائیوں سے راہ و رسم ترک کی بلکہ ان کی طرفدار ہو گئی۔ (بھوپال آفیرس)

اور بظاہر کوئی وجہ بھی نہ تھی اس بنا پر سرکار عالیہ کو کچھ تشکوک پیدا ہوئے اور انھوں نے جس طرح کہ ہمیشہ ایسے مواقع پر ساتھ جاتی تھیں اس موقع پر بھی ساتھ چلنے پر اصرار کیا دوسری طرف جب پولٹیکل ایجنٹ نے فہرست میں سرکار عالیہ کا نام نہ دیکھا تو سرکار خلد مکاں کو توجہ دلائی اور بالآخر ہمراہ جانا قرار پایا۔ لیکن روانگی سے قبل ہی اس برہمی و ناراضی میں غیر معمولی اضافہ محسوس ہونے لگا اور کلکتہ پہنچنے پر اصل واقعہ بھی معلوم ہوگیا۔[۵۱]

نواب والاجاہ ہر ممکن اعزاز کے متمنی تھے اور سرکار خلد مکاں اس تمنا کے حصول میں سعی بلیغ فرماتی تھیں۔

مختاریٔ ریاست اور فرماں روائی کی قائم مقامی کی ناکام کوششوں کے بعد اب یہ کوشش تھی کہ سرکاری طور پر ولی عہد ریاست سے نواب صاحب کا مافوق مرتبہ قرار دیدیا جائے اور اس سفر میں یہی مقصد پیش نہادِ خاطر تھا چنانچہ اس مرتبہ ملاقاتِ اوّل وثانی کے جو پروگرام فارن ڈیپارٹمنٹ سے مرتب ہوکر آئے اُن میں معمولِ قدیم کے خلاف نواب والاجاہ اور سرکار عالیہ کی ترتیبِ نشست کی صراحت تھی جس میں نواب صاحب کی کرسی کا نمبر مقدم تھا ملاقاتِ اوّل کا پروگرام سرکار عالیہ کی نظر سے نہیں گذرا اور وہ حسب رواج و معمول اپنے نمبر پر بیٹھ گئیں جو سرکار خلد مکاں کے بعد تھا لیکن جب ملاقاتِ ثانی کا ان کے پاس پروگرام بھیجا گیا جس میں ترتیبِ نشست بھی تھی تو سرکار متحیر ہوگئیں اور انھوں نے سب سے پہلے خود نواب صدیق حسن خاں سے اس کی وجہ دریافت کی اور ان کی لاعلمی ظاہر کرنے پر ایک احتجاجی درخواست[۵۲] سرکار خلد مکاں کی خدمت میں پیش کی۔

اس وقت تک سرکار عالیہ کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہوئی تھی کہ جس پر کوئی حرف گیری ہوسکتی مگر کلکتہ کا یہ واقعہ سرکار خلد مکاں کی غیر معمولی ناراضی کا سبب بن گیا جس نے ایک نمایاں اور مستحکم

---

[۵۱] سرکار خلد مکاں نے ۱۸۷۵ء میں نواب والاجاہ بہادر کو اپنا قائم مقام بناکر ہز رائل ہائینس کے استقبال اور شرکتِ دربار کے لئے بمبئی اور کلکتہ روانہ کرنا تجویز کیا تھا لیکن وائسرائے نے اس تجویز کو منظور نہیں کیا اور بذاتِ خود کلکتہ آنے کا مشورہ دیا۔ (مآثر صدیقی حصہ دوم)

[۵۲] تزک سلطانی صفحہ ۲۰۲ وجہ پال افیرس۔

صورت اختیار کرلی۔

مراجعت کے بعد سرکارِ عالیہ سے معاشرتی تعلقات کا انقطاع شروع ہوا دفتری و سرکاری تحریروں میں رفتہ رفتہ لفظ "ولی عہد" حذف ہونے لگا اور جب سرکارِ عالیہ نے توجہ دلائی تو اظہار ناراضی کے ساتھ آئندہ جانشینی کے حقوق سے محرومی[۹۱] اور اختیارات تبنیت کرنے کی دھمکی دی گئی۔

سرکارِ عالیہ کی سالگرہ کی تقریب اور سلامی بند کردی گئی اور جو اردلی روزانہ محل پر حاضر رہتی تھی، موقوف ہوگئی۔

ان کو بعض ایسے مطالبات کے داخل کرنے کا حکم دیا گیا جن میں کچھ کے جواز کی نسبت عذر تھا۔ اور کچھ کی نسبت حساب فہمی کی استدعا تھی بندوبست جدید کے سلسلہ میں اضافۂ بندوبستِ جاگیر داخلِ خزانۂ ریاست کیا گیا اور وہ اضافہ سرکاری طور پر اس طرح وصول ہوا کہ اضافہ سے قبل کی آمدنی بھی سرکارِ عالیہ اور نواب سلطان دولہ کی ڈیوڑھی میں وصول نہ ہوسکی بعض ملازمانِ ڈیوڑھی کے عزل و نصب پر اعتراضات ہوئے اور عہدہ دارانِ ریاست کی طرف سے اُن کے بعض ملازموں پر مقدمات قائم[۹۲] کئے گئے۔

کلکتہ کی واپسی کے بعد ہی "تاج الاقبال" (تاریخِ بھوپال) کا ایک حصہ مرتب ہوکر "غربال بھوپال" کے نام سے طبع کیا گیا۔ یہ حصہ ایک بیانِ خانگی اور ذکرِ برتاؤ اولاد و اخوانِ ریاست اور واقعاتِ سفرِ کلکتہ پر مشتمل تھا اور اُس صفحۂ اوّل پر سرکار خلد مکاں کے دستخط ثبت تھے اور مُہر لگی ہوئی تھی[۹۳]۔
لیکن درحقیقت یہ انتہائی توہین آمیز کتاب تھی جس کا مقصد بجز ممبرانِ خاندان کی بدنامی کے اور کچھ نہ تھا جیسا کہ اُس کے نام سے ہی ظاہر ہے اور محض اُس کے عواقب و نتائج سے محفوظ رہنے کے

---

۹۱ بھوپال افیرس۔

۹۲ یہی وہ امور ہیں جن کے متعلق بہ اوقاتِ مختلف سنہ ۱۲۹۹ھ سے سنہ ۱۳۰۱ھ تک سرکارِ عالیہ نے عذرات پیش کئے جن کو نافرمانی تصور کیا گیا اور بھوپال افیرس میں اُن ہی عذرات کا ایک گوشوارہ بطورِ ثبوت نافرمانی اور وجہ ناراضی شامل کیا گیا ہے۔

۹۳ بھوپال افیرس۔

لیے سرکار خلد مکاں کے دستخط و مُہر سے اُن کو ذمہ دار بنا دیا گیا تھا۔

۳۔ اب رفتارِ حالات یہ تھی کہ ولی عہد ریاست کے متعلق نازیبا کارروائیوں کا سلسلہ جاری تھا اور پبلک کے ساتھ سختی اور بیزاری میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

سر لیپل گریفن پہلی ہی مرتبہ جب بھوپال آئے تو انھوں نے نواب والاجاہ سے سرد مہری اور نواب سلطان دولھا سے گرم جوشی کا اظہار کیا اور سرکار عالیہ سے بھی اُن کے محل پر ملاقات کی۔ اس کے بعد انتظامات پر اعتراضات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور آخرالامر عام معاملات میں دست اندازی کے ساتھ لَا لِحُبِّ عَلِیٍّ بَل لِبُغضِ مُعَاوِیَہ[۹۱] اُن معاملات میں بھی مداخلت کی جن کا تعلق سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولہ سے تھا پھر محض ایجنٹ گورنر جنرل کے غیر محدود اور بے روک اختیارات کے زعم میں نواب والاجاہ کے ساتھ تہتک آمیز طرزِ عمل شروع کیا جو صریحاً ان کے اعزاز کے منافی تھا اور جس سے صاف طور پر سرکار خلد مکاں کی توہین نمایاں تھی۔

علاوہ بریں ان مبینہ و منسوبہ الزامات[۹۲] کے متعلق سرکار خلد مکاں سے جو مراسلت ہوئی وہ نہایت تیز ہو گئی اور ایک فرماں روا خاتون کے حفظِ مراتب کو بھی نظر انداز کر دیا گیا۔

غرض سر لیپل گریفن کی چار پانچ سال کی متواتر مداخلت اور رپورٹوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ گورنمنٹ آف انڈیا کی منظوری سے نواب والاجاہ معزول اور امورِ ریاست میں صریح و غیر صریح مداخلت سے ممنوع کئے گئے اور اُن کے تمام اعزاز و خطابات مسترد ہوئے مگر جس شان کے ساتھ یہ معزولی ہوئی اس

---

۹۱ علیؓ کی محبت میں نہیں، معاویہؓ کی عداوت میں ۱۲

۹۲ حسب ذیل الزامات ان پر قائم کئے گئے۔

(۱) رئیسہ عالیہ کو پردہ نشین بنا کر "مددِ رئیسہ" کے نام سے تمام تر اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لینا۔

(۲) جاگیر کی ضبطی۔

(۳) سختیٔ بندوبست۔

(۴) نواب قدسیہ بیگم و رئیسۂ عالیہ و نواب ولی عہد میں مخالفت پیدا کرانا۔

(مآثر صدیقی حصہ سوم صفحہ ۱۴۰)

سے صاف طور پر ریاست کی قدیم روایاتِ وفاداری اور سرکار خلد مکاں کے جذبات عالیہ کو صدمہ پہنچایا گیا انھوں نے ایوان شوکت محل میں بطور خود صرف زبانی اطلاع دینے کے بعد ایک دربار منعقد کیا جس میں تمام ارکان و عہدہ دارانِ ریاست طلب ہوئے اور ان لوگوں کو جن کا سرکار خلد مکاں نے ایک عرصہ سے دربار بند کر دیا تھا اور جن سے وہ بے حد ناراض تھیں ان کو اپنا چوبدار بھیج کر مدعو کیا حتیٰ کہ خود سرکار خلد مکاں کو بھی وکیل دربار کے ذریعہ زبانی اطلاع دی گئی اور اس طرزِ عمل پر جب سرکار خلد مکاں نے اعتراضات کئے تو کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ رعب وعظمت اور اقتدار کا مظاہرہ کرنے کے لئے انگریزی فوج سوار و پیادہ طلب کی گئی جو محل کے اندر و باہر ہی نہیں بلکہ دربار ہال میں بھی ایستادہ کی گئی اور سر لیپل گریفن نے نہ صرف نواب والاجاہ سے بہ حیثیت ایک ملزم کے گفتگو کی اور اُن کو معزولی کا حکم سُنایا بلکہ سرکار خلد مکاں سے بھی حفظِ مراتب کے خلاف تخاطب کیا گویا قاطبتہً لارڈ ڈفرن نے بھوپال کی قدیم روایات کے احترام اور سرکار خلد مکاں کے وقار کو سر لیپل گریفن کے ہاتھوں میں سپرد کر دیا تھا۔[۵۱]

۴۔ واقعہ کلکتہ کے قبل باوجودیکہ سرکار خلد مکاں کے نام سے نواب والاجاہ کے حملے شروع ہو گئے تھے لیکن سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولہ کے ضبط کی انتہا یہ تھی کہ انھوں نے کبھی کوئی ایسا طرز عمل اختیار نہیں کیا جو مخالفت پر تصور کیا جا سکے چنانچہ خود سرکار خلد مکاں نے اپنے خریطہ مورخہ پنجم اپریل ۱۸۸۸ء میں سر لیپل گریفن کو لکھا تھا کہ :۔

"میرے نکاح ثانی کو ۱۸ برس ہوئے[۵۲] ۲ برس تک ہم سب متفق تھے جس دن سے جناب تشریف لائے یعنی ۱۸۸۱ء سے تب سے بنیادِ مخالفت مخفی طور پر تھی"۔

اس سے ظاہر ہے کہ ۱۸۸۱ء تک سرکار خلد مکاں کو کوئی شکایت نہ تھی جو کچھ شکایت شروع ہوئی وہ

---

[۵۱] درحقیقت دست اندازی کے یہ واقعات جن کی تفصیل کے لئے تاریخ بھوپال کے صفحات زیادہ موزوں ہیں ریاست بھوپال ہی کے لئے نہیں بلکہ پولٹیکل افسروں کے ذاتی رجحانات اور اُن کے تحت میں سلطنت کے اقتدار وقوت کی نمائش کا نہایت ہی دل خراش افسانہ ہے۔

[۵۲] ۱۸۷۱ء تا ۱۸۸۲ء

کلکتہ سے ہوئی جب کہ سرکار عالیہ نواب والاجاہ کے مقابلہ میں اپنی پوزیشن کی حفاظت کے لئے مجبور ہوگئیں۔

اس انتزاع خطاب کے بعد تو پورے طور پر سرکار خلد مکاں کو یقین دلایا گیا کہ جو کچھ ماجرا گذرا وہ سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولہا ہی کی مخالفت و تحریک کا نتیجہ ہے اور سرلیپل گریفن اور مسٹر کنکیڈ پولٹیکل ایجنٹ نے ان ہی کی طرفداری میں یہ سب کچھ کیا ہے اس الزام کی اطلاع ہوتے ہی جب سرکار عالیہ اور نواب سلطان دولہ نے نہایت زوردار طریقہ سے اپنی بے قصوری اور ان معاملات سے بے تعلقی کا اظہار کیا تو سرکار خلد مکاں نے خود یہ قرار دیا کہ دونوں اس کارروائی سے اپنی بے تعلقی کا حلف کریں اور اُن کی تائید میں کرنل وارڈ (وزیر ریاست) سرلیپل گریفن اور کرنل کنکیڈ انجیل ہاتھ میں لے کر قسم کھائیں۔ سرکار عالیہ بڑی خوشی سے آمادہ ہوگئیں۔ لیکن چونکہ یہ صفائی و مصالحت ان اشخاص کے مقاصد کے لئے نقصان رساں تھی جن کے فوائد اس کشیدگی و رنجش کے قیام و دوام سے وابستہ تھے اس لئے انھوں نے سرکار خلد مکاں کو اسی قرار داد پر مستقل نہ رہنے دیا بلکہ ان مختلف پارٹیوں نے جو سرکار خلد مکاں کے گرد محیط تھیں اپنی تمام تر کوششیں اس نقطہ پر مرکوز رکھیں کہ ہمیشہ اس بڑھی ہوئی ناراضی میں اضافہ ہوتا رہے جب کبھی صلح و صفائی یا سرکار خلد مکاں کے جذباتِ محبت و شفقت کے اظہار کا موقع آتا اس وقت ایسی کارروائیاں کی جاتیں کہ وہ موقع نکل جاتا اور جذبات سرد پڑ جاتے۔

۵۔ ان افکار و آلام کے ساتھ سرکار عالیہ کو سب سے زیادہ تردد نواب والاجاہ کے اس ارادے کی تکمیل کا تھا جو صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم کی ذات اور ان کی آئندہ زندگی کے متعلق وہ ابتدا سے کرچکے تھے جس میں سرکار خلد مکاں بھی اُن سے متفق اور اُن کی معین تھیں، اور دل سے اُن کے لڑکے کے ساتھ اس رشتہ کو چاہتی تھیں۔ ساتھ ہی رفتہ رفتہ صاحبزادی کا والدین کے پاس آنا جانا کم ہونے لگا اور ہفتے گذر جاتے تھے کہ صورت دیکھنی نصیب نہ ہوتی تھی اور جب آتی بھی تھیں تو دہلی کی چند ہوشیار عورتیں ساتھ ہوتیں جو ایک لمحہ کے لئے تنہا نہ چھوڑتیں۔

سے تزک سلطانی صفحہ ۲۴۰۔

पुस्तकालय

صاحبزادی موصوفہ کی عمر کا [illegible] لیا رہواں سال شروع ہوا تو اس بات کے علانیہ چرچے ہونے لگے اس لئے ابھی [illegible] بڑھا لیا کیونکہ سرکار عالیہ[51] کو یہ خیال ہوگیا تھا کہ:-

"جب وہ سنِ بلوغ کو پہنچیں گی تو سرکار خلد مکاں کی مرضی کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کریں گی.....

....

اور اس وقت شرعاً و عرفاً اس معاملۂ خاص میں ہمارا کوئی حق ممانعت و انکار نہ ہوگا۔"

ہنوز معاملہ پر غور ہی کر رہی تھیں اور کسی نتیجہ پر نہ پہنچی تھیں کہ صاحبزادی صاحبہ سخت بیمار ہوگئیں لیکن والدین کا خود جا کر دیکھنا تو ناممکن تھا کوئی معتمد یا خاص آدمی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مرض سے کسی قدر افاقہ ہونے کے بعد ایک دن جب وہ سرکار عالیہ کے پاس آئیں تو مہرِ مادری کے تقاضے اور اس تردد سے اطمینان حاصل کرنے کی غرض سے قطعی فیصلہ کر لیا کہ اب ان کو واپس نہ جانے دیا جائے با ایں ہمہ سرکار عالیہ کی حالت اُنھیں کے الفاظ میں یہ تھی کہ:-

"صاحبزادی صاحبہ کو میں نے مصلحتاً رکھ تو لیا لیکن ان خیالات سے کہ یہ سرکار سے جدا اور سرکار ان سے جُدا ہیں، ان کے دلوں کی کیا کیفیت ہوگی؟ میں دُہرے صدمہ میں گرفتار ہوگئی کبھی والدہ ماجدہ کے رنج کا خیال ہوتا تھا کبھی بلقیس جہاں بیگم کو دیکھتی تھی کہ کیا حالت ہے۔ روزانہ سرکار کی بے تابی کی خبر سُن سُن کر میں گھُلی جاتی تھی لیکن مجبور تھی اور اس دُہرے صدمہ کو برداشت کرتی تھی کیونکہ آئندہ جن واقعات کے ظہور پذیر ہونے کا خیال تھا اُن کے پُرخوف نتائج کے باعث مجھ میں ان دل شکن صدمات اُٹھانے کی طاقت پیدا ہوگئی۔"

بلاشبہ سرکار خلد مکاں بہت بے چین تھیں اور آمادہ ہوگئی تھیں کہ خود تشریف لا کر صاحبزادی کو لے آئیں لیکن چونکہ یہ تشریف آوری قدرتی طور پر دلی صفائی کی تمہید بھی ہو جاتی اس لئے مختلف حیلوں سے ارادہ فسخ کرا دیا گیا اور کرنل وارڈ[52] وزیر ریاست کو حکم دیا گیا کہ جس طرح ممکن ہو صاحبزادی کو لے آئیں، اور بشرطِ ضرورت فوجی طاقت بھی استعمال کی جائے مگر وزیر ریاست کی دانائی نے

---

۵۱ تزک سلطانی صفحہ ۲۶۷

۵۲ مضمون کرنل وارڈ پانیر ۳ فروری ۱۸۹۵ء۔

اس حد تک نوبت نہ پہنچنے دی اور انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر صلح وصفائی کی کوشش کی جس میں ان کو اس حد تک کامیابی ہوئی کہ سرکار خلد مکاں کی مرضی کے مطابق اقرار نامہ کا مسودہ مرتب ہوا لیکن ہنوز صاحبزادی صاحبہ کے قیام کا مسئلہ زیر بحث تھا اور تکمیل کی نوبت نہ آنے پائی تھی کہ وہ پھر بیمار ہو گئیں اور تھوڑے ہی عرصہ میں مرض نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔

صاحبزادی صاحبہ کے اس زمانۂ علالت میں دو تین موقعے صفائی کے آئے ایک مرتبہ سرکار عالیہ تاج محل گئیں کہ سرکار خلد مکاں سے مریضہ کی حالت عرض کریں اور عاجزی کر کے ان کو لے آئیں لیکن کچھ ایسے حیلے کیے گئے کہ ان کی علالت کی خطرناک حالت[۹۱] کا یقین ہی نہ آنے دیا۔

۴۔ غرض وہ گرہ جو ۱۸۷۲ء سے پڑ گئی تھی آخر وقت تک نہ کھلی، اس کے متعلق سرکار عالیہ تحریر فرماتی ہیں:۔

"جن اشخاص نے جنس اناث کی فطرت کا تجربہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ شریف عورتوں کی طبیعتوں میں جہاں رحم و محبت کا مادّہ زیادہ ہوتا ہے وہاں ضد، سخن پروری اور غیرت کا عنصر بھی کچھ کم نہیں ہوتا اور یہ سب حالتیں سرکار خلد مکاں میں غیر معمولی طور پر مجتمع ہو گئی تھیں۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اعتماد حاصل ہوتے ہی اپنی طبیعت کا رنگ ظاہر کرنا شروع کر دیا سرکار خلد مکاں نے پہلے کچھ باتوں کو معمولی اور خفیف سمجھ کر توجہ نہ کی جب زیادتی ہوتی گئی اور انھوں نے اس پر توجہ کی اور مانع ہوئیں تو نواب صدیق حسن خاں نے طلاق[۹۲] کی دھمکی دینی اختیار

---

[۹۱] صاحبزادی صاحبہ نے ایک ماہ تکلیفاتِ مرض اُٹھا کر ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۶ء میں انتقال کیا۔

[۹۲] نواب صاحب نے بھی ان باتوں کو دوسرے پیرایہ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ :۔

(۱) یہاں تک کہ زمانۂ ناخوشی میں میں نے اُن (سرکار خلد مکاں) کی خوشی کے لئے اپنا علیحدہ ہونا منظور کر لیا (صفحہ ۴۳ وصایا)

(۲) اور جب کبھی ناخوشی آپ کی نسبت اپنے سمجھی اور معلوم کیا کہ میں بارِ خاطر ہوں نہ یارِ شاطر تو اُس وقت اظہار اپنی علیحدگی کا بخوشی خاطر خود کر دیا تاکہ کَلٌّ عَلیٰ مَوْلَاہُ نہ بنوں، لیکن آپ نے مجھکو باوجود میری اصرار و تکرار و اظہار کے جدا نہیں کیا۔ (وصایا صفحہ ۷۶)

(۳) میں نے امانت و دیانت عفاف و اخلاق کو اپنا شعار و دثار کیا جس طرح کہ اس کردار کا ہر مومن دیندار مسلم

کی یہ ایک بجلی تھی جو سرکار خلد مکاں کے تمام اقتدارات و اختیارات پر گری اور خاندانی عزت و شرافت نے رُوحانی صدمات اور دلی تکلیفات کو بمقابلہ اس صدمہ کے جو نواب صدیق حسن خاں صاحب کی دھمکی سے ہوتا تھا برداشت کیا مگر اسی کے ساتھ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اس عنصر کو جو شفقت مادرانہ کا ہوتا ہے مٹانے کی بھی کوشش رکھی اور ہر ایک تدبیر جو ممکن تھی وہ کی مجھ کو ان کی نظروں میں نہ صرف مخالف ہی بنایا بلکہ دشمنِ جان و آبرو ثابت کیا مگر پھر بھی ماں کی محبت بعض اوقات ان تمام شرارتوں پر غالب آجاتی اور سرکار خلد مکاں مضطرب ہو جاتیں، لیکن غیرت کا خیال اور نواب صدیق حسن خاں کی دھمکی اس کو پامال کر دیتی۔ اس کے علاوہ ان کے چاروں طرف ایسے لوگوں کا مجمع رہتا تھا جو ہمارے خلاف ہر وقت کوئی نہ کوئی تازہ بات کہتے رہتے ہم پر ہر قسم کی تہمتیں تراشا کرتے تھے سرکار خلد مکاں فیاض تھیں اور چونکہ اکثر عورتوں کی فیاضی اولاد و اعزہ کی تقریبات پر زیادہ ظاہر ہوتی ہے اسلئے سرکار خلد مکاں بھی تقریبات کی شروع ہی سے دلدادہ تھیں اس ولولہ کو وہ ہمارے اور ہماری اولاد کے ساتھ تو نکال نہیں سکتی تھیں لہذا کبھی میاں قدر محمد خاں[1] کی بسم اللہ اور کبھی انھیں کی جانب منسوب کر کے وہ دوسری تقریبات کرتیں جن کو وہ بجائے میرے اور صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم کے سمجھتی تھیں اور کبھی صفیہ بیگم[2]، نور الحسن خاں، و علی حسن خاں، اور ان کے بچّوں کی تقریبات فرماتیں (جو نواب صدیق حسن خاں کی اولاد تھی) مگر جیسا کہ صحیح اور بالکل صحیح ذرائع سے معلوم ہوا ہے وہ ان تقریبات میں بجائے خوش و خورم ہونے کے مغموم اور آبدیدہ ہو کر ہمیشہ فرماتیں کہ "اوس سے پیاس نہیں بجھتی"..............

بقیہ حاشیہ

پرہیزگار پر واجب ہے یہ فعل میرا جس طرح خاطر اہلِ بیت پر ناگوار ہوا اسی طرح رعایا و برایا پر بھی ثقیل ٹھہرا اگر میں حرامکار مکّار، دغا باز، چالاک، سفلہ، خائن، خود غرض، بندۂ دُنیا ہوتا تو سب کے نزدیک مقبول ٹھہرتا اور ہر دلعزیز ہوتا کیونکہ میں یہ بات دیکھتا ہوں کہ جو اخوان وا. کان بصفاتِ مذکورہ متصّف ہیں وہ مجھ سے بمراتب زیادہ عزیز و کامیاب ہیں جو پاسِ خاطر ان کا ہے وہ میرا نہیں ہے اور جو قدر ان کی ہے وہ میری نہیں ہے (القاء المنن بالقاء المحن صفحہ ۱۳۰)

[1] نواب جہانگیر محمد خاں کے پر پوتے اور سرکار خلد مکاں کے بھتیجے کے صاحبزادے تھے۔

[2] چنانچہ صفیہ بیگم کی شادی میں سرکار خلد مکاں نے ایک لاکھ روپیہ صرف کیا۔ (صفحہ ۸۳ وصایا)

غرض اسی طرح سرکار خلد مکاں کے لئے بہت سے اسباب پیدا کر دیئے تھے کہ جن میں ان کا دل بہلتا اور ہم لوگوں کو فراموش اور بھلانے کا موقع ہاتھ آتا نواب صدیق حسن خاں صاحب نے باوجود اپنے آپ کو متشرع[1] ظاہر کرنے اور ادعائے تقویٰ کے اپنی اولاد کے لئے ان تمام رسوم کو جائز رکھا تھا جن سے نفع ہوتا، اور روپیہ کھچتا جو تقریبات کہ ابتدائے زمانہ میں ہمارے لئے خلافِ شرع تھیں اب اس زمانہ میں اپنے لئے عین سنت و فرض کر دیں خیر نہ مجھے اس پر رشک ہوتا تھا اور نہ رنج کیونکہ میں جانتی تھی کہ یہ تمام امور غم کے بہلانے اور خوش کرنے کا موجب ہیں اور میں خوش ہوتی تھی کہ سرکار خوش ہیں۔ اور اس طرح وہ میرے غم کو اور مجھ کو بہلا رہی ہیں۔

چونکہ عین بستر مرگ پر مجھ سے نہ ملنے کا نواب صدیق حسن خاں صاحب نے عہد لیا تھا اس لئے وہ اور بھی مجبور تھیں جب ان کا انتقال ہوگیا تو دوسرے لوگوں نے کشیدگی کا بدستور قائم رکھنا اپنا مقصد اعظم قرار دیا ہر دم اور ہر وقت ہماری طرف سے کدورت پیدا کرنا اور اشتعال دلانا وہ لوگ اپنا ذریعہ نجات و فوزِ عظیم کا سبب جانتے تھے درحقیقت اگر وہ لوگ ایسا نہ کرتے تو اصلی واقعات سرکار پر کھل جاتے اور جو پردہ حائل تھا اُٹھ جاتا جس سے مفسدین کو نقصان پہنچتا اور ساری امیدیں خاک میں مل جاتیں اور جو فائدہ ہو رہا تھا مسدود ہو جاتا۔

---

[1] اگر کذب و خیانت و زور سے کام لیتا تو آج وہ بھی مجھ سے بہ نسبت اس حالت موجودہ کے زیادہ تر خوش رہتیں کیونکہ مزاج مستورات کا دروغ پسند فریب دوست ہوتا ہے چنانچہ جن لوگوں نے خیانت کی اور خیر خواہی کے پردہ میں بدخواہی کا کام کیا اور ہمراز بن کر زرِ خطیر خرد برد کر لیا وہی لوگ ابتک زیادہ تر ملتفت الیہ معتمد الیہ ہیں اور جس نے حق بات ناصحانہ کہی اور سچی دلسوزی سے پیش آیا وہی دشمن ٹھہرا وکان ذالک فی الکتاب مسطورا ....

مجھ کو باستثنائے شرک و کبائر بہت سے مکروہات و صغائر دنیاوی میں بوجہ اس قرابت کے ہمراہ کراہت طبیعت کے شریک ہونا پڑا اسلئے کہ مستورات کو پابندی اپنے مراسم کی جملہ امور پر مقدم ہوتی ہے اگر کوئی شخص ان کے کھیل تماشے میں شریک نہ ہو تو وہ ان پر بھاری ہوتا ہے اور بڑا مخلص نزدیک ان کے وہی ہے جو ان کے ہر فعل مکروہ کو ممدوح ٹھہرائے میں ہرگز احتمال ان اشغال کا نہ کرتا اگر ملازم محض ہوتا۔ یا ہم رتبہ زوج ٹھیرتا لیکن ناگہاں ایسے جال میں پھنس گیا کہ رہائی میرے اختیار سے باہر تھی۔ ذالک تقدیر العزیز العلیم۔ (ابقاء المنن صفحہ ۱۲۹)

میری ذاتِ خاص کے خلاف نواب صدیق حسن خاں صاحب کے مرنے کے بعد تو لوگوں کو کہنے سُننے کی ذرا جرأت کم ہوگئی تھی لیکن نواب احتشام الملک[1] بہادر کے خلاف نہایت بے باکی سے اتہامات بیان کئے جاتے اور ان پر زیادہ برانگیختگی کا سامان مہیا کیا جاتا اور وہ ہر وقت کی ملمع کاری سے چمکایا جاتا تھا ان وجوہ پر غور کرنے کے بعد میں اپنی نسبت سرکار خلد مکاں کی بے مہری کا شکوہ کرنا انصاف سے بعید جانتی ہوں اور یہ سمجھتی ہوں کہ جو کچھ انھوں نے کیا وہ مقتضائے بشریت تھا اور اسلئے وہ ایسے الزام سے پاک تھیں۔ جو ان کے دامنِ خیال کو غبارِ تکدّر سے آلودہ کرے میرے دل میں جو خیالاتِ محبت روز ولادت سے خداوند کریم نے پیدا کر دیئے تھے وہ روز بروز نشو ونما پاتے رہے اور اس وقت تک قائم و موجود ہیں گو میں اُن کے وجود سے اب محبت نہیں کر سکتی لیکن ان کی روح سے محبت کرتی ہوں اور اس کا ادب میرے لئے باعثِ رضائے الٰہی ہے میں ان کی مغفرت کی دعا کرتی ہوں اور اس امید پر خوش ہوں کہ اگرچہ اس فانی اور دُنیاوی زندگی کا بڑا حصہ رنج میں گذرا اور مجھے مہرِ مادری کی مسرت سے محرومی رہی لیکن اس ابدی اور روحانی زندگی میں میری عزیز ماں کا دامنِ عاطفت صرف میرے ہی لئے ہوگا اور بجائے خشت و گل کے محلات میں پاس رہنے کے ریاضِ جناں میں ان کے ساتھ رہوں گی اور خدا کے تختِ جلال کے روبرو ظالم و بدباطن اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ —

[1] نواب سلطان دولہ۔

دورِ فرماں روائی

فرماں روائی کا پہلا دن
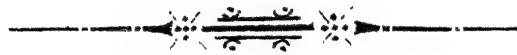
اگرچہ سرکارِ خلد مکاں کی رحلت کے بعد فوراً ہی سرکار عالیہ رئیسہ فرماں روا ہوگئیں لیکن عملاً ۲۹۔صفر ۱۳۱۹ھ (۱۷۔جون ۱۹۰۱ء) سرکار عالیہ کے دورِ فرماں روائی کی پہلی تاریخ تھی علی الصباح نماز فجر ادا کر کے اپنی والدۂ ماجدہ کیلئے دُعائے مغفرت مانگی اور خضوع و خشوع کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں التجا کی کہ :۔

اے احکم الحاکمین اس بڑے فرض کے ادا کرنے کی توفیق دے جس کا بار تو نے اپنے فضل و کرم سے میرے کمزور شانوں پر رکھا ہے۔

ان دعاؤں سے فارغ ہو کر ضروری کاغذات پر دستخط فرمائے اور پندرہ دن تک امورِ مہمات پر غور کر کے عبور حاصل کیا۔

سب سے پہلے کاغذات واصل باقی ملاحظہ کئے جن سے معلوم ہوا کہ سالِ تمام کی کل آمدنی اٹھارہ لاکھ رہ گئی ہے۔ دو لاکھ روپیہ ماہانہ صرفہ مشاہرات ہے۔ خزانہ میں صرف چالیس ہزار روپیہ اور تقسیم مشاہرات میں دس بارہ دن کا عرصہ باقی ہے۔

سرکار عالیہ نے اس وقت تو خزانۂ ڈیوڑھی سے خزانۂ ریاست کو قرض دے کر تقسیم تنخواہ کرا دی اور آئندہ کے لئے ضروری انتظامات کر لئے گئے۔

دربارِ صدارت

دو ہفتہ بعد ۱۷۔ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ (۴۔ جولائی ۱۹۰۱ء) کو ایوانِ صدر[۱] منزل میں رسمی دربار صدارت منعقد ہوا پہلے ہز اکسیلنسی ویسرائے ہند کا خریطہ سنایا گیا اس کے بعد ایجنٹ گورنر جنرل نے تقریر[۲] کی جس میں سرکار عالیہ کی ذاتِ مبارک سے یہ امید وابستہ کی تھی کہ :۔

---

[۱] یہ محل سرکار عالیہ نے زمانۂ ولیعہدی میں تعمیر کرایا تھا۔

[۲] اصل تقریر انگریزی میں تھی جس کا میر منشی رزیڈنسی نے اُردو ترجمہ سنایا۔
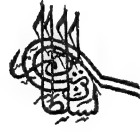
سرکار عالیہ سنہ ۱۹۰۱ ع میں

"آج آپ اپنے بزرگوں کی مسند پر متمکن ہوئی ہیں گو مجھ کو امید نہیں ہے کہ آپ کو دادِ شجاعت نمایاں کرنے کے اس قسم کے مواقع دستیاب ہوسکیں جیسے کہ آپ کے متقدمین سے بعض کو ملے ہیں۔ یعنی وزیر محمد صاحب کی طرح شہر پناہ بھوپال سے باغیوں کی یورش کو فرو کرنا یا مشہورِ زماں اپنی نانی نواب سکندر بیگم صاحبہ کی طرح خود لشکر کا ساتھ دینا جیسا کہ ۱۸۵۷ء کے مفسدۂ عظیم میں انھوں نے کیا تاہم ریاست کی حکمرانی میں بھی آپ کو ایک وسیع میدان نیک اوصاف کے کام میں لانے کا دستیاب ہوگا جو میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کو آپ کے متقدمین سے ملے ہیں۔

گذشتہ سالوں میں قحط اور وبا سے آپ کی ریاست کو سخت صدمہ پہنچا ہے اور حال کی مردم شماری کے مطابق اس ریاست کی آبادی میں سے تقریباً ۳۰ فیصدی چلے گئے ہیں اور زمین مزروعہ تقریباً ایک ثلث غیر آباد ہوگئی ہے اگر درحقیقت یہ اندازہ درست ہے تو اس میں کلام نہیں کہ منجملہ اور مشکلات کے یہ بھی ضروری ہے کہ ریاست کی آمدنی میں بہت کچھ نقصان ہوا ہے یہ آپ کا حصہ ہوگا کہ مدبّرانہ تدابیر سے اس آبادی کو پورا کر کے ریاست کے محاصل کو درست کریں۔ ....

....

گورنمنٹ عالیہ اور ریاست کے باہمی تعلقات کی بابت فرماں روائے بھوپال کے روبرو زیادہ ضرورت گفتگو کی نہیں معلوم ہوتی جس دن سے گورنمنٹ ہند کے تعلقات سنٹرل انڈیا کے رؤسا کے ساتھ شروع ہوئے اسی دن سے رؤسا بھوپال خلوص دل اور عقیدت سے اپنے عہد و پیمان پر ثابت قدم رہنے کے واسطے مشہور رہے اور مجھ کو کامل اعتماد ہے کہ آپ بھی حُسنِ عقیدت اور وفاداری کے اس بلند پایہ شہرہ کو جو آپ کے بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے خود بے داغ قائم رکھ کر اپنے متاخرین کے واسطے اسی حالت میں ودیعت کریں گی۔

میں آپ کو آپ کی مسند نشینی پر بعین خلوصِ دل سے گورنمنٹ ہند کی طرف سے اور تمام میم صاحبات و انگریز صاحبان موجودہ دربار کی طرف سے اور خود اپنی طرف سے مبارکباد کہتا ہوں اور ہم سبھوں کی عین تمنا ہے کہ انشاء اللہ آپ آئندہ کامیاب اور اقبال مند رئیسہ ہوں خدا کرے قدسیہ بیگم صاحبہ کی طرح آپ عمرِ دراز پاویں اور شہرت و اقبال مندی میں نواب سکندر بیگم صاحبہ و شاہجہاں بیگم صاحبہ کی آپ ہم پایہ ہوں۔"

اس تقریر کے ختم ہونے کے بعد سرکار عالیہ نے جوابی تقریر فرمائی جس میں پہلے اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کا رنج و افسوس تھا بعدہٗ ملکِ معظّم قیصرِ ہند کی ممنونیت اور آنریبل میجر میڈ ایجنٹ گورنر جنرل کا شکریہ تھا پھر ریاست کی سقیم حالت کا سرسری تذکرہ کر کے برٹش گورنمنٹ کی وفاداری اور رعایا کی بہبودی و فلاح میں ثابت قدم رہنے کی خداوند کریم سے امداد و اعانت کی دُعا تھی۔

نواب سلطان دولہ کا خطاب

ایجنٹ گورنر جنرل نے اپنی مذکورہ بالا تقریر میں گورنمنٹ کی طرف سے نواب سلطان دولہ بہادر کے خطاب احتشام الملک عالی جاہ کا بھی اعلان کیا۔

ریاست کی حالت

اس وقت ریاست کی جو سقیم حالت تھی اس کا اندازہ میجر میڈ کی تقریر کے ساتھ سرکار عالیہ کی تقریر کے ان جملوں کو ملا کر کرنا چاہیئے کہ :-

"مالی حالت ریاست کی بوجوہ چند در چند نہایت قابل توجہ ہے اور رعایا میں افلاس و ناداہندی سرایت کر گئی ہے اگرچہ اس میں مجھے بہت ہی مشکلات کا سامنا ہوگا کیونکہ افتادہ زمینوں کا از سرِ نو آباد ہونا خصوصاً ایسی حالت میں کہ تقریباً ایک ثلث مردم شماری گھٹ گئی ہو بالضرور ایک اہم کام ہے مگر جس احکم الحاکمین نے اپنے ملک اور اپنی مخلوق کی حفاظت میرے سپرد کی ہے مجھے امید ہے کہ وہ ہر کام میں میرا معین ہوگا۔"

نواب احتشام الملک کی رحلت

ہنوز سرکار عالیہ اپنے مشیر معتمد نواب کنسرٹ کی امداد کے ساتھ مہمات امور کے مبادیات ہی میں مصروف تھیں کہ خداوند جل و علیٰ نے ان کی ایک سخت آزمائش کی یعنی صدر آرائی کے ساتویں مہینے ۲۳۔ رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ (۴۔ جنوری ۱۹۰۲ء) کو بارہ بجے شب کے بعد نواب احتشام الملک کا حرکتِ قلب بند ہو جانے سے دفعتہً انتقال ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ سرکار عالیہ کے دل و دماغ پر اس حادثۂ روح فرسا کا کس قدر شدید اثر ہوا ہوگا۔ لیکن مشیّتِ ایزدی اور تقدیرِ الٰہی یہی تھی اُنھوں نے صبرِ جمیل کیا اور زمانۂ عدّت میں بھی بدستور مصروف مہماتِ ریاست رہیں۔

وزیرِ ریاست کا استعفا اور حصولِ وزارت میں تبدیلی

چند ہی دن بعد مولوی عبد الجبار خاں صاحب

سی، آئی، ای - وزیر ریاست کچھ تو بوجہ ضعیف العمری اور اصولی و انتظامی اختلاف رائے اور کچھ اس سبب سے کہ ان کے آزادانہ اختیارات میں جو سرکار خلد مکاں کے زمانہ سے حاصل تھے اب رک پیدا ہو گئی تھی مستعفی ہو گئے۔

لیکن ان مشکلات نے سرکار عالیہ کی ہمت کو اور بلند کر دیا اور چونکہ خدا کی مرضی یہ تھی کہ وہ اپنی اصلاحات اور ان کے نتائج میں بغیر کسی سہیم و شریک اور معین و مددگار کے شہرت دوام حاصل کریں اسلئے ابتدائی دنوں میں ہی ایسے نازک مرحلے پیش آئے سرکار عالیہ نے اس موقع پر خیال کیا کہ خود ایک عرصہ تک بغیر کسی معاونت کے کام کریں اور آئندہ کے لئے اصولِ وزارت میں تبدیلی کی جائے ان کا خیال مبارک تھا کہ "تنہا کام کرنے سے اس وقت آسائش جاتی رہے گی اور تکلیف بڑھ جائیگی لیکن تمام معاملات میں ذاتی واقفیت بڑھ جائیگی"

اس خیال کو پیشِ نظر رکھ کر تقریباً ڈیڑھ سال تک بذاتِ شاہانہ کام کر کے ریاست کے ہر جزو کل پر تمام و کمال حاوی ہو گئیں۔ پھر بجائے ایک وزیر کے دو اعلیٰ عہدہ دار معین المہام، اور نصیر المہام مقرر کر کے امور مفوضہ وزارت کو تقسیم فرما دیا اس کے بعد اصلاحات کے اجرا کی طرف متوجہ ہوئیں۔

ملک محروسہ کے دورے اور ان کے نتائج

چونکہ اصلاحاتِ ملکی میں راعی کے لئے رعایا کی تمام حالتوں کا ذاتی علم سب سے اہم اور ضروری ہے اس بنا پر سرکار عالیہ نے اپنے اصلاحی پروگرام میں ملک محروسہ کے دورے کو مقدم رکھا اور سال سوم صدر نشینی میں ہی پہلا دورہ فرمایا اور پھر تقریباً مسلسل طور پر متعدد مرتبہ دورے کر کے کل ملکِ محروسہ کی حالت کا بذاتِ خاص مشاہدہ کیا۔

رعایا کی سہولت کے خیال سے دورہ کے قبل رسد و بیگار وغیرہ کے متعلق خاص احکام جاری فرما دیئے اور ان کی تعمیل کی سخت نگرانی کی گئی۔

عام طور پر سرکاری دوروں میں رعایا کو کچھ نہ کچھ شکایت پیدا ہی ہو جاتی ہے لیکن یہ دورے اس قدر مختصر اور سادہ ہوتے کہ کسی کو تکلیف و شکایت کی نوبت نہ آتی۔

ان دوروں میں نہایت نتیجہ خیز اور دلچسپ نظّارہ اس وقت ہوتا جبکہ دیہات کی عورتیں سرکار عالیہ کا استقبال کرتیں اور کیمپ میں باریاب کی جاتیں اس کے متعلق سرکارِ عالیہ نے گوہر اقبال

میں تحریر فرمایا ہے کہ :۔

"میں نے اپنے دوروں میں یہ بھی التزام رکھا تھا کہ متاجر اور کاشتکاروں کی عورتوں سے بے تکلفانہ ملاقات کروں کیونکہ علاوہ اس کے کہ مجھے صحیح صحیح حالات کا ان سے علم حاصل ہو ان کو مجھ سے باتیں کرنے اور ملنے میں ایک خاص خوشی ہوگی جس گاؤں سے میری سواری کا گذر ہوتا تھا جوق جوق عورتیں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو گود میں لئے ہوئے رہگذر پر اپنے رواج کے مطابق پانی کا برتن لے کر (جس کو وہ اپنے راجہ کے لئے عمدہ فال سمجھتی ہیں) کھڑی ہو جاتیں۔

جس وقت سواری قریب آتی تو وہ خوشی کے گیتوں میں خیر مقدم کرتیں۔ ان کو اس طریقہ پر انعام دیا جاتا کہ ان کے "کلس" میں روپے ڈالے جاتے اس کے علاوہ میرے کیمپ میں یہ ایک قوت بھی عجب قابل دید ہوتا تھا کہ جب دیہاتی عورتیں مسرت اور جوش کے ساتھ گاتی تھیں اور انعام پاکر خوش ہوتی تھیں اور فی الحقیقت میرے دورہ کی بڑی غرض رعایا کو خوش کرنا اور اُن کا درد دکھ سننا ہوتی ہے اور یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے رعایا میں محبت کا فیلنگ پیدا ہوتا ہے مجھے بھی اس وقت کچھ کم خوشی نہیں ہوتی تھی جب میں اپنے خاص خیموں میں اُن لوگوں کو اس طرح شاداں و فرحاں دیکھتی تھی اور اس طریقہ سے مجھے اس قدر محنت کے بعد نہایت آرام ملتا اور دماغ کو راحت حاصل ہوتی اکثر عورتیں بالکل نڈر ہو کر اپنے صحیح حالات بیان کرتیں اور مصیبتیں سُناتیں جن سے صحیح صحیح واقعات کا پتہ چلتا اور نیز عورتوں اور بچوں کے اس طرح جمع ہونے سے مجھ کو ان لوگوں کے افلاس و خوشحالی کا بھی اندازہ ہو جاتا غرض دوپہر کے کھانے کے بعد اکثر قیلولہ کا وقت اپنی ہم جنس رعایا کے ساتھ اس بے تکلفی میں گذرتا۔"

یہ دورے نہایت نتیجہ خیز ہوئے اور حقیقت یہ ہے کہ سرکار عالیہ کی اصلاحاتِ ملکی کے لئے گویا زمین تیار ہو گئی۔

پہلے دورے کے بعد تحریر فرماتی ہیں :۔

"دورہ کے قبل جس قدر ضرورت مجھے دورہ کی معلوم ہوتی تھی اب اُس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی، ہر چیز قابلِ اصلاح معلوم ہونے لگی اور یہ اندازہ ہو گیا کہ مفصلات کے بھی ہر صیغہ پر مجھے بذاتِ خاص کامل توجہ کی ضرورت ہے۔ ...."

معائنہ سے جو حالات معلوم ہو سکے اور تحقیقاتوں سے جو نتائج میرے سامنے پیش ہوئے اُن کے لحاظ سے جو انتظامات عمل میں آئے وہ نہایت مفید ثابت ہوئے اور ان پر رعایا کو اطمینان ہو گیا اور اُن کی تکلیفیں کم ہو گئیں اور یہی میرے دورہ کی زحمتیں اُٹھانے کا معاوضہ تھا۔"

انتظامات و اصلاحاتِ ملکی

یہ ایک حقیقت ہے کہ مالیۂ حکومت کی بہتری کا انحصار ہمیشہ مزارعین اور سرمایۂ زرعی کی اچھی حالت اور تردد آبادی اور مالگذاری کے عمدہ انتظام پر ہوتا ہے اور یہ بہتری عموماً بندوبست کی خوبی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

اس وقت یہ حالت تھی کہ پے در پے قحط سالیاں ہو چکی تھیں کاشتکار اور متاجر پریشان حال تھے اور برابر تباہی میں مبتلا ہوتے چلے جا رہے تھے خام دیہات ویران اور بے چراغ تھے بندوبست کی کارروائی کچھ جاری اور کچھ ملتوی تھی اور کوئی خاص اصول نہ تھا۔

بندوبست و مالگذاری

سرکارِ عالیہ نے حالاتِ ملکی و زرعی اور سنہ ۱۸۹۷–۹۸ء کی شدید قحط سالیوں کے اثرات کو ملحوظ رکھکر فوری انتظام مالگذاری کی غرض سے اور آئندہ انتظامات کے لئے موقع حاصل کرنے اور رعایا کو اطمینان دلانے کے خیال سے سنہ ۱۹۰۲–۰۳ء / ۱۳۰۹ھ میں پنجسالہ سرسری بندوبست فرما دیا لیکن اس بندوبست سے قبل رعایا کو مطمئن کرنے کے لئے قوانینِ مالگذاری وغیرہ بھی نافذ کئے گئے اس بندوبست میں کاشتکاروں کی تمام حالتوں کو ملحوظ رکھکر ۵ لاکھ ۵۵ ہزار ۴۷۳ تیرہ آنہ کی رعایت کی گئی اور دورانِ بندوبست میں جمع کے متعلق عذرداریاں بھی سماعت کی گئیں۔ اکثر مواضع نصف جمع کمپاسی تک بھی نہ پہنچے اور بعض بہ شکل جمع ترمیمی یا کمپاسی تک آئے لیکن اس رعایت اور بندوبست کی آسانی کی وجہ سے لوگوں نے بہ رغبت تمام متاجریاں قبول کیں اور مستعدی سے مصروفِ آبادی ہو گئے۔

اس کے بعد ۱۹ سالہ بندوبست کے لئے منظوری صادر فرمائی اور ضروری انتظامات

کے بعد نوزدہ سالہ بندوبست کا کام شروع کردیا گیا۔

سرکار عالیہ نے مزید اطمینان کے لئے بہ نفسِ نفیس محالاتِ زیر بندوبست کا دَورہ فرمایا اور ایک مقام سے دوسرے مقام کو جاتے ہوئے کھیتوں وغیرہ کی حالت ملاحظہ کی اور نہایت ہی قابلِ اطمینان طریقہ سے تمام مراحل طے ہوئے اور پھر یہ بندوبست ایسے عمدہ اصول پر ہوا کہ عام طور پر رعایا نے بہت پسند کیا۔ ترقیٔ سرمایۂ زراعت کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا۔ تمام دیہات مستاجری پر اُٹھ گئے اور کوئی موضع ایسا نہ تھا جس کے کئی کئی اشخاص خواہش مند اور بقایا ادا کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوں۔

یہ بندوبست ۱۹۰۸ء میں ختم ہوگیا اور اپریل ۱۹۰۹ء سے جولائی ۱۹۰۹ء تک تمام دیہات کے پٹّے تقسیم کردیئے گئے۔

پٹّوں کی تقسیم کا نظارہ بھی حیرت انگیز اور دلچسپ تھا ایوان تاج محل کے دالانوں میں جوق در جوق مستاجرین جمع ہوتے تھے سرکار عالیہ ایک کمرہ میں پسِ چلمن تشریف فرما ہوتی تھیں عہدہ دارانِ متعلقہ دروازے کے سامنے دو رویہ بیٹھے ہوتے تھے۔

باری باری سے مستاجر پیش کئے جاتے گاؤں کی بقایا جمع مشخصہ اور مختصر کیفیت عرض کی جاتی سرکار عالیہ مستاجر کو شرفِ تکلّم عطا کرتیں۔

اس وقت مستاجر کی مسرت اور خوشی دیکھنے کے قابل ہوتی تھی وہ پھولا نہیں سماتا تھا، وہ اپنی تمام حالت اس طریقہ سے بیان کرتا تھا جس طرح کوئی فرزند اپنی شفیق اور عزیز ماں کے سامنے اپنا حال بیان کر رہا ہے۔

جملہ مراحل طے ہونے کے بعد سرکار عالیہ مطبوعہ پٹّہ پر اپنے قلم سے اللہ اکبر اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھکر (ص) کرتیں اور اپنے دونوں ہاتھوں میں غلّہ بھر کر مستاجر کے پلّو میں ڈال کر پٹّہ سپرد فرماتی تھیں۔

ہر مستاجر کا یہ عقیدہ تھا کہ اپنے مالک کے ہاتھ سے غلّہ اور پٹّہ ملنا فارغ البالی اور اُس کی کاشتکاری میں برکت کا سبب ہے۔

دراصل یہ عقیدہ بہت کچھ صحیح ثابت ہوا، اور سرکارِ عالیہ کے عہدِ رافت مہد میں مزارعین بھوپال آفات ارضی وسماوی سے کلیتہً محفوظ رہے۔

اس سے پہلے ایصال لگان و مالگذاری میں ہمیشہ دقتیں پیش آتی تھیں اور ایک کثیر مقدار بقایا میں رہ جاتی تھی لیکن ایک طرف جمع بندی کے اعتدال اور دوسری طرف لگان و مالگذاری کے اصول قوانین و قواعد کے تحت میں لائے جانے کے باعث اوقات و تواریخ معّینہ پر بغیر دِقت لگان اور مالگذاری داخل ہوتی رہی۔

ذرائع تردد اراضی کا انتظام

عمدہ بندوبست کے ساتھ ذخائر تخم تقاوی، زراعتی بینک، اور کوآپریٹو سوسائٹی نے زراعت پیشہ طبقہ کو ایسی امداد بہم پہنچائی کہ بقایائے لگان و مال گذاری کی نوبت ہی نہ آنے دی ساتھ ہی ذرائع آب پاشی کی توسیع، انجمن ہائے ذخائر تخم، اور زراعتی فارموں کے قیام، افزائش نسل و صحت مواشی کے انتظام اور مختلف اجناس کی کاشت کے تجربات نے مزارعین کو جدید زراعتی ترقیوں کی طرف راغب کر دیا۔ اس غرض کے لئے سرکار عالیہ نے ایک خاص محکمہ قائم فرمایا جس میں مشیر زراعت وسط ہند کے مشوروں سے بھی فائدہ حاصل کیا جاتا اور جدید اصلاح یافتہ آلات کشاورزی اور مختلف اجناس تخم موجود و مہیا رکھے گئے۔

علاج امراض مواشی کے لئے بلدۂ بھوپال اور اضلاع میں ڈاکٹر مقرر کر دیئے گئے۔

غرض سرکار عالیہ کی ان اصلاحات کے نتائج اس صورت میں نمایاں ہوئے کہ ۲۳ لاکھ ۳۳ ہزار تین سو پچھتر روپیہ بمقابلہ ۱۸ لاکھ بسال جلوس صدر نشینی کے بلا کسی دِقت کے معینّہ اوقات پر وصول ہوتا رہا۔

آئندہ بندوبست کے بہتر انتظام اور کاغذات دیہی کو صاف اور عمدہ حالت میں رکھنے اور زرعی حالات کے مکمل معلومات مہیا رہنے اور بر وقت اندراجات ہونے کیلئے سرکار عالیہ نے لینڈ ریکارڈس کا جدید محکمہ قائم فرمایا اور پٹوارگری کی تعلیم بھی لازمی قرار دی۔

معافی بقایا

سرکار عالیہ کے سریر آرائے حکومت ہونے سے قبل فصلوں کی خرابی، عمّال و اہلکاران مال کا اپنی ناجائز اغراض سے وصولی مطالبات مالگذاری میں مسامحت و تساہل اور اسی قسم کے ناروا اسباب سے کثیر التعداد بقایا رہ گیا تھا جس کی میزان ۹ — ۱۵ — ۶۰۱۲۰۷۱ تھی نقد کے علاوہ جنس کی صورت میں بھی کافی باقی تھی لیکن اس بقایا میں ڈیوڑھی خاص کی بقایا شامل نہیں جو بجائے خود بہ مقدارِ کثیر تھی۔

باقی داروں کی یہ حالت تھی کہ کچھ مفقود الخبر نادار ومفلس تھے کچھ ایسے تھے جنھوں نے پیشہ زراعت چھوڑکر پیشۂ مزدوری اختیار کرلیا تھا کچھ فوت ہوگئے تھے لیکن ان کے ورثار پر بقایا کی ذمہ داری عاید تھی کچھ ایسے اشخاص تھے جن میں بقایا ادا کرنے کی کافی یا عام استطاعت تھی لیکن وہ بھی اس کے ادا کرنے سے گریز کررہے تھے۔

سرکار عالیہ کی روبکاری میں جس وقت اوّل مرتبہ بقایا کا مسئلہ پیش ہوا تو حضور ممدوحہ اس حالت سے نہایت متاثر ہوئیں کیونکہ بقایا کا وجود ہی حکومت اور رعایا دونوں کے لئے ایک خطرہ تھا اور پھر جب کہ یہ حالت تھی کہ تقریباً ایک صدی سے بقایا نظام مالگذاری کا ایک جزوِ اعظم بن گیا۔ رعایا میں بقایا رکھنے کی عادت ہوگئی تھی۔ عمّال واہلکاران کے لئے وہ حصولِ اغراضِ ناجائز کا وسیلہ تھا۔ یہ حالت فلاح رعایا، معموری خزانہ اور اس حُسنِ انتظام کے لئے قطعی سدِّ راہ تھی جو سرکار عالیہ کے مرکوز خاطر تھا اسلئے سرکار عالیہ نے عزمِ صمیم فرمایا کہ جس قدر جلد ممکن ہو ملک کو اس تباہی کے جراثیم سے پاک کردیا جائے چنانچہ بذاتِ خاص دَوروں میں ہر باقی دار کی مثل ملاحظہ فرماکر احکام صادر کئے ناممکن الوصول بقایا کو خارج فرمایا سقیم الحال اشخاص پر معاف کیا جو باقیدار کہ استطاعت رکھتے تھے ان سے بقدر استطاعت نقد یا آسان قسطوں پر معاملہ کیا گیا اور بالعموم ان اقساط کا دار و مدار باقی دار کی خوشی پر رکھا گیا زیادہ تر اقساط کی مدت اختتام بندوبستِ پنج سالہ تک قرار دی گئی اور بعض حالات و رعایات کے لحاظ سے اکثر کو زیادہ مدّت بھی دی گئی ساتھ ہی قرقی جائداد کے احکام امتناعی جاری فرمائے اور قانونِ ایصال مطالباتِ سرکاری نافذ کیا گیا جس سے بجائے کارروائی سرسری کے باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔

غرض سنہ ۱۹۰۶ء تک سرکار عالیہ کے دَوروں میں ۲-۶-۵۷۶۲۲۷ نقد وصول ہوا اور ۷-۹-۱۴۸۱۵۳۵۷۵ کا بذریعۂ معافی و قسط بندی وغیرہ فیصلہ کیا گیا۔

نوزدہ سالہ بندوبست کے پٹوں کی تقسیم کے وقت یہ بقایا بہ تعداد کثیر وصول ہوا کیونکہ بندوبست پنج سالہ میں جو رعایات کی گئی تھیں ان سے باقی داروں میں ایسی استطاعت پیدا ہوگئی تھی کہ وہ خوشی خوشی زرِ نقد یا ہنڈیاں لے کر حاضر ہوتے تھے۔

فیاضی کی ایک شان لیکن اس وقت سرکار عالیہ کی بے نظیر فیاضی دوسری صورت میں جلوہ گر

ہوئی حضور ممدوحہ نے نادار متاجروں کی قدامت کو ملحوظ فرما کر ان کے ذمہ کا بقایا معاف کر کے جدید خواستگاران متاجری کی نقد رقوم جو بقایا کے معاوضہ میں وہ پیش کرتے مسترد فرما دیں پھر اکثر باقی داروں کی اقساط کی مدت طویل تھی اور وصولی بقایا کی کارروائی کا سلسلہ بھی جاری تھا لیکن ۱۹۱۱ء میں ایک جشن کے موقع پر تقریباً ، لاکھ روپیہ معاف فرما کر اس سلسلہ کو بھی ختم کر دیا۔

آمدنی کے صیغوں کی اصلاح

انتظامِ اراضی کے ساتھ ہی ساتھ سرکار عالیہ نے ان مختلف صیغوں کی اصلاح پر بھی توجہ کی جو آمدنی کے خاص ذرائع ہیں۔

ان صیغوں میں سائر اور آبکاری جس طرح دو نہایت اہم صیغے ہیں اسی طرح اُن کے حسن انتظام پر رعایا کی آسائش اور اخلاقی اصلاح کا بھی انحصار ہے۔

سرکار عالیہ نے سائر کی اصلاح پر ابتداء سے توجہ مبذول فرمائی اور اس کو نہایت ترقی یافتہ حالت میں کر دیا۔

تمام دنیا میں شراب کی کشید اور فروخت کی نگرانی حکومتوں کے زیر انتظام ہوتی ہے حکومتِ ہند اور دیسی ریاستوں میں اس کے متعلق ایک خاص نظام قائم ہے اور ہر جگہ وہ ایک بڑی آمدنی کا ذریعہ ہے۔

ریاست بھوپال میں بھی عرصہ سے یہ سسٹم قائم ہے، سرکار عالیہ نے ابتداً اس کے انتظام میں بہت سی اصلاحات فرمائیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کی ترقیٔ آمدنی سے کبھی ان کو مسرت نہیں ہوئی چنانچہ انھوں نے ریاست کے تذکرۂ سالانہ بابتہ ۱۹۰۶ و ۱۹۰۷ء پر ریویو کرتے ہوئے آمدنی مسکرات کے متعلق یہ نوٹ فرمایا تھا :۔

> "ہم اخلاقاً و مذہباً آبکاری و مسکرات کی تجارت اور اس کی آمدنی کو پسند نہیں کرتے اور ہماری عین خواہش ہے کہ اگر ان اشیاء کو جن سے شراب کشید ہوتی ہے اس کی جگہ کسی اور مصرف میں لایا جائے تو ہم کو ریاست کا کسی قدر نقصان خود اپنی ذات پر برداشت کر لینے میں بھی دریغ نہیں ہے لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک کوئی تجویز پیش نہیں کی گئی معین المہام کو اس کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔"

اس لئے باوجود اس کے کہ بھوپال کے چاروں طرف ہمسایہ ریاستوں اور برٹش انڈیا کے اضلاع

واقع ہیں جہاں سے شراب کی کشید اور درآمد میں کوئی دشواری نہیں ہے سرکار عالیہ نے ۱۹۲۲ء میں تجربہ[۱] اور امتحان کو مدِّنظر رکھکر اور کئی لاکھ کا نقصان گوارا فرماکر شراب کی تجارت و کشید اور درآمد کو ازروئے قانون مسدود فرمادیا۔

صیغۂ جنگل کے انتظامات میں تبدیلی کی گئی اور پھر از سرِ نو تنظیم ہوئی اور کل جنگل کا ڈیمارکیشن کیا گیا اور ورکنگ پلین بنائے گئے۔

تجسّس معدنیات کا بھی ایک صیغہ قائم کیا گیا اور اگرچہ سرکار عالیہ کے زمانہ میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی لیکن آئندہ زمانے کیلئے اسکی بنیاد قائم ہوگئی۔

قوانین و عدالت

یہ امر کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے کہ حقوق کے تعین و تلافی، امن عامہ اور انسداد جرائم اور تحدید و نفاذ اختیارات کے لئے قوانین کی اہم ترین ضرورت ہے اور جس قدر قوانین عمدہ اور مکمل ہوں گے اسی قدر رعایا کو اپنے اور حکومت کے حقوق کی واقفیت اور تمیز اور امن و آسائش نصیب ہوگی۔

سرکار عالیہ اس ضرورت اور اس اصول کو بہت اچھی طرح محسوس فرماتی تھیں چنانچہ انھوں نے اپنے خیال اور وضع قوانین کی ابتدائی مشکلات کو اس طرح ظاہر بھی فرمایا ہے کہ:۔

> میں نے منجملہ اور ضروریات کے قوانین کی ترمیم و تکمیل بھی ضروری سمجھی کیونکہ ملک کا انتظام اور امن و امان کا قیام دادرسی اور تلافی حقوق کا انحصار مکمل اور عمدہ قوانین ہی پر ہوتا ہے اور نیز بعض اہم امور ایسے ہوتے ہیں جن میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے اگرچہ منشی ممتاز علی خاں[۲] قانون کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن میں اس کی ضرورت کو خوب جانتی تھی اس لئے کہ بے اصول کوئی کام صحیح طریقوں پر نہیں چل سکتا۔

اس میں شک نہیں کہ قانون شخصی اختیارات کو ضعیف کرتا ہے لیکن رعایا کو اس سے آزادی

---

[۱] مگر افسوس ہے کہ اس تجربہ میں ناکامی ہوئی ملحق الحدود و اضلاع سے یکایک درآمد بڑھ گئی اور ناجائز کشید اس قدر زیادہ ہوگئی کہ اس کا انتظام بہت مشکل ثابت ہوا سزا و جرمانے قانونی میں بے انتہا مشکلات عارض ہوئیں اس لئے ۱۹۲۷ء میں پہلے نظام ہی کو بہت زیادہ اصلاحات و سختی کے ساتھ جاری کیا گیا۔ [۲] معین المہام۔

اطمینان کی نعمت ملتی ہے، اس کے علاوہ میں بھی حد سے زیادہ متجاوز شخصی حکومت کو پسند نہیں کرتی اس لئے اس سال ایک مخصوص محکمہ مثل "لیجسلیٹو کونسل" کے قائم کیا اور اس کو مجلس مشورہ کے ہی نام سے موسوم رکھا اس کی ممبری کے لئے وہ عہدہ دار منتخب کئے جو باعتبار اپنے عہدے اور قابلیت و تجربات کے ممتاز تھے مجھے اس موقع پر بڑی دقت یہ پیش آئی کہ ترمیم و تنسیخ اور توضیح قوانین کے وقت میرا مقصود یہ تھا کہ ایک ایسا گروہ مجلس مشورہ کے ممبروں میں ہو جو تعلیم یافتہ اور حالات ملک سے واقفیت تامّہ رکھتا ہو تاکہ وہ مجلس مشورہ میں حقوق رعایا کی وکالت کرے اور سرکاری ممبروں کے ساتھ ہر ایک بحث و مباحثہ میں شریک ہو لیکن مجھے بے انتہا افسوس ہوا کہ ایک شخص بھی ایسا نہ مل سکا جو رعایا کی قائم مقامی کے فرائض ادا کر سکے۔ میں نے طبقۂ وکلائے عدالت پر نظر ڈالی مگر وہ لوگ بھی ایسے تعلیم یافتہ نہ تھے کہ کامل اطمینان ہو سکتا تاہم یہ خیال کر کے کہ بمقابلہ دیگر غیر سرکاری اشخاص کے ان کو کچھ نہ کچھ رعایا کے خیالات و حالات کا تجربہ ضرور ہوگا اور نیز ان کو روزمرّہ قوانین نافذہ سے کام پڑتا رہتا ہے رعایا کی قائم مقامی کے لئے انتخاب کیا اور ان میں سے چند سربرآوردہ وکلا، کو نامزد کیا گیا ان نامزد اشخاص میں سے مولوی سید عبدالعزیز مرحوم کو جو ممالک متوسط کے وکیل تھے نائب مہتمم مشورہ یعنی سکریٹری لیجسلیٹو کونسل کے عہدہ پر مامور کیا اور یہ اصول قرار دیا کہ میری روبکاری سے جن قوانین کی ترتیب و ترمیم کا حکم دیا جائے یا جن کی نسبت معین المہام یا نصیر المہام ریاست تحریک کریں یا سکریٹری کو جن کی ضرورت معلوم ہو اوّل اُن کا مسودہ تیار کیا جائے اور ممبران مجلس کے روبرو پیش ہو کر ایک مختتم کارروائی کے ساتھ میری روبکاری میں پیش ہوں اور میری منظوری کے بعد نافذ کئے جائیں۔

چنانچہ ۵۔ جمادی الاوّل ۱۳۲۱ھ۔ ۳۰ر جولائی ۱۹۰۳ء کو میں نے بذریعہ پروانہ کے ممبروں کو مقرر کر دیا اور سفر حجاز کے قبل ہی مجلس مشورہ کے اجلاس ایوانِ صدر منزل کے ایک کمرہ میں منعقد ہونے شروع ہو گئے۔

یہ قوانین غور و بحث کے بعد منظوری کے لئے سرکار عالیہ کے حضور میں پیش ہوتے اور حسب موقع اگر ضرورت متصوّر ہوتی تو اس میں تغیر و تبدّل فرمایا جاتا اور بعض قابلِ اصلاح امور کی ترمیم کر دیتیں یا ایسا ہوتا کہ اعتراضات فرما کر پھر بحث و تدقیق اور نظرِ ثانی کے لئے واپس کر دیئے جاتے اور غور و بحث کی

تکمیل کے بعد نافذ ہوتے۔

۱۹۲۲ء میں سرکار عالیہ نے جب نظامِ حکومت تبدیل فرمایا تو وضع قوانین کا کام لیجسلیٹو کونسل پر منتقل ہو گیا تاہم اس وقت تک جس قدر قوانین و قواعد وضع ہوئے اُن میں ذاتی طور پر سرکار عالیہ کی دقیقہ سنجی بیدار مغزی اور تدبر و حکمت عملی کا بڑا دخل رہا۔

جن لوگوں کو فنِ قانون کی نزاکتوں اور مشکلات کا علم ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ وضع و تصنیف کی تمام شاخوں میں اس سے زیادہ اور کوئی کام مشکل نہیں لیکن چونکہ سرکار عالیہ اس راہ کی تمام مشکلات اور صعوبات پر حاوی تھیں وہ جس طرح ایک اعلیٰ درجہ کی فرمانروا، ایک مدبّر، ایک منتظم، ایک نگران کار اور ایک جج تھیں اسی طرح مقنّن اور واضع قانون بھی تھیں۔ فطرت کی فیّاضی جب کسی پر مبذول ہوتی ہے تو وہ ایک دماغ میں متعدد دماغوں کے جوہر پیدا کر دیتی ہے۔

مجموعۂ قوانینِ ریاست میں متعدد قوانین ایسے ہیں جن کا تعلق اصلاحات سے ہے۔ ان میں زنان فاقدۃ الازواج یا کالمعلقہ کی نسبت وہ بہترین قانون ہے جس کی مثال بھوپال ہی میں مل سکتی ہے۔

عموماً ہر جگہ بہت سے اشخاص جو بیویوں کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے اور ان کو تکالیف میں مبتلا رکھتے ہیں اور بعض اوقات سب سے بڑی تکلیف یہ ہوتی ہے کہ شادی کے بعد بیوی کو چھوڑ کر غائب ہو جاتے ہیں اور تمام عمر یہ غریب اپنی زندگی کو عسرت و پریشانی میں بسر کرتی ہے۔ بداخلاقی، اور ارتکاب جرائم میں مبتلا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ سرکار عالیہ نے اس مسئلہ پر غور فرمایا اور علماء سے مشورہ حاصل کرنے کے بعد ایسی زنان فاقدۃ الازواج کے نکاحِ ثانی کے لئے قواعد مرتب ہوئے اور محکمۂ قضا کے ذریعے سے ان غریبوں کی اس مصیبت کو دور کرنے کا انتظام فرمایا۔

اسی طرح نفقۂ اعزا کو تلافیٔ حقوق کی ذیل میں داخل کیا گیا۔ اکثر سخت دل اشخاص اپنے والدین تک کی امداد سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔ یہ قانون ان کو عدالتی چارہ جوئی کا حق عطا کرتا ہے۔

یہ اصلاحی قوانین محض سرکار عالیہ کی توجہ ذاتی کا اثر و نتیجہ ہیں۔

قوانین کے ساتھ عدالتوں اور وکیلوں کے معیار اور ان کی تہذیب و اصلاح پر بھی توجّہ فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بھوپال کی عدالتوں کا وقار خاص طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ابتداً خود حضورِ ممدوحہ بہ نفس نفیس بطور آخری عدالت اپیل اپیلوں کی سماعت فرماتی تھیں۔ غالباً سرکار عالیہ ہی وہ

پہلی خاتون تھیں جنھوں نے ایک جج اور عدالت کے مرکزِ اعلیٰ کی صورت میں اپنے آپ کو نمایاں کیا اور پھر اُس کے فرائض کمال لیاقت کے ساتھ انجام دیئے اور فیصلے بطور نظائر ریاست کی عدالتوں کی رہنمائی کے لئے شایع ہوتے رہے۔

پولیس اور جیل سرکارِ عالیہ نے پولیس کی تنظیم پر بھی خاص توجہ کی آبادی کے لحاظ سے اس کی جمعیّت میں اضافہ کیا دیہی پولیس کو باقاعدہ بنایا گیا تعلیم و امتحان کے متعلق خاص انتظامات کئے گئے اسلحہ و وردی اور دیگر لوازم کے لئے فیاضانہ منظوریاں دیں ٹرننگ کے لئے صدر میں ایک اسکول قائم کیا گیا۔

سرکارِ عالیہ کا ابتداسے مطمحِ نظر یہ تھا کہ ریاست بھوپال کی پولیس بہ لحاظِ تعلیم و تربیت اور پابندیٔ قواعد و ضوابط، اور بہ لحاظِ حسنِ کارگذاری برطانوی علاقہ کی پولیس کے مساوی ہوجائے چنانچہ وقتاً فوقتاً جو اصلاحات عمل میں آئیں اور جسطرح فیاضی کے ساتھ اس پر روپیہ صرف کیا گیا اس کے نتیجہ میں بھوپال کی پولیس دیگر ترقی یافتہ ریاست ہائے ہند اور برطانوی علاقہ کی پولیس سے کسی اعتبار سے کم ثابت نہیں ہوئی جس کا اعتراف برطانوی پولیس کے اعلےٰ افسروں نے متعدد مواقع پر کیا ہے۔

سلسلۂ اصلاحات میں جیل کی بھی اصلاح ہوئی قیدیوں کو کام سکھانے کے لئے متعدد کارخانے جاری کئے گئے جہاں قالین، دریاں، تولئے، نہایت عمدہ تیار ہوتے ہیں۔ دستی کرگھوں پر مختلف وضعوں کے ریشمی کپڑے، موزے، بنیائن بنے جاتے ہیں، باغبانی کا کام سکھایا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی اخلاقی اصلاح کا انتظام بھی ہے۔

صنعتی و حرفتی تدابیر ملک کی صنعتی حالت پر بھی توجہ کی، علاوہ ان کثیر التعداد وظائف کے جو صنعتی تعلیم کے لئے عطا کئے سرکاری طور پر بھی چند چھوٹے چھوٹے کارخانے قائم کرائے جو کچھ عرصہ بعد شکست کر دیئے گئے لیکن ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوجوانوں میں صنعتی کاروبار کا شوق پیدا ہو گیا اور انھوں نے پرائیوٹ کارخانے قائم کرنا شروع کر دیئے چند مختلف کارخانے مشترکہ سرمایہ سے بھی قائم کرائے متعدد جننگ فیکٹریاں کھولی گئیں۔

پیداوارِ ملک کے امتحانِ کیمیاوی اور دباغتِ چرم کیلئے ایک معمل کیمیائی (لیبارٹری)

اور ایک وسیع کارخانہ قائم فرمایا تجارت کی رونق کے لئے جا بجا قصبات میں اور اسٹیشنوں پر منڈیاں قائم کی گئیں۔

اصلاح معیار ملازمت سرکار عالیہ کے سلسلۂ اصلاحات میں ملازمت کے معیار کی بلندی بھی ایک بنیادی اصلاح تھی جس پر ابتدائے حکمرانی سے توجہ مبذول رہی اور ریاست کی مالی حالت کے لحاظ سے سول اور فوج میں تعلیم ٹریننگ اور مشاہرات کا معیار فیاضانہ طریقہ سے بلند فرماتی رہیں اور پنشن و انعام کے قواعد جاری فرمائے۔

سال گرہ صدر نشینی کی تقریب کو سال سوم جلوس سے نہایت مفید قالب میں ڈھال دیا۔ تاریخ سال گرہ سے قبل ہر صیغہ کی رپورٹیں ملاحظۂ اقدس میں پیش ہوتیں ان پر تنقید و تبصرہ کیا جاتا اور سال گرہ کے دن بذریعہ پروانہ جات خوشنودی یا انعامات و اضافۂ مشاہرات قابل و جفاکش عہدہ داروں کی خدمات کا اعتراف فرمایا جاتا کبھی کبھی دربار عام منعقد فرما کر اس اعتراف و تحسین کو بذریعہ تقریر اظہار فرماتیں۔

سول و فوج کے عہدہ داروں میں سماجی اور مجلسی تعلقات قائم کرنے کے لئے یونائیٹڈ سروس کلب کا افتتاح فرما کر چھ ہزار روپیہ سالانہ کی گرانٹ منظور فرمائی جو بھوپال میں ترقیات تمدنی و معاشرتی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

ہر ریاست میں منصب داروں اور ارکان خاندان کا طبقہ عموماً بیکاری یا تفریحی مشاغل میں اوقات گذاری کرتا ہے اور منصب و خاندان کے اطمینان پر تعلیم کی طرف توجہ نہیں ہوتی یہی عام حالت بلکہ عام حالت سے کسی قدر زیادہ بھوپال میں رونما تھی جس کی اصلاح نہایت پیچیدہ اور دقّت طلب تھی لیکن سرکار عالیہ نے پہلے تمام منصب داروں اور ارکانِ خاندان کو مجبور فرمایا کہ وہ اپنی اولاد کو تعلیم دلائیں اور پھر ان میں جو نوجوان فوجی یا مالی و عدالتی کام سیکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے ان کو ان ہی کی مناسبتِ طبع کے مطابق دفاتر وغیرہ میں معین فرمایا۔ چنانچہ جو لوگ پہلے بیکاری میں زندگی بسر کرنے کے عادی اور موجودہ حالت پر قانع تھے ان میں بہت سے اشخاص فوج اور شعبہ ہائے ملکی میں مامور ہو گئے۔

تہذیب دفاتر ان اصلاحات میں ترقی یافتہ جدید اصول پر دفاتر کی تہذیب بھی ایک نمایاں اصلاح

ہے تمام دفاتر ریاست ایک اصول کے تحت میں لائے گئے دفتر انشا کی جو فرماں روا کا خاص دفتر ہے
سکریٹیریٹ کے اصول پر تنظیم کی گئی اور مختلف محکمے مختلف سکریٹریوں کے سپرد کیے گئے۔

اصلاحاتِ فوج

اور

محاربۂ عظیم میں سلطنتِ برطانیہ کی امداد

سرکار عالیہ نے فوج کی اعلیٰ تربیت اور زمانہ حال کے مطابق اصلاح کرنے میں اپنی توجہ روز صدر نشینی ہی سے مبذول فرمائی اوّل اوّل چند خفیف تبدیلیاں اور ابتدائی اصلاحات کیں لیکن فوراً ہی کامل اصلاحات کی بنیاد بھی قائم کردی یعنی اپنے فرزند گرامی میجر جنرل نواب حاجی حافظ محمد عبید اللہ خاں صاحب بہادر سی۔ ایس۔ آئی کو عساکر ریاست کے عہدہ داروں میں داخل کیا اور حضور ممدوح نے اپنے ذاتی شوق اور اپنی شفیق والدہ کی مرضی کے مطابق چند ہی دنوں میں ایک اولوالعزم سپاہی کی طرح سپاہیانہ محنت کے ساتھ فوجی تعلیم و تربیت حاصل کرلی متعدد مینوورس میں اپنی فوج کے ساتھ شریک ہو کر حصّہ لیا اور آغاز کار میں ہی وہ ہمّت وسعی کی کہ برٹش فوجی افسروں نے ان کی محنت وجفاکشی اور رجمنٹ اور بریگیڈروں کی قواعد میں دلچسپی لینے کا اعتراف کیا اور اس امر پر حیرت ظاہر کی کہ کیونکر اس قلیل عرصہ میں انھوں نے اتنی تعلیم حاصل کرلی۔ جب نواب ممدوح الشان پوری تعلیم و تربیت حاصل کر چکے تو ان کو سپہ سالارِ ریاست مقرر کیا گیا اور ان کی امداد سے بہت کچھ اصلاحات عمل میں آئیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سپہ سالار ریاست کی نگرانی اور سرکار عالیہ کی توجہ سے عمدہ نتائج نکلنے لگے جن کا تمام فوجی افسروں اور سپہ سالاران و ولیسرایان ہند نے اعتراف کیا۔

جنگ عظیم میں امپریل سروس ٹروپس نے گریزن ڈیوٹی کو ایسے عمدہ طریقے پر انجام دیا کہ ہز اکسلنسی لارڈ چیمسفورڈ نے اسٹیٹ ڈنر کی تقریر میں اس کی تعریف کی۔

غرض ہر موقع پر فوج اور سپہ سالار فوج کی تعریف ہوئی۔ سرکار عالیہ خود بھی ایک فوجی ماہر کی طرح کبھی کبھی فوجی پریڈ اور کرتب کا ملاحظہ اور ہر جزیۂ فوج کا معائنہ اور تقریر کے ذریعے سے اس کی حوصلہ افزائی فرماتی تھیں۔

۱۹۱۴ء میں جس وقت یورپ میں محاربۂ عظیم شروع ہوا تو سرکار عالیہ نے سلطنتِ برطانیہ کی حمایت و حفاظت کے لئے ہر قسم کی اخلاقی، مالی اور فوجی امداد ہی نہیں بلکہ ذاتی امداد بھی پیش کی۔ ریلیف فنڈ کے متعلق ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر فرما کر رعایا کو اس میں چندہ دینے کی تحریک فرمائی۔

امپریل سروس ٹروپس کی خدمات عساکر برطانیہ میں منتقل کی گئیں۔ شوفر اور موٹر کار میدانِ فرانس میں بھیجے گئے۔ بھرتی میں خاص سعی و کوشش کی گئی۔ چھ سو آدمیوں کے قریب بھرتی ہوئے۔ بھرتی ہونے والوں کو انعامات اور معافیاں عطا کی گئیں۔ مختلف صورتوں میں سامانِ جنگ سے بھی امداد کی گئی، گھوڑے، موٹر کاریں، کشتیاں، خیمے وغیرہ دیئے گئے۔ ایک ہوائی جہاز بھی خرید کر میدان کارزار میں بھیجا گیا اور ہز اکسیلنسی وائسرائے کی تحریک کے مطابق بھوپال پریزینٹ (عطیہ بھوپال) سے موسوم کیا گیا۔

ریاست کی ورک شاپ میں توپوں کے گولے تیار کئے گئے گھوڑوں کی تربیت کے لئے خاص انتظام کیا گیا۔

قرضۂ جنگ کو کامیاب بنانے کیلئے خاص طور پر توجہ کی گئی اور ہر تحصیل اور گاؤں تک اس کو وسعت دی گئی۔ ملازمین و متوسلین کو قرضۂ جنگ کی دستاویزات خریدنے کے لئے ایک مہینہ کا پیشگی مشاہرہ دیا جانا منظور فرمایا گیا جو بتدریج ایک سال کے اندر ان سے وصول کیا گیا۔ تبادلہ سکہ کی مشکلات رفع کرنے میں بھی امداد کی اور اٹھارہ لاکھ روپے نقد کا سونا خرید ا گیا۔

سرکار عالیہ اور ہز ہائی نس مہاراجہ سیندھیا نے والیان ریاست ہائے ہند کی طرف سے برطانوی مجروحین کے لئے ایک ہسپتالی جہاز کی اسکیم بنائی جس میں نہایت کامیابی ہوئی اور لائلٹی کے نام سے وہ جہاز تیار ہوا جو پورے ساز و سامان اور ضروریات آسائش سے مکمل تھا۔

اسی طرح ریڈ کراس سوسائٹی کے کاموں میں فیاضی کے ساتھ امدادیں عطا کیں اور ان اغراض کے لئے ہندوستان و انگلستان میں جس قدر فنڈ کھولے گئے، اور انجمنیں قائم ہوئیں ان سب میں امدادیں کیں، برٹش امپائر لیگ کی ممبری اور انجمن خواتین برطانیہ کے برٹش ومین ہسپتال کی سرپرستی قبول کرکے ان کو امدادیں عطا کیں، امداد مجروحین کے لئے لیڈیز کلب میں مینا بازار قائم کرایا۔

لیڈی چیمسفورڈ کی تحریک سے مقتولین جنگ کے بچوں کی تعلیم کے لئے جو "سلور جوبلی ویڈنگ فنڈ"[1] قائم ہوا تھا اس میں نہ صرف ذاتی امداد کی بلکہ وسط ہند کی مہارانیوں اور بیگمات کو توجہ دلاکر اس فنڈ میں ہزاروں روپیہ چندہ دلایا۔

لیڈیز کلب کے جلسوں میں جو وقتاً فوقتاً اس قسم کی امداد کے لئے منعقد ہوتے رہتے تھے اور ان تمام کاموں میں جو ہر ہائی نس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم کی سرپرستی میں جاری تھے ہمیشہ نہایت سرگرمی اور فیاضی کے ساتھ شریک رہیں اسی سلسلہ کے ایک جلسہ میں جب چندہ جمع ہو رہا تھا تو ایک خاص عطیہ بارہ سو روپیہ کا مرحمت کیا جس کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ روپیہ اپنی چند مصنفہ و مؤلفہ کتابوں کی قیمت کا تھا۔

....

....

اس کے علاوہ زنانہ و مردانہ جلسوں میں متعدد تقریریں کیں جن میں سلطنت کی اعانت اور مجروحین و یتامیٰ کی امداد پر پبلک کو متوجہ کیا۔

سرکار عالیہ نے کئی مرتبہ تہیہ کیا کہ اُس زمانہ میں تشریف لے جاکر وہاں کی مختلف زنانہ ایسوسی ایشنوں میں کچھ کام کریں لیکن اقتضائے حالات نے اجازت نہ دی اور بجائے یورپ کے ریاست ہی میں قیام فرماکر سرکار عالیہ نے علاوہ مالی و فوجی اعانتوں کے ایمبولنس کے کاموں میں مصروفیت رکھی۔ قصر سلطانی میں بیگمات خاندان اور دیگر ممتاز خواتین کی ایک ورک پارٹی بنائی جس میں سرکار عالیہ بھی بہ نفس نفیس مشغول رہیں۔

---

[1] ہز امپیریل مجسٹیز کی شادی کی نقرئی جوبلی۔

اور ڈے کے جلسوں کو نہ صرف ریاست میں کامیاب بنانے پر توجہ کی بلکہ ہز اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ کی درخواست پر سرکار عالیہ نے لیڈیز فارنل اگزکٹو کمیٹی[۵۱] کے وائس پریسیڈنٹ کا عہدہ منظور فرمایا اور ایک مفصل اور طولانی خط میں کمیٹی کو مشورے دیئے اور فینسی بازاروں کے قیام، جلسوں کے انعقاد، جھنڈیوں کی فروخت اور ون روپی فنڈ کھولنے کی تحریک کی۔ لیڈی چیمسفورڈ نے اس تحریک کا نہایت تشکّر آمیز جواب دیا اور یقین دلایا کہ سرکار عالیہ کی تمام تجاویز پر عمل درآمد ہوگا۔

اختتامِ جنگ اور صلح کے بعد فتوحات کے جلسوں کو بھی کامیاب بنانے پر ذاتی طور سے توجہ کی۔ افواج کی دعوت، مزدوروں کو یوم تعطیل کی مزدوری طلباء کے میچ، فوجی کرتب وغیرہ کے علاوہ مساکین کی دعوتیں بھی ہوئیں۔

ان مالی امدادوں کے علاوہ سب سے بڑی اخلاقی امداد میں بھی سرکار عالیہ نے عظیم حصّہ لیا یعنی ٹرکی کے شریک جنگ ہونے سے بلا شبہ تمام مسلمانان ہند کے دلوں میں ایک خاص بے چینی پیدا تھی اور مختلف اوہام و شکوک قلوب میں جاگزیں ہو رہے تھے لارڈ ہارڈنگ وائسرائے وگورنر جنرل اس بے چینی سے متردد تھے انھوں نے سرکار عالیہ سے درخواست کی کہ اس موقع پر حضور ممدوحہ اپنے اثر سے کام لے کر اُن توہمات و شکوک اور اس بے چینی کو جو اس صورتِ حال سے پیدا ہوگئی ہے رفع فرمادیں اُدھر سرکار عالیہ کے نزدیک بھی اپنی قوم اور ملک کی سب سے عظیم الشان ہمدردی یہی تھی کہ مسلمانوں کو خطرناک غلطیوں اور بے راہ روی سے محفوظ رکھنے میں اپنا کامل اثر استعمال فرمائیں۔ بھوپال میں تو سرکار عالیہ کی ذات گرامی پر اعتماد کی وجہ سے اس قسم کا کوئی اندیشہ ہی نہ تھا لیکن برٹش انڈیا میں اس کوشش اور استعمالِ اثر کی ضرورت تھی۔

سرکار عالیہ نے اس موقع پر ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا۔ اور اس میں ایک تقریر ارشاد فرمائی جس میں اسباب و وجوہِ جنگ، برطانیہ کی ناگزیر شرکت، جرمنی کے مظالم، ترکوں کی

۵۱؎ ۱۹۱۷ء میں ویسرائے ہند کی اپیل پر طے ہوا کہ ہز امپیریل مجسٹی قیصر ہند کی سال گرہ تخت نشینی پر تمام ہندوستان میں اس قسم کے جلسے ترتیب دیئے جائیں جس سے سینٹ جان ایمبولنس کو مالی مدد حاصل ہو لیڈی چیمسفورڈ نے عورتوں سے بھی اپیل کی تھی اور ایک کمیٹی بنائی تھی جس کا نام لیڈیز فارنل اگزکٹو کمیٹی تھا۔

شریکِ جنگ ہونے میں غلطی .... اور گذشتہ محاربات میں ٹرکی کے ساتھ سلطنتِ برطانیہ کی امداد اور مسلمانانِ ہند کی اعانت وغیرہ کو تفصیل سے بیان فرما کر مذہبی نقطۂ نظر سے ممانعتِ فساد، قیامِ امن وسکون، احترام معاہدات اور ایفائے عہد کی اہمیت پر رعایائے بھوپال کے ساتھ مسلمانانِ ہند کو بھی مؤثر طریقہ پر متوجہ کیا۔

ہندوستان کی تاریخ برطانیہ میں دہلی اور کلکتہ وغیرہ میں متعدد مواقع سرکاری طور پر عام اجتماع کے ہوئے ہیں چنانچہ ۱۸۷۷ء، ۱۹۰۳ء، ۱۹۱۱ء کے تین دربار تاریخ ہند میں یادگار ہیں لیکن اپریل ۱۹۱۸ء میں تمام حصصِ ہند کے چیدہ اور سربرآوردہ اصحاب امپریل کونسل کے ممبروں اور والیانِ ملک کا جو اجتماع ایوانِ کونسل میں ہوا تھا جس میں ہز اکسلنسی وائسرائے نے ہز امپریل مجسٹی ملک معظم کا وہ مشہور پیغام سنایا جس میں جنگ عظیم کے متعلق اہلِ ہند کو امداد کے لئے توجہ دلائی گئی تھی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ سرکار عالیہ بھی اس کانفرنس میں مدعو تھیں انھوں نے ایک رزولیوشن کی تائید میں جو مہاراجہ بڑودہ نے پیش کیا تھا ایک مختصر تقریر انگریزی میں ارشاد فرمائی اگرچہ سرکار عالیہ انگریزی میں بلاتکلف گفتگو فرماتی تھیں، کتابیں ملاحظہ کرتیں اور اپنی تصانیف میں بعض اوقات اُن کے ترجموں سے مدد لیتی تھیں لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ ایسے منتخب مجمع میں انگریزی میں تقریر فرمائی۔

یہ تقریر اس لحاظ سے اور بھی اہمیت رکھتی ہے کہ اگرچہ سرکار عالیہ بحیثیت ایک والیہ ملک کے اس وقت موجود تھیں مگر اپنی ذاتِ مبارک سے نصف آبادی ہندوستان کی قائم مقام تھیں اور یہ موجودگی اُن جذبات کو ظاہر کر رہی تھی جو ہندوستان کی عورتوں کے دلوں میں تاجدار برطانیہ کے ساتھ اور حفاظت وحمایت سلطنت کے متعلق تھے۔

جس وقت سرکار عالیہ تقریر فرما رہی تھیں تمام حاضرین جلسہ انداز تقریر اور پُرجوش لہجہ پر متحیر تھے خصوصاً گیلری میں جس قدر یورپین خواتین موجود تھیں اُن کی خوشی اور اظہارِ مسرت کے چیرز سے تمام ایوان گونج اُٹھا تھا۔

یوں تو سرکار عالیہ نے دربار تخت نشینی سے اس وقت تک بھوپال اور بھوپال سے باہر بارہا عورتوں اور مردوں کے متعدد جلسوں میں اور ریاست کے ڈنروں کے موقعوں پر تقریریں

فرمائی تھیں اور ہر موقع پر خراج تحسین وصول کیا تھا لیکن یہ موقع جیسا پُرجلال تھا اسی طرح سرکارِ عالیہ نے اپنے علو ہمت اور عظمتِ ذات کے لحاظ سے تقریر فرمائی، اس کے بعد سرکار عالیہ نے ایک اور میٹنگ میں تقریر کی جس میں صرف والیانِ ریاست اور فوج کے اعلیٰ افسر شریک تھے اور جو سپہ سالار افواجِ ہند کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی۔ اس میٹنگ میں جس قدر اہم مسائل پیش ہوئے ان سب میں سرکار عالیہ نے فوجی قابلیت و واقفیت کے ساتھ نمایاں حصّہ لیا۔

اِس جنگِ عظیم کے بعد افغانستان کی جنگ میں بھی سرکار عالیہ نے اسی جوش و فیاضی کے ساتھ امداد دی۔

غرض اس محاربۂ عظیم میں سرکار عالیہ نے ۱۸ لاکھ ۲۵ ہزار روپیہ مختلف صورتوں میں سلطنت برطانیہ کی امداد و حمایت میں صرف فرمایا جس کا مختلف موقعوں پر مختلف عنوانوں سے شکریہ ادا کیا گیا۔

ہز اکسلنسی ویسرائے کا خریطۂ شکریہ ۳۰ رجون ۱۹۱۹ء کو ہز اکسلنسی لارڈ چیمسفورڈ نے ایک خریطۂ شکریہ میں اس طرح پُرجوش اعتراف کیا۔

”جو زبردست اور محکم امداد ریاستِ بھوپال نے دورانِ جنگ میں کی اُس کے لئے میں اپنی اور ہز مجسٹی کی جانب سے نہایت پُرجوش شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یور ہائی نس نے مسلمانانِ ہند کے لئے ایک شاندار مثال قائم کردی اور فیاضانہ عطیات نقد، ہوائی جہازوں اور گھوڑوں کو پیش کرکے مادّی اعانت کی۔ بھوپال لانسرز نے ہندوستان میں گریزن ڈیوٹی پر قابلِ قدر خدمات انجام دیں اور تمام ریاست میں بھرتی ہونے کا شوق پیدا کر دیا۔

یور ہائی نس نے بمشورہ مہاراجہ سیندھیا آف گوالیار ہاسپٹل شپ لائلٹی کی اسکیم اختراع کی جس نے اعلیٰ درجہ کا کام کیا۔

یور ہائی نس نے فوج کے لئے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچایا اور مختلف فنڈوں میں جو مجروحین از کار رفتہ وغیرہ سپاہیوں کی تکالیف دُور کرنے کے واسطے قائم کئے گئے تھے فیاضانہ چندے مرحمت کئے۔

یور ہائی نس نے بہ نفسِ نفیس اور آپ کے صاحبزادوں نے ہز امپریل مجسٹی اور سلطنت برطانیہ

کے ساتھ اپنی مضبوط وفاداری اور عمیق اعانت کیشی کو ثابت کر دکھایا ہے۔ اور انصاف و آزادی کی اس جنگِ عظیم میں آپ نے حصہ لیا ہے جس میں ہندوستان نے نہایت خوبی سے اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

اس کے علاوہ بھی دیگر مختلف موقعوں پر مختلف عنوانوں سے سرکارِ عالیہ کی فیاضانہ امدادوں کا شکریہ و اعتراف کیا گیا۔

سیہور چھاؤنی کی واپسی ۱۸۱۸ء کے عہد نامہ کی رو سے ریاست نے مضافات سیہور[۱] میں ایک وسیع رقبہ جو کئی دیہات پر مشتمل تھا برطانوی افواج کی چھاؤنی کے لئے دیا تھا اور یہی مقام بھوپال ایجنسی کا بھی مستقر تھا لیکن ۱۹۱۸ء میں جب یہ چھاؤنی ٹوٹ گئی تو سرکارِ عالیہ نے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا اور گورنمنٹ آف انڈیا نے اس کو تسلیم کر لیا جس کی کارروائی کی تکمیل ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں ہوئی۔ اس طرح توسیع ملک کے متعلق سرکارِ عالیہ کی شاندار اور مبارک زندگی میں اوّل بہ آخر کی نسبت ہو گئی۔

اُمورِ رفاہِ عام

بلدہ میں میونسپلٹی کا قیام اگرچہ میونسپلٹی کے حقوق ایسے قصبوں یا شہروں میں دیئے جاتے ہیں جہاں لوگوں میں تعلیم و قابلیت نے لوکل سیلف گورنمنٹ کی پوری صلاحیت پیدا کر دی ہو لیکن سرکارِ عالیہ نے محض اس لئے کہ یہاں کے باشندوں میں کام کرنے کا شوق پیدا ہو اور اُن کو آہستہ آہستہ ایک متمدن شہری بنایا جائے۔ اہلِ شہر کو حقوقِ بلدیہ عطا فرمائے اور پھر بتدریج ان حقوق میں اضافہ ہوتا رہا۔

میونسپل کے زیرِ انتظام صیغۂ حفظانِ صحت، روشنی، شوارعِ بلدہ، بدرو، آب رسانی وغیرہ ہے۔ عموماً اس کے اخراجات کا بہت بڑا حصہ خزانۂ شاہی سے مرحمت فرمایا جاتا ہے خاص

---

[۱] سیہور بھوپال سے ۲۲ میل پر واقع ہے۔

میونسپل آمدنی بہت کم ہے اور ایسے وسیع انتظامات کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

۱۹۰۹ء میں بلدہ میں برقی روشنی کا انتظام کیا گیا جو ابتدائً محدود تھا لیکن ۱۹۲۱ء میں زیادہ طاقت کا انجن منگوایا گیا اور تمام شہر میں اس روشنی کی توسیع کی گئی اور یہ صیغہ تجارتی اصول پر منضبط کیا گیا۔

حفظانِ صحت کے شعبہ میں تعلیم یافتہ اشخاص نگراں اور افسر مقرر کئے گئے۔ گھروں کے اندر کی صفائی معائنہ کرنے کے لئے زنانہ اسٹاف مامور ہوا جو عورتوں کو مفید مشورے بھی دیتا ہے۔ اس صیغہ کے متعلق زچاؤں اور نومولود بچوں کی امداد و نگرانی بھی کی گئی اور غربا کے بچوں کے لئے تازہ اور خالص دودھ کا انتظام کیا گیا۔ لاکھوں روپے سے ڈرینج کا سلسلہ قائم ہوا۔ گلی کوچوں میں پختہ کھرنجہ اور جابجا خوشنما پارک بنائے گئے۔ بعض سڑکیں وسیع کی گئیں اور بعض جدید بنائی گئیں۔ شہر اور بیرونِ شہر کے قدرتی مناظر کو نہایت دلچسپ بنایا گیا اور حصہ شاہ جہاں آباد میں تو جہاں درجہ بدرجہ نشیب و فراز ہیں تین سڑکیں اور ان سڑکوں کے درمیان میں جو تالاب ہیں اُن میں ایک عجب دلفریبی پیدا کر دی گئی۔

اکثر مساجد کے آس پاس کثیف و گنجان آبادی تھی جہاں صفائی کا کام سخت مشکل تھا وہاں ایسے تمام مکانات معقول معاوضوں سے خریدے گئے اور ان کو صاف کر کے باغیچے لگا دیئے گئے۔

پرائیوٹ تعمیرات کے لئے یہ اصول قرار دیا گیا کہ جو مکان بنایا جائے وہ میونسپل قواعد کے مطابق ہو اور اس کا نقشہ منظور کرا لیا جائے۔

عامۂ رعایا کی تعمیر مکانات کے لئے قرض اور عطیات سے امداد کی گئی۔

مفصلات میں بھی مقامی حکام کی زیر نگرانی حفظانِ صحت کی کمیٹیاں قائم کی گئیں ممبروں کے انتخاب کا حق عطا کیا گیا اور ضروری قواعد جاری کئے گئے۔ اس طرح دیہات تک میونسپل انتظامات کو وسعت دی گئی۔

شفاخانے

ریاست بھوپال میں بہ زمانۂ سرکار خلد نشیں یونانی شفاخانے اور بہ عہدِ سرکار خلد مکاں انگریزی شفاخانے قائم ہوئے جن پر ہمیشہ نہایت فیاضی

کے ساتھ روپیہ صَرف کیا گیا لیکن زمانہ کی روز افزوں ضرورتوں سے اصلاح و ترقی کی بہت احتیاج تھی۔ ان دونوں صیغوں میں نمایاں اصلاحات اور اضافے ہوئے اور آخرِ عہدِ حکومت میں ایک نہایت شاندار عمارت[1] تیار کی گئی۔ جس کے ساتھ مریضوں کے رہنے کے وسیع کمرے اور تمام متعلقہ مکانات ہیں۔

۱۸۹۲ء میں سرکار خلد مکاں نے لیڈی لینسڈون ہاسپٹل قائم فرمایا تھا جس میں دایہ گری کی تعلیم کا بھی کسی قدر انتظام ہوا تھا سرکار عالیہ نے اس ہسپتال کی اصلاح اور ترقی کی طرف خاص توجہ فرمائی۔ اسٹاف کا معیارِ قابلیت بڑھایا۔ ایک نرسنگ اسکول جاری کیا تعلیم دایہ گری کو وسعت دی۔

تعلیم پانے والی عورتوں کے وظائف بھی مقرر فرمائے اور اُن دائیوں کو جنھوں نے کوئی سند حاصل نہ کی ہو اس پیشہ کی ممانعت کی گئی اور اسی شفاخانہ کے ساتھ ایک انفینٹ ہوم (دارالاطفال) کا بھی اضافہ کیا گیا۔

عابدہ چلڈرن ہاسپٹل

سرکار عالیہ کے قلب مبارک میں خداوند تعالےٰ نے جو رافت و رحمت ودیعت کی تھی وہ ہر کمزور اور بے کس و بے مددگار کی ہمدردی و امداد میں نمایاں ہوئی۔ عورتیں جو قدرتی طور پر کمزور ہیں اور جن پر بے کسی کا زیادہ اثر ہوتا ہے ہمیشہ سرکار عالیہ کی ہمدردی کا مرجع رہی ہیں۔ اسی رافت و رحمت کے جذبات نے حضور ممدوحہ کو بچوں کے مخصوص ہسپتال کے قیام پر متوجہ کیا۔

۱۹۱۱ء میں یورپ کے سفر میں جب کینگسٹن کے مشہور شفاخانۂ اطفال کا معائنہ کیا تھا تو وہاں کے انتظام بچوں کے نشو و نما اور اخلاق و خیالات کی اصلاح کے طریقے اور ان کی تفریح و مشاغل کے اہتمام کا خاص اثر ہوا تھا اور یہ خیال تھا کہ بھوپال میں بھی ایک ایسا شفاخانہ بنایا جائے لیکن کُلُّ اَمْرٍ مَرْھُوْنٌ بِاَوْقَاتِھَا اب سرکار عالیہ کو اس خیال کے پورا کرنے کا موقع

---

[1] یہ عمارت اعلیحضرت دام اقبالہٗ کے دوم سنہ جلوس میں مکمل ہوئی اور ہر قسم کا سامان جو بہتر سے بہتر شفاخانے میں ہو سکتا ہے نہایت فیاضی کے ساتھ فراہم کیا گیا۔ اپریشن اور ایکسریز کے بہترین آلات مہیا کئے گئے اور سرکار عالیہ کے دستِ مبارک سے افتتاح ہوا۔

ملا اور اعلیٰحضرت اقدس کی دوئیں سال گرہ جلوس پر نواب گوہر تاج بیگم عابدہ سُلطان ولی عہد ریاست کے نام سے موسوم فرما کر اس کا سنگِ بنیاد اعلیٰحضرت کے دستِ مُبارک سے رکھوایا۔

سرکار عالیہ نے اس فونڈیشن کے وقت جو تقریر فرمائی تھی۔ اور اس میں بچوں کے متعلق جو کچھ فرمایا وہ حضور ممدوحہ کے ان خیالات کا مرقع ہے جو اس شفاخانہ کے محرک ہوئے حضور ممدوحہ نے فرمایا کہ:-

حضرات! یہ کلیہ ہر شخص جانتا ہے کہ قومیں بچوں ہی سے بنتی ہیں اور آج جو بچہ اس فضا میں سانس لیتا ہے وہی کل ایک ایسی ہستی ہوگا جو قومیت اور انسانیت کی تعمیر کرے گا اسی کلیہ کو پیش نظر رکھ کر تمام متمدن اور تعلیم یافتہ ممالک میں بچوں کی تندرستی اور صحت کے متعلق یوم ولادت ہی سے خاص توجہ کی جاتی ہے اور نرسنگ کی تعلیم فرائض مادری میں داخل ہے اور کوئی ماں اس وقت تک ماں کہلانے کے لائق نہیں جب تک کہ وہ اپنے فرائض سے واقف نہ ہو۔

یوں تو بچوں کے ساتھ ماں اور باپ کی محبت ایک فطری جذبہ ہے اور وہ اس کی صحت کے دل سے متمنی ہوتے ہیں مگر وحشی یا نیم تعلیم یافتہ قومیں اُن کو محض واقعات و اتفاقات پر چھوڑ دیتی ہیں اور تعلیم یافتہ قومیں تدبیر کے ساتھ تقدیر پر بھروسہ کرتی ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ متمدن ممالک میں بچے توانا اور قوی ہوتے ہیں اور جن بچوں پر امراض کا حملہ ہوتا ہے ان کے لئے گھروں کے علاوہ اس قسم کے شفاخانے موجود ہیں جیسا کہ میں نے ابتداء تقریر میں بیان کیا ہے۔

اسی بُنیاد پر میں نے نرسنگ کی تعلیم کے لئے مختلف ذرائع اختیار کئے اور اب ایک چلڈرن ہسپتال یعنی شفاخانۂ اطفال قائم کرنے کا ارادہ کیا ہے جس میں مریض بچے داخل کئے جائیں گے اور وہیں اُن کی تیمارداری ہوگی۔

شوارع

ہر ملک میں سڑکوں اور شاہراہوں کی ترقی ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ بھوپال میں بھی ابتدا سے اس طرف توجہ مبذول رہی لیکن ملک کی جغرافی حالت اور کوہستانی سلسلہ کے لحاظ سے جدید سڑکوں کے بنانے میں نہایت کثیر اخراجات کی ضرورت ہے سرکار عالیہ نے بھی جہاں تک فنانشل حالت نے اجازت دی قدیم شوارع کی درستی اور توسیع اور جدید شوارع کی تعمیر پر توجہ مبذول رکھی۔

پہلے ارادہ تھا کہ اگر ہم سوانہ ریاستیں آمادہ ہوجائیں تو لائٹ ریلوے کا اجرا کیا جائے چنانچہ اس کے لئے ماہرینِ فن سے ایک اسکیم بھی تیار کرائی لیکن اور ریاستیں آمادہ نہ ہوئیں اور چونکہ خزانۂ ریاست تنہا اس کے صرفہ کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا اور صرف اندرونِ ملک میں اس سے اتنا نفع بھی متوقع نہ تھا جو اخراجات کے لئے مکتفی ہوتا اس لئے اس اسکیم کو ملتوی کرکے جدید شوارع پر ہی توجہ مبذول رکھی۔

تعمیرات سرکارِ عالیہ کی خاص دلچسپی کی چیزوں میں سے صیغۂ تعمیرات بھی تھا جس کا ان کو ہمیشہ سے شوق رہا ہے۔ سرکارِ عالیہ کی طبیعت کا خاصّہ تھا کہ جس چیز کی طرف توجہ ہوتی اس میں جب تک ایک صاحبِ فن کا درجہ حاصل نہیں ہوتا قناعت نہ فرماتیں تعمیرات کے شوق نے انجینیرنگ ورکس کی طرف اُنھیں توجہ دلائی اور اُس میں اس درجہ صحیح واقفیت پیدا ہوگئی کہ ایک اچھے انجینیر کی طرح بڑی بڑی عمارتوں کے نقشوں کو تنقید سے ملاحظہ فرماتیں۔ اُن کے حسن و قبح کو محسوس کرکے غلطیوں کی اصلاح کرتیں اور بعض اوقات عمارتوں کے خاکے تک بناتیں۔

فنِ تعمیر میں خوش مذاقی نہایت نازک اور مشکل چیز ہے اور واقفیت و کمال کے ساتھ مذاقِ صحیح کا پیدا کرنا بغیر مناسبتِ طبعی کے ممکن نہیں۔

سرکارِ عالیہ کو تعمیرات میں جو صحیح اور اعلےٰ مذاق حاصل تھا اس کا اندازہ اُن رفیع الشان اور دل فریب عمارتوں کی بیرونی و اندرونی تقسیم سے کیا جاسکتا ہے جو اُن کے دَورِ حکومت کی یادگار ہیں زمانۂ ولی عہدی میں ایوانِ صدر منزل اور باغِ حیات افزا کی تعمیر ان کی خوش مذاقی اور واقفیتِ فن کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہے۔

صدر نشین ہونے کے بعد متعدد عمارتیں جدید بنوائیں جن میں احمد آباد تو ایک مستقل آبادی کی تعمیر ہے جو نواب احتشام الملک بہادر (جنت آرام گاہ) کے نامِ نامی سے موسوم ہے۔ اور جہاں کی اکثر عمارتیں اپنے دلچسپ اور نظر افروز منظر اور موقع کے لحاظ سے بے نظیر ہیں۔ شام کے اُس سُہانے وقت میں جب آفتاب اپنی آخری کرنوں کے ساتھ اظہارِ ادب کرتا ہوا گوشۂ مغرب میں جاتا ہے یہ عمارتیں ایک نہایت دلکش نظارہ پیدا کرتی ہیں۔

شاہ جہاں آباد اور احمد آباد کے مابین جوڈیشل کورٹ ریونیو کورٹ، کتب خانہ حمیدیہ، دفتر

انجنیری اور متعدد بنگلوں نے ایک خاص رونق پیدا کردی۔

اسی سلسلہ میں سڑک کے کنارے تاج المساجد[۱] کے احاطہ میں دارالشفقت (یتیم خانہ) اور مدرسہ حفاظ کی بھی آمنے سامنے سنگین وخوشنما عمارتیں ہیں۔

شہر کے مشرقی حصّہ میں (جو شہر اور جہانگیر آباد کے درمیان ہے) اسٹیشن کی سڑک پر ایڈورڈ میوزیم کی عمارت سنگِ سُرخ سے بنائی گئی ہے۔ یہ عمارت بھی بھوپال کی قابلِ دید عمارتوں میں سے ہے اور اپنی متعدد خوبیوں کے لحاظ سے نہایت شاندار ہے اس کے متعلق ایک وسیع احاطہ اور ایک پارک بھی بنادیا گیا ہے۔ جہاں شام کے وقت نہایت دل فریبی ہوتی ہے۔

---

[۱] سرکار خلد مکاں نے آخر عہد میں تاج المساجد کی تعمیر بڑے شوق اور بڑی ہمت سے شروع کرائی تھی اور اس کی تعمیر میں یہ امر مدنظر تھا کہ وہ کم از کم ہندوستان کی تمام مساجد سے وسیع اور زیادہ خوبصورت ہو۔ اس کے لئے یورپ میں نہایت دبیز بلّور کے مُصلّے بھی خاص طور پر بنوائے گئے تھے۔ مسجد کے شمالی وجنوبی سمتوں میں زنانہ حصّے بھی رکھے گئے ـــ لیکن وہ اپنی زندگی میں اس کو مکمل نہ کرا سکیں اور سرکار عالیہ نے بھی اس کی تکمیل کی طرف توجہ نہ فرمائی۔

اس ناتمام مسجد کو دیکھ کر عموماً ہر شخص کو اس بات پر حیرت ہوجاتی ہے کہ کیوں سرکار عالیہ نے اپنی والدۂ ماجدہ کی اِس یادگار یا خانۂ خدا کو مکمل نہ کیا۔

سرکار عالیہ نے اس وجہ کو جہاں تک ہمارا خیال ہے تقریراً و تحریراً کہیں ظاہر نہیں کیا لیکن جن اشخاص نے کہ حضور ممدوحہ کی طبیعت و عادت کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ " اخراجات بلحاظ ضرورت" حضور ممدوحہ کا اصول رہا ہے اوّل تو مسجد کا موقع ایسا ہے کہ جس کے آس پاس نہ کوئی آبادی ہے اور نہ آبادی کا امکان ہے اور کچھ دُور جہاں آبادی ہے وہاں متعدد مساجد پہلے سے موجود ہیں۔ اب اگر اس کی تکمیل میں لاکھوں روپیہ صَرف کر دیا جاتا تو بجز اس کے کچھ مدعا نہ ہوتا کہ بہت سی ضروری عمارتیں اور بہت سے ضروری کام ملتوی کرنے پڑتے اور ایک شاندار عمارت تیار ہوجاتی مگر محل وقوع اور بھوپال میں مساجد کی تعداد کو دیکھتے ہوئے جس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ یا یہ کہ حکماً دوسری مساجد کو ویران کرکے اس مسجد کو آباد کیا جاتا جو پھر بھی آباد نہ ہوتی۔ اگر جمعہ کی نماز کے لئے مسجد جامع قرار دیدی جاتی تو بھی ممکن نہ تھا کہ دور و دراز فاصلہ سے جمعہ کے لئے مسلمان یہاں آتے اور اگر یہاں آتے تو شہر کی جامع مسجد ویران ہوجاتی جس کو وسطِ شہر اور وسطِ بازار میں نواب قدسیہ بیگم نے

پریڈ گراؤنڈ پر پہاڑی کے نیچے ملیٹری کلب ہے جو نظروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

قلعہ کہنہ کے نیچے تالاب کے کنارے عہدہ داروں کے لئے آرام دہ بنگلے تعمیر ہوئے ہیں جو خوش منظری اور موقع کے لحاظ سے بہت دل آویز مقام ہے۔

جہانگیر آباد کے اُس حصہ پر جہاں گیسٹ ہاؤس اور لال کوٹھی ہے "منٹو ہال" کی او قلعہ فتحگڈھ کے پاس پرنس آف ویلز ہسپتال کی شاندار عمارات اور جا بجا متعدد بنگلے اپنے بانی کی خوش مذاقی کی جلوہ گاہ ہیں۔

مفصلات میں بھی ضروری عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ جاری کرایا اور بعض پُرانی عمارتوں کو دُرست اور ترمیم کرایا گیا۔ اسلام نگر جو بھوپال کا قدیم دارالحکومت ہے عرصہ سے اس کی عمارتیں خراب حالت میں تھیں اُن کی درستی کرائی اور جدید باغات نصب کئے اور اس کے مناظر کو دلچسپ بنادیا۔

ہندوستان بھر میں بھوپال کا تالاب اپنی وسعت اور منظر کے لحاظ سے بہت مشہور اور ضرب المثل ہے اور پھر برسات کے موسم میں تو بھوپال کا چپّہ چپّہ ایک عجیب دل کش منظر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ موسم بھی خاص طور پر خوشگوار رہتا ہے اس بناء پر اس موسم میں اس منظر سے لطف اُٹھانے کے لئے ۱۹۱۶ء میں ایک یاٹ کلب کی بُنیاد ڈالی گئی ریگاٹا (کشتیوں کی دَوڑ) کا سلسلہ قائم کیا گیا اور تالاب کے اندر اس کی خوشنما عمارت بنائی گئی۔

انتظام ڈاک حدودِ ریاست میں عرصہ سے ریاست کے ڈاک خانہ تھے اور سرکار خلد مکاں کے عہد سے ان ڈاکخانوں کا باقاعدہ انتظام تھا اور بعض مقامات پر انگریزی ڈاکخانے بھی قائم تھے لیکن باوجود گراں بار مصارف ریاست کے ڈاک خانے میں برطانوی ہند کے ڈاک خانوں کی طرح سہولت نہ تھی اور نہ اس کا امکان تھا اس لئے سرکار عالیہ نے گورنمنٹ ہند سے تحریک کرکے ریاست کے ڈاکخانے برطانوی ہند کے صیغہ ڈاک خانجات میں ضم کرادیئے، سروس ٹکٹ اور اختیار سماعت جرائم وغیرہ کے متعلق ایک معاہدہ ہو گیا۔

۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء میں تعمیر کرایا ہے اور جو ہر وقت آباد رہتی ہے تعمیر مساجد کا مسئلہ دراصل نہایت نازک ہے۔ بظاہر تو ایک مسجد کا بنانا بڑے ثواب کا کام ہے لیکن اگر موقع اور ضرورت کا لحاظ نہ ہو تو یقیناً اس سے مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

تعلیماتِ عامّہ جس وقت عنانِ حکومت سرکارعالیہ کے دستِ مُبارک میں تفویض ہوئی اُس وقت تعلیم جدید کے لحاظ سے بھوپال بالکل مُعرّا تھا اور تعلیم قدیم کا نظام فرسودہ اور از کار رفتہ تھا۔ اس حالت کے متعلق سرکارعالیہ تحریر فرماتی ہیں کہ :-

"اُن انتظامات کے ساتھ صیغہ تعلیم پر بھی میری نظر تھی اور جس طرح کہ ریاست کی مالی مشکلات مجھے پریشان کر رہی تھیں اسی طرح رعایا کی وہ غفلت جو تعلیم سے تھی، پریشان کئے ہوئے تھی۔ اگرچہ میں پہلے سے واقف تھی کہ رعایائے بھوپال کو تعلیم کی طرف مطلق دلچسپی نہیں لیکن جس وقت میں نے دورہ کیا اور مفصلات و شہر کے مدارس کی کیفیت دیکھی تو مجھے سخت مایوسی ہوئی۔ تمام لوگوں کو مفصلات میں کیا شہر میں بھی تعلیم جدید سے وحشت تھی اور جو تعلیم کا شوق رکھتے تھے وہ پُرانے اور از کار رفتہ نصاب کے دلدادہ تھے یا وظیفہ کے لالچ سے قرآن مجید اور قدرے عربی، فارسی پڑھ لیتے تھے اور اگر اس سے آگے بڑھتے تھے تو نصاب مروّجہ ہی کے دائرے میں عمر تمام ہو جاتی تھی۔ مشرقی علوم کی تعلیم بھی غنیمت ہوتی۔ اگر پنجاب یونیورسٹی کی اورینٹل فیکلٹی کا نصاب رائج کر دیا جاتا اور اس میں امتحانات ہوتے۔ یا مدرسہ دیوبند ہی کی تعلیم پیشِ نظر ہوتی۔ حالانکہ سرکار خلد مکاں تعلیمی اخراجات فیاضی کے ساتھ کرتی تھیں اور ان اخراجات کو ضروری جانتی تھیں۔ وظائف کی بہت بڑی تعداد تھی جس سے طلبا کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ شہر و مفصلات میں متعدد مدارس تھے۔ میں نے یہ حالت دیکھکر عزم مصمم کر لیا کہ جس طرح ممکن ہو گا میرے لئے رعایا کی تعلیمی حالت کا درست کرنا سب سے ضروری اور مقدم امر ہے۔ اگرچہ ان سالوں میں کوئی نمایاں اصلاح نہیں ہوئی لیکن آئندہ کے لئے تدابیر سوچنے اور غور و خوض کرنے کے واسطے اسباب دریافت ہو گئے ....

....

میں نے خصوصیت کے ساتھ اس طبقہ پر نظر ڈالی جو جاگیرداران و عمائد کا تھا یا جن کو مناصب سے بیش قرار تنخواہیں دی جاتی تھیں لیکن جس طرح رعایا کو تعلیم جدید سے نفرت تھی اُسی طرح اس طبقہ میں بھی منافرت موجود تھی اور اس نفرت کے ساتھ تعصبات رسم و رواج کی پابندی نمائشی اور فضول اخراجات کی کثرت اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ اُس نے اخلاق و معاشرت پر

نہایت خراب اثر ڈالا تھا۔

بالعموم ریاستوں میں برادرانِ ریاست کو از روئے حقوق آبائی جو گذارہ وغیرہ ملتا ہے اُس میں رفتہ رفتہ جیسی جیسی قرابت دُور ہوتی جاتی ہے کمی واقع ہوتی جاتی ہے اور خاندان کے بڑھنے سے اس گذارہ یا معاش کی تقسیم ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ جس کے مورثِ اعلیٰ کی ایک لاکھ کی آمدنی تھی اب اس کی پانچ روپے ماہانہ آمدنی ہے اور کم ہمت لوگ اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ بعض بعض کی حالت تو اس سے بھی بدتر ہو جاتی ہے اور بھیک مانگنے پر نوبت پہنچتی ہے اور وہ اپنے اُن بزرگوں کے نام کو جو ایک مرتبہ والیان ملک اور جاگیرداروں کے لقب سے ملقّب تھے اپنا ذریعۂ معاش بناتے ہیں۔ فی الحقیقت یہ شرمناک باتیں ہیں مگر عبرت نہیں ہوتی بلکہ مساعات ہوگئی ہے اور کوئی اس پر نظر نہیں کرتا۔"

سرکار عالیہ نے آغاز عہد حکومت میں ہی نہایت استقلال و فیّاضی کے ساتھ توسیع و اشاعت تعلیم پر اپنی توجہ مبذول کی۔ اور کامیابی کے لئے اپنے ذاتی اثر اور حاکمانہ رعب تک کو استعمال فرمایا۔ بلدۂ خاص میں متعدد مدارس جاری کئے گئے۔ مفصلات میں کم و بیش ہر پانچ سو کی آبادی میں مدارس جاری ہوئے اور ایسے مقامات میں جو قصبہ کی حیثیت رکھتے ہیں مڈل اسکول قائم کئے گئے غرض ہر ۳۵ مربع میل میں کہیں دو اور کہیں ایک مدرسہ کا اوسط ہو گیا۔

۱۹۱۹ء میں جبریہ ابتدائی تعلیم کا قانون نافذ کیا گیا اور یہ تجویز کی گئی کہ اس اسکیم کا نفاذ پہلے بلدۂ بھوپال میں کیا جائے اور جب یہاں کامیابی ہو تو ملک محروسہ میں وسعت دی جائے۔

بلدۂ خاص میں اس اسکیم کے اجرا کا یہ اثر ہوا کہ ایک کے مقابلے میں ساٹھ اور ستّر کے درمیان طلباء کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔

ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں یہ امر بھی ملحوظ رکھا گیا کہ صنعتی و حرفتی دلچسپی بھی پیدا کی جائے اور اس مقصد کے لئے صنعت و حرفت کے مدرسے قائم کئے گئے جن میں ابتدائی تعلیم کے ساتھ آہنگری، نجّاری، خیاطی، بید بافی گوٹہ اور رنگ سازی کا کام بھی سکھایا جاتا ہے۔

اگرچہ ملک کی عام زبان اُردو ہے تاہم ہندی تعلیم کے لئے بھی انتظام کیا گیا اور اُستادوں کی تربیت کے لئے ایک ٹریننگ اسکول کا اجرا ہوا۔

مفصلات میں مدارس کے لئے چند جدید عمارتیں تعمیر کرائی گئیں اور بعض قدیم عمارتوں میں ترمیم کرا کے مدرسہ کے لئے موزوں بنادی گئیں۔

جو پرائیویٹ مدارس جاری کیے گئے ان کو سرکاری امداد دی گئی اور قواعد سررشتہ تعلیم کے مطابق اُن کی نگرانی کا انتظام ہوا۔

وظائف و امدادِ تعلیم

باوجودیکہ ابتدا سے ملک میں طلباء سے .... برائے نام بھی فیس نہیں لی جاتی تھی اور تعلیمی فیاضی عام تھی بایں ہمہ سرکارِ عالیہ نے ابتدائی تعلیم کی سہولت و آسانی کے لئے غربا اور غیر مستطیع رعایا کو بکثرت وظائف عطا فرمائے۔

اشاعتِ تعلیم میں سرکار عالیہ کے شغف و کوشش اور فیّاضی کا اس امر سے اندازہ ہوگا کہ ایک موقع پر جبکہ مدرسۂ سلیمانیہ کی تمام جماعتوں کے طلباء کو انھوں نے بُلایا جن کی تعداد کثیر تھی تو اُن کو دیکھکر بہت مسرور ہوئیں اور ہر طالب علم سے فرداً فرداً تعلیم کے متعلق سوالات کئے مگر جب یہ بات معلوم ہوئی کہ ان میں سے اکثر لڑکے محض ناداری کی وجہ سے انگریزی کلاسوں میں داخل نہیں ہو سکتے تو فی طالب علم پانچ روپے اور تین روپے ماہوار کے حساب سے فوراً وظیفے مقرّر فرما دیئے۔

ایک ہزار روپیہ سالانہ غریب طلباء کے لئے صرف کتابوں کی فراہمی کے لئے منظور کیا۔ اس کے علاوہ دیگر مختلف طریقوں سے امدادیں مرحمت فرمائیں۔

ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے علیحدہ بجٹ مقرر کیا گیا۔ بیرونِ بھوپال اور بیرونِ ہند کی اعلیٰ اور فنّی تعلیم کے لئے کثیر وظائف عطا کئے اور یہ فیّاضی نہ صرف خزانۂ عامرۂ ریاست سے کی بلکہ ہر قسم کی تعلیمی فیّاضیوں میں ڈیوڑھی خاص اور جیب خاص کا حصّہ بھی بہت کافی رہا۔

جاگیرداران و اخوانِ ریاست کو تعلیم پر مائل کرنے میں خاص کوششیں اور تدبیریں کیں ان کو ہر موقع پر تعلیم کی نصیحتیں کیں۔ عطیات و انعامات اور عطائے اخراجات کے ذریعے اُن کی تالیف قلوب کی اور ایسے ذرائع بھی اختیار کئے جن سے ایک حد تک وہ حصولِ تعلیم کے لئے مجبور بھی ہو گئے۔ مستطیع اور منصب داروں کے بچوں کی غیر حاضری پر جرمانہ عائد کیا اور زرِ جرمانہ کو غریبوں کے وظائف میں خرچ کئے جانے کا حکم دیا۔

مذہبی تعلیم مذہبی تعلیم کے لئے بھی ایک جداگانہ مدرسہ ہے۔ یہ طلباء بھی وظائف سے بہرہ ور ہوتے ہیں اس مدرسہ میں دستار بندی کا باقاعدہ جلسہ منعقد ہوکر فارغ التحصیل طالب علموں کو دستارِ فضیلت اور سند دی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی تعلیم کا خاص خیال تھا اور ہمیشہ یہ امر مدِّ نظر رہا کہ ترتیل وصحت کے ساتھ پڑھایا جائے اس لئے مدرسہ حفاظ قائم فرمایا جس میں صحت وترتیل کے ساتھ تجوید وقرأت بھی سکھائی جاتی ہے۔

طبّی تعلیم سرکار عالیہ طبِّ یونانی کی بہت بڑی مربّی اور حامی تھیں۔ تمام ریاست میں یونانی شفاخانے جاری ہیں لیکن اُن کی اصلاح پسند طبیعت اس شاخ میں بھی ترقی کی جانب مائل ہوئی اور ایک مدرسہ طبّیہ صاحبزادی آصف جہاں بیگم صاحبہ مرحومہ کے نام نامی سے موسوم کرکے جاری فرمایا جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سرجری کی تعلیم کے ساتھ علمِ نباتات پر بھی باقاعدہ لیکچر دیئے جاتے ہیں اور اُس نمایاں نقص کا ایک حد تک علاج کیا گیا جس نے طبِّ یونانی کو باوجود بہترین علاج ہونے کے جدید فنونِ طبّیہ کے مقابلہ میں کمزور کردیا ہے۔

غرض سرکار عالیہ کی مختلف تدابیر اور شغفِ اشاعتِ تعلیم کی بدولت نہ صرف ابتدائی تعلیم بلکہ اعلیٰ تعلیم کا شوق واحساس پیدا ہوگیا اور مدارس بھوپال میں ہر طبقہ کے طلباء نظر آنے لگے ۱۹۰۱ء میں جہاں ایک گریجویٹ یا شعبۂ تعلیمِ مشرقی کا ایک بھی سند یافتہ نہ تھا وہاں اب تناسبِ آبادی کے لحاظ سے بہت زیادہ تعداد مشرقی اور مغربی تعلیم یافتہ اشخاص کی محض اِسی توجہ خاص اور فیّاضی عام کی وجہ سے موجود پائی جاتی ہے جن میں متعدد اشخاص یورپ کے تعلیم یافتہ بھی ہیں اور ایک نسل جدید تعلیم حاصل کرکے مُلک کے مستقبل میں حصّہ لینے کے قابل ہوگئی ہے۔

کتب خانۂ حمیدیہ ابتداءً سرکار خلد نشیں کے زمانہ میں ایک مدرسہ کی شاخ کے طور پر چھوٹی سی لائبریری قائم ہوئی تھی اور پھر اس میں نادر ونایاب کتابیں جمع ہوتی رہیں لیکن سرکار خلد مکاں کے آخری زمانہ میں کتابوں کی بڑی تعداد مختلف طریقوں سے تباہ ہوگئی۔

۱۹۱۲ء میں سرکار عالیہ نے اس کو از سر نو مرتب فرما کر ایک مستقل عملہ اور بجٹ معین فرمایا ہر سال مفید اور کار آمد کتابوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کے لئے ایک نہایت شاندار اور وسیع عمارت جداگانہ تیار ہوگئی ہے۔

میوزیم

۱۹۰۹ء میں اُس عمارت میں جو پہلے اسکول کے لئے تعمیر ہوئی تھی ایک میوزیم[۱] قائم کیا گیا۔ یہ سنگ سرخ کی ایک خوبصورت عمارت ہے۔ جو لیڈی لینسڈون ہسپتال کے قریب سڑک پر واقع ہے اِس عمارت میں علاوہ اور اشیائے نادرہ شجاعان ریاست کے استعمالی اسلحہ بھی رکھے گئے ہیں۔ اس کا باغ بھی پُر بہار ہے اور ہفتہ میں دو دن تفریح عامہ کے لئے بینڈ بجتا رہتا ہے۔

آثار قدیمہ کی حفاظت

حدود مملکت بھوپال میں سانچی آثار قدیمہ و عجائبات عالم میں سے ہے جہاں بُدھ مذہب کے زمانۂ عروج و انحطاط کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک قدیم خانقاہ ہے جس کی تاریخ ۲۵۰ ق م سے شروع ہوتی ہے، مختلف زمانوں کے صنعت تعمیر کے نمونے بھی نظر آتے ہیں اور ہندوستانی صنعت تعمیر پر جو بیرونی اثرات پڑے وہ بھی نمایاں ہیں۔ یہ قدیم صنعت تعمیر کا بیش بہا نمونہ ایک عرصہ سے ابتر حالت میں تھا سرکار عالیہ نے اس کی درستی و تعمیر کے نہایت گراں قدر اخراجات منظور فرمائے اور اس کو اُس کی قدیم شان کے ساتھ ایک بہترین حالت میں کر دیا۔ ساتھ ہی سیّاحان عالم کے لئے جو اس خانقاہ کی زیارت و معائنہ کے لئے آتے ہیں آسائش کا معقول انتظام کیا گیا۔

قدیم ڈاک بنگلہ کے علاوہ ایک اور بنگلہ بھی تعمیر ہوا۔ خانقاہ تک سڑک اور سیڑھیاں درست کرائی گئیں، اس کے محاذ میں تالاب اور سبزہ زار بنایا گیا۔ اسٹیشن سے دامن کوہ تک گراو ملیا کے دو رویہ درخت نصب کئے گئے۔

---

[۱] چونکہ اس میوزیم سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوا جس کو اس کے قیام میں ملحوظ رکھا گیا تھا اِس لئے اس کا سامان مختلف اسکولوں میں منتقل کر دیا گیا۔

سرکار عالیہ نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ بائیس ہزار سے کچھ زیادہ رقم اس کی تاریخ لکھنے کے لئے منظور فرمائی جو نہایت خوشنما بلاکوں کے ساتھ اردو انگریزی میں شایع ہوئی ہے۔ اور اس کے علاوہ متعدد مقامات میں دیگر آثار قدیمہ کی حفاظت کا کام بھی شروع کیا گیا۔

تعلیمِ نسواں کی ترقی اور زنانہ ادارات کا اجرا[۱]

لڑکوں کے انتظامِ تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ سرکار عالیہ نے لڑکیوں کی تعلیم پر بھی توجہ کی اور متعدد مدارس جاری کئے لیکن صرف مدارس کا اجرا کافی نہ تھا بلکہ اور بہت سی ضرورتیں اور اصلاحات بھی مدنظر تھیں اس لئے زنانہ تعلیم اور عورتوں میں ترقیِ تہذیب وتمدن کی اشاعت کی غرض سے ایک نظامِ خاص کے ساتھ توجہ فرمائی۔

ابتدائً باقاعدہ تعلیم کے رواج اور اس کی اشاعت میں چند در چند مشکلات بھی پیش آئیں یہاں نہ تو تعلیم سے نفرت تھی اور نہ زنانہ تعلیم کوئی اجنبی چیز تھی کیوں کہ سرکار خلد نشیں اور سرکار خلد مکاں کے زمانہ میں تعلیم کا چرچا پھیل چکا تھا، دو مدرسے وکٹوریہ اور بلقیسیہ کے نام سے جاری تھے لیکن حالت یہ تھی کہ گھروں کی تعلیم صرف قرآنِ مجید کے ناظرہ پڑھانے یا کہیں کہیں معمولی اردو پڑھانے تک محدود تھی بعض خاندانوں میں فارسی کا شوق ضرور تھا اور چند فارسی داں خواتین بھی موجود تھیں۔ سرکاری مدرسوں میں کوئی ترقی یافتہ نظامِ تعلیم نہ تھا دستکاری پر بے شک زیادہ توجہ تھی۔ مگر وہ اس قسم کی تھی جو خاص خاص اشخاص کے پسند طبع ہوتی ہے لیکن عام گھروں اور بازاروں میں اس کی کوئی پرسش نہیں۔

سرکار عالیہ کو جدید مدارس کا اجرا اور ان دو قدیم مدرسوں کی اصلاح مدنظر تھی۔ چنانچہ

---

[۱] تسلسل قائم رکھنے کی غرض سے اس باب میں سرکار عالیہ کی دست برداریِ حکومت کے بعد کے ادارات کے قیام و ترقی کا بھی تذکرہ ہے جو حضورِ ممدوحہ کی توجہات کا اثر و نتیجہ ہے۔

مسند نشینی کے تیسرے ہی سال سلطانیہ اسکول جاری فرمایا۔ مدرسۂ وکٹوریہ اور مدرسۂ بلقیسی میں بہت سی اصلاحات کیں اور وقتاً فوقتاً دوسرے مدارس جاری کئے۔

مدرسہ وکٹوریہ میں قرآن مجید، انگریزی (مڈل تک) اُردو، حساب، خانہ داری کے ساتھ دستکاری کی تعلیم جاری کی گئی۔ یہ مدرسہ عموماً غریب لڑکیوں کی تعلیم کا ہے جن کے کم وبیش پورے مصارف مختلف شکلوں میں ریاست کی فیّاضی سے منظور ہوئے۔

مدرسۂ بلقیسی میں اُردو حساب کی تعلیم کے ساتھ عملی طور پر چیزوں کی ترتیب اور صفائی ترکاری، پھول اور پھل دار درختوں کے بیج بونے، پودوں کی نگرانی وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔ علاوہ دوسرے طریقہائے امداد کے تمام لڑکیوں کے وظیفے مقرر ہوئے۔

مدرسۂ سلطانیہ یہ مدرسہ انٹرنس تک اور الہ آباد کے سررشتہ تعلیم سے ملحق کیا گیا منظور شدہ نصاب کے علاوہ قرآن مجید باترجمہ کی تعلیم قرأت کے التزام کے ساتھ اور دستکاری کی تعلیم لازمی رکھی گئی۔ ایمبولنس اور فرسٹ ایڈ یعنی زخمیوں کی تیمار داری اور فوری امداد کی تعلیم کا بھی ایک درجہ کھولا گیا، کامیابی کا اوسط بھی اچھا رہا۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں اس کی چند تعلیم یافتہ لڑکیاں اُستانی کی حیثیت سے کام کرنے لگیں۔ ٹریننگ کی ایک شاخ بھی کھولی گئی تاکہ معمولی نوشت وخواند جاننے والی عورتوں کو بھی مکتبوں اور مدرسوں میں تعلیم دینے کے قابل بنایا جائے اور اس طرح مکتبی تعلیم کے لئے معقول تعداد میں اسٹاف مہیا ہوجائے اور اشاعتِ تعلیم میں آسانی ہو اور جو مشکلیں معلمات کی کمیابی سے ہیں وہ رفع ہوں۔ اس درجہ میں داخل ہونے والی عورتوں کے لئے خاص وظائف بھی مقرر فرمائے گئے دو سال کا نصاب ضروری مضامین کی تعلیم کا اور ایک سال کا معلمی کی اصولی اور عملی تعلیم کا رکھا گیا۔ اِس سلسلہ میں سرکارِ عالیہ کی ایک تقریر کا اقتباس بھی درج کیا جاتا ہے جو اِسی مدرسہ میں فرمائی تھی۔ یہ اقتباس ہر جگہ خواتین کے لئے قابلِ غور ہے۔

> "مجھے پہلے اس مدرسہ کے قائم کرتے وقت بہی دِقتیں محسوس ہو رہی تھیں اور ابھی تک میری حسبِ مرضی تعلیم کی عام اشاعت نہ ہونے میں بھی مشکلات درپیش ہیں اگر اُستانیوں کی تعلیم کا انتظام ہوتا اور عمدہ نصاب تیار کر لیا جاتا تو بڑی حد تک یہ مشکلیں رفع ہوجاتیں تاہم بھوپال

میں مدارس شہر کے لئے مسز بخش نے خود اسی مدرسہ کی لڑکیوں کو ٹرینڈ کیا اور ایک حد تک اس میں دقت نہیں ہوئی۔

خواتین! تمام پیشوں میں جو عورتیں اور مرد کرتے ہیں معلّمی کا پیشہ سب سے زیادہ شریف اور اعلیٰ ہے کیوں کہ اس میں انسانوں کو بہت سے انسانوں کی سیرت اور عادات و اخلاق اور آئندہ زندگی درست کرنے کا موقع ملتا ہے لیکن افسوس ہے کہ اُستانی کا لفظ ہی حقیر سمجھ لیا گیا ہے اور شریف و ذی رتبہ خواتین اس پیشہ کو اپنے مرتبہ اور شرافت کی توہین سمجھتی ہیں حالانکہ اگر وہ خواتین جو زندگی کی ضروریات سے مُستغنی ہیں اور اُن کو وقت اور فرصت حاصل ہے اس پیشہ اور کام کو اختیار کریں تو وہ بھی اپنی بہنوں اور اپنی صنف کی بہت بڑی خدمت انجام دے سکتی ہیں اور وہ عورتیں جو اپنی مدد آپ کرنے کے لئے مجبور ہیں اس پیشہ کو اختیار کر کے ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہو سکتی ہیں۔

خواتین! میں سمجھتی ہوں کہ جو نصابِ تعلیم عام طور سے زنانہ مدارس میں جاری ہے وہ ہماری قومی و ملکی ضروریات کے لئے ناکافی ہے اور ہم کو ایک ایسا نصاب درکار ہے جو تمام ضرورتوں پر حاوی ہو لیکن یہ کام مُلک کے قابل ترین اصحاب کا ہے اور افسوس ہے کہ باوجود ضرورت سمجھنے کے مسلمانوں نے اس پر مطلق توجہ نہیں کی۔ اب البتہ دس سال کی کوشش کے بعد چند کتابیں تیار ہوئی ہیں جو کچھ غنیمت معلوم ہوتی ہیں مگر جب تک سلسلہ مکمل نہ ہو جائے ضرورت پوری نہیں ہو سکتی تاہم جو کچھ تیار ہو گیا ہے اُس سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔"

یہی خیالات سرکار عالیہ نے مختلف مواقع کی متعدد تقریروں میں ظاہر فرمائے ہیں اور ہنوز یہی دقتیں مسلمان عورتوں کی تعلیم میں ہر جگہ رونما ہیں۔

اس مدرسہ میں ایک بورڈنگ ہاؤس بھی قائم کیا گیا اور اُس کے تقریباً کل مصارف صیغۂ تعلیم کے ذمّہ رکھے گئے۔

معزز وزیٹرس کا معائنہ

اس مدرسہ کو جب ۱۹۱۱ء میں لیڈی اُڈوائر نے معائنہ کیا تو تحریر کیا کہ:۔

"اُس مدرسہ میں ہر ہائی نس کی گہری دلچسپی اُمرائے ریاست کے آئندہ نونہالوں کے لئے تعلیم یافتہ اور تمیز دار بیویاں مہیا کرنے میں بہت مفید ہوگی اور اس اسکول کے افتتاح میں

ہز ہائی نس کی مآل اندیشی اس لحاظ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہے کہ ریاست ہائے ہندوستان میں اس مدرسہ کی کوئی نظیر ملنی مشکل ہے۔"

۱۹۱۸ء میں ہز اکسلینسی لیڈی چیمسفورڈ نے معائنہ فرمایا تھا اس موقع پر اسکول کی عمارت (جو ایک نہایت عالی شان محل ہے) بڑی خوبصورتی سے آراستہ کی گئی تھی۔ اس کے صحن اور وسیع دالانوں کو پھول پتّیوں، جھنڈیوں اور پھریریوں سے زنانہ مذاق کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ وسط میں ایک بلند پلیٹ فارم پر سرکار عالیہ اور ہز اکسلینسی کی زرنگار کرسیاں تھیں۔ اس کے دونوں طرف درجہ بدرجہ بیگمات اور معزز لیڈیز کے لئے صوفوں اور کوچوں کی نشست تھی اور ان کے عقب میں تمام طالبات مدرسہ ایک ہی لباس میں بیٹھی تھیں۔ پلیٹ فارم کے قریب دو میزیں انعام کی قیمتی اشیاء سے آراستہ تھیں۔ مسز بخش لیڈی سپرنٹنڈنٹ نے ایک مختصر ایڈریس ہز اکسلینسی کے سامنے پڑھا اور اس امر کا اعلان کیا کہ "ہز امپیریل مجسٹی کنگ اور ہر امپیریل مجسٹی کوئن کی تقریب شادی کی نقرئی جوبلی پر لڑکیوں نے مانشلہ کا تحفہ پیش کیا ہے۔"

پھر اردو، انگریزی کی نظمیں سنائی گئیں۔ ریسیٹیشن کیا گیا اور اس دلچسپ نظارہ کے بعد ہر اکسلینسی نے انعام تقسیم کیا۔ سب سے پہلے ایک جاگیردار کی لڑکی پیش ہوئی جو مڈل کے امتحان میں عمدہ نمبروں سے کامیاب ہوئی تھی۔ اس کو ایک سند اور مرصع پہنچیاں عطا کی گئیں دوسری لڑکی کو جو اسی سال سکنڈ گریڈ مڈل میں کامیاب ہوئی تھی طلائی پہنچیاں مرحمت کی گئیں اور پھر درجہ بدرجہ دوسری لڑکیوں کو انعام تقسیم ہوا۔

تقسیم انعام کے بعد ہر اکسلینسی نے ایک مختصر تقریر کی جس میں لڑکیوں کے ان کاموں پر جو انھوں نے پروگرام کے مطابق انجام دیئے تھے خوشنودی کا اظہار کر کے اُن کے تحفے کو خوشی کے ساتھ قبول کیا اور یہ پُرلطف وزٹ "گاڈ سیو دی کنگ" کے پرجوش گیت پر ختم ہوئی۔

اسی طرح سرکار عالیہ کی تقریباً تمام مہمان خواتین نے معائنہ کیا ہے اور اپنی قیمتی رائیں تحریر کی ہیں۔

برجیسیہ کنیا پاٹ شالا ہنود کی لڑکیوں کا خاص مدرسہ ہے، جس میں ہندی، انگریزی

اور حساب کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس مدرسہ کو سرکار عالیہ نے جن وجوہ سے مختص القوم بنایا ہے وہ اُن ہی کے الفاظ میں حسبِ ذیل ہیں جن سے مذہبی رواداری کے جذباتِ صحیحہ کا اندازہ ہوگا۔

"ہندو لڑکیوں کے لئے جداگانہ مدرسہ قائم کرنے کی مجھے ایک عرصہ سے فکر تھی کیونکہ میں اپنی رعایا کو بلا امتیاز مذہب عزیز رکھتی ہوں اور فی الواقع کسی فرمانروا کو زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنی رعایا کے مابین مذہبی رواداری یا امتیاز کو جہاں تک ترقی و اصلاح اور انصاف دامن کا واسطہ ہے جائز رکھے بلکہ ہر صورت میں مساوات قائم رکھنا چاہیئے۔ اس لئے جس طرح مسلمان لڑکیوں کی تعلیم میں مجھے شغف ہے اُسی طرح ہندو لڑکیوں کی تعلیم بھی میرا نصب العین ہے اور اگر میں خاص مذہبی ضرورتوں سے مجبور نہ ہوتی تو کبھی جداگانہ مدرسے قائم نہ کرتی۔ اگرچہ تعلیم دونوں کے لئے ایک ہی پیمانہ اور طریقہ پر ہے مگر چونکہ ابتدائی درجوں میں مذہبی تعلیم کا حصہ زیادہ ہے پس لامحالہ دونوں کو ملا کر تعلیم نہیں دی جاسکتی لہذا میں نے اس سال بر جیس جہاں بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ کے عزیز نام سے موسوم کر کے ہندو لڑکیوں کے لئے ایک پاٹ شالا قائم کیا۔"

اور پھر ہندوؤں کے قومی مدرسہ جین شوتامبر پاٹ شالا کی غریب لڑکیوں اور لڑکوں کے لئے (۳۰۰) سالانہ صرف وظائف کے لئے مقرر کئے اور ہندو عورتوں کے جلسہ میں اپنے خیالات اس طرح ظاہر فرمائے :۔

"میں اس موقع پر ایک بات کہنا چاہتی ہوں جو شاید آپ کو بھی معلوم ہو کہ اس وقت ہندوستان میں جہاں کہیں ہندو لڑکیوں کے پاٹ شالے مدرسے اور یتیم خانے اچھی طرح چل رہے ہیں اُن کے حالات جہاں تک میں نے دیکھے ہیں یہی معلوم ہوا ہے کہ عورتوں کی ہمت، لیاقت اور کوشش نے ان کو قائم کیا اور ترقی دی ہے۔ اکثر عورتوں نے تو اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں۔ یہ آپ کی بہنوں کی زندہ مثالیں ہیں اور مجھے امید ہے کہ بھوپال کی ہندو عورتیں بھی نیکی کے ان کاموں میں ایسی ہی ہمت اور کوشش کریں گی ....

.... میں ایسی پرائیوٹ اور قومی پاٹ شالاؤں

وغیرہ کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتی ہوں کیونکہ یہ اپنی قوم کی ہمدردی کا ایک ثبوت ہوتا ہے اور اس سے دوسروں کے حوصلے بڑھتے ہیں۔"

مدرسہ اسلامیہ حمیدیہ[۱] سرکار عالیہ کو جہاں اپنی قوم اور صنف کی دُنیوی ترقی مدنظر تھی۔ وہاں فلاح اُخروی کا خیال بھی ایک لمحہ کو جُدا نہیں تھا اور چونکہ خود اعمال مذہب کی بے انتہا پابند تھیں اس لئے ہمیشہ عورتوں کی اس پابندی کی کمی کو افسوس کے ساتھ محسوس کیا اور اُس قدیم مذہبی تربیت کے جوہر مسلمان خاندان کا ایک جوہر تھا ضائع ہوتا دیکھکر زیادہ رنج ہوا۔ اس احساس کی بُنیاد پر بھوپال کے تمام مدارس میں اتنی مذہبی تعلیم جو ضروری ہوتی ہے لازمی کردی اور زنانہ مدارس میں قرآن مجید ترجمہ کے ساتھ داخل نصاب فرمایا لیکن اس لزوم کا دائرہ وسیع نہیں اور صرف بلدۂ بھوپال تک محدود ہے۔ یہ مسئلہ ہمیشہ حضور ممدوحہ کی توجہ کا جاذب رہا اس لئے حضور ممدوحہ نے بھوپال میں نمونتہً وسیع پیمانہ پر مذہبی تعلیم کے لئے ایک زنانہ مدرسہ کی بناڈالنی ضروری تصوّر فرمائی لیکن سب سے پہلی دِقت جو اِس مدرسہ کے اجرا میں پیش آئی وہ یہ تھی کہ باوجود سعی بلیغ کے چند استانیاں بھی فراہم نہ ہوسکیں جو عورتوں کو مذہبی تعلیم دے سکیں اور نہ ایسی کتابیں دستیاب ہوئیں جو بطور کورس کے پڑھائی جاسکیں تاہم ہمّت عالی کا تقاضا یہی ہوا کہ ایسا مدرسہ قائم ہی کر دیا جائے اور جو کتابیں بھی اس وقت میسّر آئیں اُنہی سے تعلیم کا آغاز ہو چنانچہ ۵ر فروری ۱۹۲۷ء = ۲ر شعبان ۱۳۴۵ھ کو عورتوں کے ایک نہایت عظیم الشان جلسہ میں اس مدرسہ کی افتتاحی رسم ادا کی گئی۔ اس موقع پر حضور ممدوحہ نے ایک مبسوط اور پُرمغز تقریر فرمائی جس کا اہم حصّہ حسب ذیل ہے:۔

خواتین! ہمارا سب کا یہ عقیدہ ہے کہ اس دُنیاوی زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے اور وہ زندگی ایسی زندگی ہوگی کہ جس کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے اس زندگی کی تمام تر خوشی صرف ہمارے اُن اعمال پر ہے جن کو ہم اس دُنیا میں کرتے رہے ہیں اور جن کو ہم مذہبی اعمال

---

[۱] یہ مدرسہ اگرچہ دست برداری حکومت کے بعد جاری ہوا لیکن تسلسل قائم رکھنے کی غرض سے اس کا تذکرہ باب ہٰذا میں مناسب نظر آیا اسی طرح مدرسہ صنعت و حرفت کی ترقی کا بیان ہے۔

کہہ سکتے ہیں مگر میں دیکھتی ہوں کہ ہماری پوری قوم مذہبی اعمال سے روگرداں ہوتی جاتی ہے،
مَردوں پر ایک ایسی حالت طاری ہوگئی ہے کہ جس سے اس بات کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے
کہ اگر چندے وہ قائم رہی تو مذہب بھی رخصت ہوجائے گا۔ اسی حالت کا اثر عورتوں پر بھی پڑ
رہا ہے جس کو میں نے جابجا افسوس و حسرت کے ساتھ دیکھا ہے۔ بھوپال میں اس اثر کو پورے
طور پر محسوس کررہی ہوں۔ اور یہی وجہ تھی کہ اب سے دس سال پہلے آپ کے کلب کے جلسوں
میں میں نے بذاتِ خود مذہبی تقریروں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ میں نے اکثر اس بات کا
خیال کیا ہے اور اس پر غور کیا ہے کہ آج کل نئی تعلیم یافتہ نسل میں مذہب سے بیگانگی کا کیا
سبب ہے میرے غور کا یہی نتیجہ ہے کہ اس کی ذمہ داری ہماری ہی صنف پر ہے کیونکہ جب
ماؤں کی زندگی میں مذہب کا احترام نہ ہوگا اور وہ اعمال مذہب سے بیگانہ ہوں گی تو لامحالہ
اُن کی اولاد پر بھی یہی رنگ چڑھے گا۔ اب سے چوتھائی صدی پہلے عورتوں میں یک گونہ مذہبی
پابندی موجود تھی اگرچہ ان میں ضعیف الاعتقادی بھی تھی تاہم وہ روزے نماز وغیرہ کی پابند تھیں
مگر اب اس میں روز بروز کمی ہورہی ہے اور یہ خطرہ صاف نظر آرہا ہے کہ آئندہ نسل میں برائے
نام بھی مذہب کی حُرمت باقی نہ رہے گی۔

آج ہندوستان میں کہیں اور کسی جگہ بھی عورتوں کی مذہبی تعلیم پر توجہ نہیں کی جاتی اگرچہ
علما، مشائخ اور صوفیا کے بڑے بڑے گھرانے موجود ہیں مگر وہاں بھی بے پروائی نظر آتی ہے
اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ وہ قدیم تربیت بھی مفقود ہورہی ہے جو اعمال مذہب کی پابندی کی
ضامن تھی یہ امر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے اور کسی دلیل کا محتاج نہیں کہ دُنیا کی گاڑی اِن
ہی دو پہیوں سے چلتی ہے جو مَرد اور عورت کے نام سے موسوم ہیں اگر ایک پہیہ بیکار ہوگیا تو
ناممکن ہے کہ یہ گاڑی چل سکے اس لئے وہ تمام قابلیتیں اور صلاحیتیں جو مردوں میں ہونی چاہئیں
عورتوں کے لئے بھی ضروری ہیں۔

اسلام نے مَرد و عورت دونوں کو مساوی طور پر اعمالِ مذہب سے مکلّف کیا ہے اور ہمیشہ
عورتوں نے ہر موقع پر اور ہر حیثیت سے اسلام کی عظیم الشّان خدمتیں انجام دی ہیں انھوں
نے اشاعتِ اسلام میں بھی حصّہ لیا ہے اسلام کی حفاظت میں بھی وہ مَردوں کے

دوش بدوش ہیں۔ سیاسی خدمتیں بھی کی ہیں اور ان کے علمی کارناموں سے تو تاریخ اسلام کے اوراق مزیّن ہیں وہ علاوہ علوم کے تفسیر، حدیث وفقہ میں نہایت کامل گذری ہیں جس کا سلسلہ عہدِ رسالت سے ہی قائم ہوگیا تھا خود کاشانۂ نبوی سے اس کی مثال قائم ہوئی تھی۔

اُمّہات المومنین اور بعض دیگر صحابیات سے بکثرت روایتیں منقول ہیں وہ صاحبِ فتویٰ تھیں اور فتوے دیا کرتی تھیں۔

بہت سی ایسی خواتین گذری ہیں جن کے درس میں علاوہ عورتوں کے بڑے بڑے ممتاز عالم شریک ہوا کرتے تھے اور بعض خاص طور پر بلا کسی معاوضہ اور نفع کے عورتوں کو پڑھایا کرتی تھیں۔

عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے بعد جب کہ اسلام کا دائرہ وسیع ہوا اور اسلامی فتوحات کا سیلاب مشرق ومغرب تک پہنچا تو اسلام کی تمام خوبیاں بھی ان ممالک میں پہنچیں۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے تلوار کے زور سے اکثر ممالک کو مسخر کیا لیکن اسلام نے اپنی تعلیم، اپنے اخلاق ومحاسن سے دلوں پر قبضہ پایا۔ اسلام ہمیشہ تعلیم اور اشاعتِ علوم کا زبردست حامی رہا ہے۔ قرآن مجید کی تمام تر تعلیم "علم" پر مبنی ہے۔

عہد رسالت سے لیکر جب تک مسلمان محاسنِ اسلام سے آراستہ رہے علم کی نشر واشاعت اُن کا اوّلین مقصد رہا۔ آج یورپ جو علمی فضل وکمال کا گوہر آبدار ہے اُس کی یہ آب وتاب اسلام کی ہی رہین منت ہے۔ جس طرح مسلمانوں کے زمانۂ عروج میں .... مَردوں میں علم کی گرم بازاری اور رونق تھی اسی طرح عورتیں بھی زیورِ علم سے مزیّن ہوتی تھیں۔ تمام اسلامی ممالک میں تعلیم عام پائی جاتی اور دونوں صنف اس سے متمتع تھے وہ تمدنی اور معاشرتی ترقیوں میں برابر کی شریک تھیں یہ مسلّمہ امر ہے کہ کسی قوم کا تمدّن ومعاشرت اور کسی قوم کی ترقی اُسی وقت ممکن ہے جب کہ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شریک ہوں کیوں کہ جب ہم قوم کا لفظ کہتے ہیں تو اس کا اطلاق مَردوں ہی پر نہیں ہوتا لیکن جب مسلمانوں کا دَورِ تنزل شروع ہوا اور وہ اپنے محاسن سے عاری ہو چلے تو انھوں نے اسلامی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیا تو مسلمان عورتوں کے مرتبہ اور وقار میں بھی

فرق آنا شروع ہوا اور علم کا دروازہ بھی ان پر بند کیا جانے لگا یہاں تک کہ یہ نصف حصۂ قوم علم سے محروم ہو گیا۔ غیر ممالک کی حالت سے قطع نظر کر کے صرف ہندوستان پر ہی نظر ڈالئے کہ اس گذشتہ صدی میں عورتوں کی جہالت کس حد تک پہنچ گئی تھی میں اور علوم کا تذکرہ نہیں کروں گی صرف علمِ مذہب ہی کو لیجئے اس وسیع خطۂ ہندوستان میں باوجودیکہ ہر جگہ مذہبی علم کا چرچا رہا۔ بڑے بڑے علمی مرکز قائم ہوئے لیکن عورتوں کی مذہبی تعلیم سے غفلت برتی گئی۔ اور میں کہوں گی کہ جان بوجھ کر اور ارادتاً ان کو مذہبی علم سے محروم کیا گیا کہ آج ہم کو وہ عورتیں جو تفسیر و حدیث سے واقف ہوں اس تعداد میں بھی نہیں مل سکتیں جن کا شمار انگلیوں پر ہو سکے۔ اگر اس طبقہ میں مذہبی تعلیم ہی ہوتی تو جو لا مذہبی نظر آ رہی ہے نظر نہ آتی شاید ان ہی کی تربیت سے کچھ تو اولاد پابند مذہب ہوتی اور وہ مذہب کی محافظ بن جاتیں۔ کس قدر افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ ہماری صنف ایسی ضروری تعلیم سے اس قدر بے بہرہ ہو کہ کروروں کی آبادی میں چند افراد بھی نظر نہ آئیں اس لئے یہ مدرسہ اسلامیہ اس بڑے نقصان کو کسی نہ کسی حد تک ضرور پورا کرے گا اور ہم کو امید ہے کہ ہماری خواتین مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مختلف طریقوں سے اس کی اشاعت میں کوشش کریں گی اور زیادہ تر مذہبی معلّمات کے فرائض انجام دیں گی۔

اس میں شک نہیں کہ اس مدرسہ کے ابتدائی انتظامات میں ضرور دقتیں ہوں گی اور ابتداءً ذریعۂ تعلیم صرف اُردو زبان ہو گی۔ لیکن رفتہ رفتہ فارسی اور عربی میں بھی انتظام ہو جائے گا۔"

اس تقریر کے ساتھ مدرسۂ حمیدیہ اسلامیہ کا آغاز ہوا اور ایک سال کے اندر امید سے زیادہ لڑکیاں داخل ہو گئیں لیکن یہ ابتدائی تعلیم کا درجہ تھا۔

سرکار عالیہ نے ثانوی تعلیم کا اجرا بھی ضروری تصور فرمایا کیونکہ ابتدائی درجہ کی طالبات کے لئے کئی کئی برس انتظار کی ضرورت تھی کہ وہ اس مطمح نظر پر پہنچیں اس لئے سرکارِ عالیہ نے اُن چند لڑکیوں کا انتخاب کیا۔ جنھوں نے مڈل پاس کر لیا تھا۔ پھر ثانوی تعلیم کے اجراء کے لئے اعلیٰحضرت اقدس فرمانروائے بھوپال دام اقبالہٗ کی سالگرہ کا مبارک موقع

انتخاب کیا گیا جو ۱۰ ربیع الاوّل ۱۳۴۶ھ = ۸ ستمبر ۱۹۲۷ء کو ایک شاندار جلسہ میں جاری ہوئی۔

ایک شاندار جلسۂ افتتاح[۵۱]

۴ بجے سرکار عالیہ کی صدارت میں جلسہ کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے مدرسہ کی مہتممہ نے تقریر کی جس میں سالانہ رپورٹ اور طالبات کی تعداد وغیرہ کے بعد حضور سرکار عالیہ سے درخواست تھی کہ آج تبرکاً لڑکیوں کا پہلا سبق خود حضور پڑھائیں جس کے جواب میں سرکار عالیہ نے ان طالبات کی نہایت موثر طریقہ سے حوصلہ افزائی کی جنھوں نے مڈل پاس کرنے کے بعد بجائے اس کے کہ انٹرنس کی پڑھائی شروع کرتیں یا تعلیم ختم کر کے گھر کے مشاغل اختیار کرتیں علم دین حاصل کرنے کو سب پر ترجیح دی۔ لیکن سب سے زیادہ موثر حضور ممدوحہ کے یہ حسرت آمیز الفاظ تھے :-

"کاش اِس وقت ہماری قوم میں کوئی محدّث، مفسّر، عالم، فقیہہ خاتون ہوتیں کہ وہ اس مبارک تعلیم کا آغاز کرتیں۔"

اس کے بعد مہمانوں کو کچھ سائنس کے تجربے اور کرشمے دکھائے گئے۔

سرکار عالیہ کا درسِ مذہبی

پھر سرکار عالیہ نے سب لڑکیوں سے قرآن مجید سُنا اور سبیل الجنان[۵۲] کا پہلا سبق دے کر اُنھیں اپنے علم پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی۔ اس سبق میں نواب گوہر تاج بیگم عابدہ سُلطان، صاحبزادی ساجدہ سلطان بیگم، رابعہ سلطان بیگم بھی شریک تھیں۔ یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس نے خلفائے راشدین کے زمانہ کی یاد دلوں میں تازہ کر دی۔ جن آنکھوں نے یہ سماں دیکھا وہ کبھی مدت العمر اسے فراموش نہیں کر سکتیں کہ ایک جلیل الشان خاتون جس نے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتے ہی ہر قسم کی ثروت و دولت، اقتدار و عظمت کی اس وقت تک تہتّر بہاریں دیکھی ہوں اور جس کے سر پر پچیس برس کامل چترِ شاہی رہ چکا ہو اور جس نے وہ چترِ شاہی خود اپنے دستِ مُبارک سے اپنے فرزند دلبند (جس کو فطرت نے روشن ضمیری، بیدار مغزی، حب الوطنی جیسی صفات

---

۵۱ اقتباس از رُوئداد مرتبہ بلقیس بیگم صاحبہ استانی مدرسۂ حمیدیہ۔
۵۲ سرکار عالیہ کی مُصنّفہ کتاب۔

کا مجموعہ بنایا ہو) کے سر پر رکھ کر اپنی زندگی ملک وقوم اور مذہب کی خدمت کے لئے وقف کردی ہو ایک مجمع میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سُنت کو اس طرح ادا کرے کہ طالبات کا ایک حلقہ ستاروں کی طرح اس کے گرد ہو اور وہ اُن پر ماہِ کامل کی طرح ضوفشاں ہو خوش نصیب اُن لڑکیوں کے جنھیں سرکار عالیہ کی شاگردی اور شہزادیوں کے ہم سبق ہونے کی عزّت حاصل ہوئی۔

اس کے بعد چار لڑکیوں نے ایک صف میں کھڑے ہو کر سورۃ الناس کو قرأت اور خوش الحانی سے تلاوت کیا اور یہ دلچسپ اور مبارک جلسہ ختم ہوا۔

صنعت وحرفت اُناث اِن مدارس کے علاوہ عورتوں کے لئے ایک صنعتی مدرسہ بھی جاری کیا گیا جس کے اغراض ومقاصد خود سرکار عالیہ ہی کے الفاظ میں یہ تھے :-

> "وہ جاہل اور بے ہُنر عورتیں جو وارث اور والی نہ ہونے سے اپنے اور اپنے بچوں کے گذارہ کے لئے محتاج ہو کر اپنی زندگی بے انتہا مصیبتوں میں بسر کرتی ہیں در اصل بہت زیادہ قابل رحم ہوتی ہیں اور ایسی عورتیں اس طبقہ میں اکثر پائی جاتی ہیں جن کے مردوں کا دار و مدار محنت ومزدوری یا ملازمت پر ہوتا ہے۔
>
> ظاہر ہے کہ مَردوں کے مرنے یا ناقابل کار ہو جانے کے بعد کثیر العیالی کے سبب کوئی اور ذریعہ روزی کمانے کا باقی نہیں رہتا۔ اس لئے مجبوراً گرسنگی اور فاقہ کشی برداشت کرنی پڑتی ہے جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کی ایک تعداد کثیر یا تو جرائم پیشہ ہو جاتی ہے یا فاقہ کشی کی مُصیبتیں اس کو موت کے کنارے کھینچ کر ڈال دیتی ہیں۔
>
> بھوپال میں بھی اس قسم کی بے ہُنر عورتوں کی کمی نہ تھی لیکن ان پر وہ صعوبتیں نہ تھیں جو عام طور پر دوسری جگہ پائی جاتی ہیں اور اس کی وجہ صرف زنانہ حکومت کی فیاضی اور بالخصوص نواب قدسیہ بیگم اور والدۂ مکرمہ سرکار خلد مکاں کی وہ اعلیٰ اور مشہور فیاضی ورحمدلی تھی جس کی یاد ہمیشہ باقی رہے گی مگر فقر وفاقہ کو کسی فیاض کی فیاضی نہیں روک سکتی اور نہ داد ودہش۔ وہ اصلی مصیبتیں جو افلاس کا نتیجہ ہیں دُور کر سکتی ہے کیونکہ اس قسم کی فیاضی اور داد ودہش

سے لوگ اپنے آپ کو خود نکما اور اپاہج بنا لیتے ہیں اور معاش کا بار خزانہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اور یہی سبب تھا کہ میں نے ریاست میں ایک بڑا گروہ اس قسم کی عورتوں کا پایا اس لئے مجھے سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ میں اور اصلاحات کے ساتھ اس طبقہ کی بھی اصلاح کروں تاکہ آئے دن کی مصیبتوں میں کچھ تو کمی ہو میں نے بھوپال کی ایسی عورتوں کے لئے ایک ایسا مدرسہ جس میں ضروریاتِ روزمرّہ میں کام آنے والی چیزوں کی صنعتی تعلیم دی جائے قائم کرنا تجویز کیا تاکہ وہ اس میں صنعت و حرفت سیکھ کر کچھ نہ کچھ اپنی مدد کر سکیں۔

یہ مُبارک و اعلیٰ جذبات ہمدردی دراصل رحمتِ خداوندی ہیں جن سے خوش قسمت مخلوق ہی بہرہ مند ہوتی ہے۔ وقتاً فوقتاً اس اسکول کو ترقی دی گئی اور ۱۹۲۶ء میں اعلیحضرت فرمانروائے بھوپال کی سالگرہ مبارک کی تقریب سعید پر جدید[۱] اسکیم نافذ ہوئی جس میں دستکاری کے سلسلہ کو وسیع کیا گیا، نقاشی، مصوری چینی و جاپانی نقش و نگار، چمڑے کے کام، صابون عطر سازی تک وسعت دی گئی۔ سائنٹفک طریقہ سے اچار، چٹنیاں، مٹھائی بنانے کے لئے ایک خاص شعبہ کھولا گیا۔ مختلف مدارس کی طالبات کے لئے حفظانِ صحت، بچوں کی خبر گیری، خانگی تیمارداری، عام تندرستی، گرل گائڈ، اور ایمبولنس کا اضافہ ہوا۔ یہ اسکیم قیامِ لندن کے زمانہ میں سرکارِ عالیہ کے پیش نظر تھی۔

یہ اسکول اور یہ اسکیم سرکار عالیہ کے اُن جذبات عالیہ کے مظہر ہیں جن کو حضور ممدوحہ نے بایں الفاظ اِس موقع پر ظاہر فرمایا تھا:۔

> کون انکار کر سکتا ہے کہ انسانی مصائب میں سب سے زیادہ مصیبت افلاس ہے اور افلاس بھی اس صنف کا جو بے کس و بے یار و مددگار ہو اس لئے یہ سب سے بڑی نیکی ہے کہ ان کی مصیبتوں کو دُور کرنے کی کوشش کی جائے۔

---

[۱] اگرچہ سرکار عالیہ نے اپنے زمانۂ حکومت میں اس انسٹی ٹیوشن کے لئے گراں قدر امداد منظور فرمائی تھی لیکن اس کی توسیع کے لحاظ سے اعلیحضرت فرمانروائے بھوپال نے اس موقع پر چودہ ہزار روپیہ سالانہ کا اور اضافہ فرمایا۔

ان مدارس نے کافی طور پر ترقی کی۔ اسٹاف کی عمدگی کی نسبت تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کیوں کہ سرکار عالیہ کا انتخاب والطاف اور بیش قرار مشاہرات اس عمدگی کے ضامن رہے طالبات کی تعداد بھی کافی طور پر ترقی کر گئی۔ دستکاری میں یہاں کے مدارس نے مختلف نمائشوں سے تمغے اور سندیں حاصل کیں۔ وقتاً فوقتاً زنانہ فینسی بازاروں میں جو یہاں قائم کئے گئے ان لڑکیوں کی دستکاری کی چیزیں رکھی گئیں جو قبولیت عام کے ساتھ فروخت ہوئیں اور اس طرح اس دستکاری سے عملی فائدہ بھی حاصل ہوا۔ چنانچہ ۱۹۱۵ء میں زخمیوں کی امداد کے لئے اور ۱۹۱۶ء میں اور ڈے کے موقع پر صرف مدرسہ سلطانیہ ہی کی لڑکیوں کے بنائے ہوئے سامان سے تیرہ سو روپے چندہ میں دیئے گئے۔

ان مدرسوں کو ہمیشہ ریاست کی معزز مہمان خواتین جو تقریباً ہر قوم وملت کی ممبر ہوتی ہیں ایسے سادہ طریقوں پر معائنہ کرتی رہتی تھیں جس سے معائنہ کا منشا بخوبی حاصل ہوتا ہے اور کبھی ان مہمانوں کے ہاتھ سے انعام بھی تقسیم کرائے جاتے ہیں۔ اکثر خاص مہمانوں کی آمد کے موقع پر خاص اہتمام بھی ہوتا ہے۔ اسکول کی بڑے تکلف سے آرائش ہوتی ہے۔ ایڈریس پیش ہوتے ہیں۔ تقریریں کی جاتی ہیں۔ لڑکیاں ایک ہی قسم کے لباس میں ہوتی ہیں۔ ریسٹیشن ہوتے ہیں۔ اردو، انگریزی کی نظمیں سنائی جاتی ہیں۔ غرض ان تمام باتوں میں مدرسہ کی تربیت وتہذیب کا ایک خاص اثر معائنہ کرنے والوں کے دل پر ہوتا ہے۔ ان مدرسوں کو اور خصوصاً سلطانیہ اسکول کو معزز وزیٹروں کے استقبال کے متعدد مواقع مل چکے ہیں جن میں لیڈی منٹو لیڈی ہارڈنگ، لیڈی چیمسفورڈ، لیڈی ریڈنگ، لیڈی اروِن، بیگم صاحبہ جنجیرہ، مہارانی صاحبہ بڑودہ، کوٹہ، لیڈی مسٹن، لیڈی اوڈوائر، لیڈی ڈین اور مسز نائڈو کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان خواتین نے ہمیشہ اسکول کی تعریف اور لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کے ساتھ سرکار عالیہ کی اس فیاضانہ ہمدردی کا اعتراف کیا ہے جو ان سب نتائج حسنہ کا سرچشمہ ہے۔

سرکار عالیہ کو ان مدرسوں کے ساتھ ایک عجیب قسم کا شوق وشغف تھا اور جب موقع ہوتا تو سرکاری تقریبات میں ان طالبات کو شریک کرتیں۔ اور کبھی خود بھی دعوت قبول فرماتیں اور لڑکیاں اپنی عقیدت ومحبت کا جہاں تک ممکن ہوتا پرجوش استقبال کی صورت میں ایک پرلطف

نظارہ دکھلاتیں۔ سرکار عالیہ تمام طالبات سے ذاتی طور پر تعارف رکھتی اور شفقت و عطوفت مبذول فرماتی رہتی تھیں اور نہ صرف موجودہ حالت بلکہ آئندہ زندگی کے سود و بہبود کا بھی خیال رکھتیں اور اس میں اگر ضرورت ہوتی تو اپنے اثر کو بھی کام میں لاتیں۔

دربار اور پارٹی

جس زمانہ میں کہ سرکار عالیہ زنانہ اشاعت تعلیم اور مدارس میں لڑکیوں کے زیادہ داخل ہونے کی کوشش فرما رہی تھیں اور ہر گونہ ترغیب و تحریص سے کام لے رہی تھیں تو ایک مرتبہ بہ نفس نفیس سُلطانیہ اسکول کی طالبات کا امتحان لیا اور پھر مخصوص طور پر اُن کی حوصلہ افزائی کے لئے ایک زنانہ دربار منعقد فرمایا۔

تقریباً ہر مُلک میں درباروں کو مردوں ہی کے ساتھ خصوصیت ہے لیکن سرکار عالیہ نے اپنے ملک کی عورتوں کو بھی اس خصوصیت میں شریک کرلیا اور اس کو اپنے مقاصد تعلیم کا ایک ذریعہ بنایا۔

اپنی نوعیت و عظمت اور مقصد کی عمدگی و اہمیت کے لحاظ سے اس دربار کی مثال صرف سرکار عالیہ ہی کی ذات اقدس سے اُن ہی کے دَور حکومت میں قائم ہوئی۔

ایوان صدر منزل اگرچہ ہمیشہ آراستہ رہتا ہے لیکن اس روز خاص طور پر آراستگی کی گئی تھی۔ شہ نشین اور وسیع دالانوں میں کارچوبی فرش اور بیش بہا قالین بچھے ہوئے تھے شہ نشین میں سرکار عالیہ کی طلائی کرسی تھی اور اس کے برابر دونوں طرف بیگمات خاندان شاہی کی نشست تھی ....

برابر والی شہ نشین کی محرابوں میں یورپین لیڈیز کے لئے اور دالانوں میں دیگر معزز خواتین کے لئے بہ لحاظ مراتب اور گیلری میں مدرسہ کی لڑکیوں کے واسطے نہایت قرینہ سے کرسیاں بچھائی گئی تھیں شہ نشین اور صدر دالانوں میں اور سہ دریوں کی کرسی پر مخملی سُنہری کام کے غاشئے پڑے ہوئے جھلملا رہے تھے۔ مشرقی جانب دالانوں میں نہایت تکلف کے ساتھ ریفرشمنٹ کا انتظام کیا گیا تھا اور انواع و اقسام کے تازہ فواکہ اور ہندوستانی و انگریزی مٹھائیاں میزوں پر چُنی گئی تھیں۔ مدرسہ کی مہتممہ کی طرف سے پانچ سو انویٹیشن کارڈ اراکین و معززین عہدہ داروں کی خواتین اور یورپین لیڈیز کے نام جاری کئے گئے تھے۔

وقتِ معیّنہ پر چار بجے سرکارِ عالیہ شاہانہ لباس اور جی، سی، آئی، ای کی روب اور تمغہ سے مزیّن ہو کر نہایت عظمت و شان سے تشریف فرما ہوئیں اور بینڈ نے (جو صدر دروازہ کی بیرونی گیلری میں قائم کیا گیا تھا) سلامی ادا کی . . . .

. . . .

سرکار عالیہ جب اپنی کرسی پر متمکن ہوگئیں تو مہتمم مدرسہ نے اجازت حاصل کر کے مدرسہ کی سالانہ رپورٹ سُنائی۔ رپورٹ ختم ہونے کے بعد سرکار عالیہ نے کرسی سے ایستادہ ہو کر ایک نہایت مختصر تقریر فرمائی مگر اس موقع کے لئے ایک اور فصیح تقریر بھی مُرتّب تھی جس میں نتیجہ امتحان پر مسرت ظاہر کی گئی تھی اور پند ونصائح اور ترغیب وضرورت تعلیم نسواں پر زور دیا گیا تھا۔ چونکہ اُس دن طبع مبارک ناساز تھی اس تقریر کو ایک خاتون نے سُنایا۔

تقریر ختم ہونے کے بعد مہتمم مدرسہ نے ترتیب سے انعام پانے والی لڑکیوں کو سرکار عالیہ کے حضور میں پیش کیا اور سرکار عالیہ نے اپنے دستِ مبارک سے انعام مرحمت فرمایا۔

تقسیم انعام کے بعد سرکار عالیہ محل کے دوسرے حصّہ میں تشریف لے گئیں اور تھوڑی دیر کے بعد اپنے معمولی اور سادہ لباس میں مہمانوں کے ساتھ شریک ہوئیں اور ہر ایک مہمان سے عطوفت شاہانہ اور الطاف خسروانہ کا اظہار کیا اور نہایت شگفتہ دلی اور اخلاق کے ساتھ اُن سے تعلیم وغیرہ کے متعلق باتیں کرتی رہیں۔

طبّی تعلیم و امداد

بھوپال میں سرکار خلد مکاں نے ۱۸۹۲ء میں عورتوں کو طبّی امداد میسر ہونے اور لیڈی لینسڈون کی یادگارِ محبت قائم کرنے کے لئے ایک شفاخانہ جاری کیا جو کامیابی کے ساتھ قائم ہے لیکن عورتوں اور بچوں کی طبّی امداد کے متعلق سرکار عالیہ کی نظر بڑی وسیع تھی ان مسائل پر صدہا کتابیں مطالعۂ اقدس سے گذریں ڈاکٹر اور اطبّا سے اکثر ان کے امراض پر گفتگوئیں ہوئیں۔ بہت سے ایسے حادثات کا علم ہوا جو محض عورتوں کی غفلت وجہالت اور اصول تیمارداری سے ناواقفیت کا نتیجہ تھے اس لئے کیونکر ممکن تھا کہ وہ دل جس کو اپنی صنف کی ہمدردی سے قدرت نے مملو کر دیا ہو۔ ان حالات سے مضطرب نہ ہو۔

سرکار عالیہ نے ان ضرورتوں کو محسوس کرکے نہایت فیاضی و توجہ کے ساتھ ایسے مختلف انتظامات کئے کہ عورتیں اور بچے ان تکالیف سے محفوظ رہیں۔ سب سے پہلے ایک نرسنگ اسکول کا اضافہ کیا۔ اس تعلیم کی اہمیت کی نسبت اختر اقبال میں تحریر فرمایا ہے کہ:-

"مریضوں کے لئے جس طرح قابل طبیب و ڈاکٹر اور بہتر ادویات کی ضرورت ہے اسی طرح باقاعدہ اور عمدہ تیمارداری ضروری چیز ہے لیکن ہندوستان میں اس ضروری چیز پر بہت کم توجہ ہوتی ہے اور عموماً دیکھا جاتا ہے کہ تیمارداری نہایت بے قاعدہ اور خراب طریقہ سے کی جاتی ہے۔

میں نے جہاں تک غور کیا اس کی وجہ طریقۂ تیمارداری سے عدم واقفیت ہے۔ تیمارداری کو یورپ نے بجائے خود ایک مستقل فن بنا دیا ہے جس کو عورتیں باقاعدہ طور پر حاصل کرتی ہیں اور وہ اُمرا اور خوش حال آدمیوں کے گھروں میں نرس کی خدمت بجالاتی ہیں اور چوں کہ وہ اسی کے ساتھ اور دوسرے زنانہ فنون میں دستگاہ رکھتی ہیں اس لئے اکثر بچوں کی پرورش و تربیت بھی اُن ہی کے سپرد کی جاتی ہے اس کے علاوہ تمام یورپین عورتیں خواہ وہ کسی درجہ کی ہوں اس کام سے کچھ نہ کچھ واقف ہوتی ہیں اور یہ واقفیت زیادہ تر ان کی تعلیم کا نتیجہ ہوتی ہے اور اعلیٰ مرتبہ کی لیڈیاں اس کو نہایت شوق سے سیکھتی ہیں لیکن ہندوستان میں یہ قابلیت مفقود ہے۔ نہ یہاں نرسنگ اسکول ہیں اور نہ عورتوں کی تعلیم اس درجہ عام اور ترقی پر ہے کہ وہ بطور خود واقفیت پیدا کرلیں اس لئے تیمارداری کی خرابی کا آخری نام "موت" ہے۔

یہ مدرسہ لیڈی منٹو کے نام سے موسوم ہوا۔ پانچ برس سے زیادہ عمر کی لڑکیاں داخل کی گئیں اور عموماً سب کو وظیفہ عطا کیا گیا۔

تعلیم دایہ گری

اسی اسکول کے ساتھ دائیوں کی تعلیم کا انتظام کیا اور ایک درجہ وکٹوریہ میموریل اسکالرشپ کلاس کے نام سے قائم فرمایا۔ اس انتظام میں بہت مشکلات پیش آئیں۔ انتظام کی تو فوری ضرورت تھی کیوں کہ ولادت تو روز ہی ہوتی ہے اور تعلیم کے لئے ایک عرصہ درکار تھا لہٰذا یہ انتظام کیا گیا کہ وہ دائیاں جو موروثی طور پر پیشہ کرتی ہیں

روزانہ لیڈی ڈاکٹر کے پاس حاضر ہو کر کچھ زبانی تعلیم حاصل کریں اور اپنی لڑکیوں کو ابتدا سے کلاس میں داخل کریں۔ پانچ سال میں بہت سی پیشہ ور دائیوں نے اس اسکول میں تعلیم حاصل کی اور پھر سلسلہ قائم ہو گیا۔ یہ انتظام نہ صرف شہر کے لئے کیا گیا بلکہ مفصلات سے بھی پیشہ ور دائیوں کو طلب کر کے داخل کیا گیا۔ تعلیم کے بعد دائیوں کو سند بھی دی جانے لگی اور غیر سند یافتہ دائیوں کو کام کرنے کی قطعی ممانعت کر دی گئی۔ اس طرح تھوڑے عرصہ میں دائیوں نے اچھی خاصی تعلیم حاصل کر لی جن کو ماہانہ وظائف بھی دیئے گئے۔

دائیوں کے امتحان میں ریاست کی لیڈی ڈاکٹر کے علاوہ ایجنسی سرجن کو بھی شریک کیا گیا۔ ہر ضلع میں اور ہر بڑے مقام میں گشتی لیڈی ڈاکٹروں کا انتظام ہوا جو عام حفظان صحت علاج معالجہ اور دائیوں کی نگراں ہیں۔

دائیوں کے انتظام سے جس قدر فائدہ عورتوں کو ہوا ہو گا اس کا اندازہ وہی کر سکتی ہیں لیکن مردوں نے بھی اس انتشار سے نجات حاصل کی جو جاہل دائیوں کے باعث ہر گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ سرکار عالیہ اس تذکرہ میں فرماتی ہیں :-

> "مستورات ہند کو فی الواقع جاہل دائیوں کے ہاتھ سے بھی کچھ کم نقصان نہیں پہنچا اکثر مہلک امراض تھوڑی سی بے احتیاطی سے پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر تمام عمر ان کا ازالہ مشکل ہوتا ہے عموماً ولادت کے وقت اور نسائی امراض کے معالجہ میں ہوشیار دائیوں کی سخت ضرورت رہتی ہے۔"

الفنینٹ ہوم | غریب بچیوں کی پرورش اور ان کی صحت کی نگرانی کے لئے ۱۹۱۲ء میں الفنینٹ ہوم قائم فرمایا جو زنانہ ہسپتال کے ہی سلسلہ میں ہے۔ لیڈی ہارڈنگ نے اس کا سنگ بنیاد رکھا اور وہ ان ہی کی یادگار میں بنایا گیا۔

سینٹ جان ایمبولنس کے نصاب تعلیم | ان انتظامات میں وقتاً فوقتاً اضافے ہوتے رہے علاوہ بریں مدارس اناث میں سینٹ جان ایمبولنس کے نصاب کے مطابق لیکچروں کو لازمی قرار دیا۔ اور لیڈیز کلب میں ایک مدرس اسکول قائم کیا جس میں عورتوں اور بچوں کی بہبودی کے کاموں میں فرسٹ ایڈ و او جر، فرسٹ ایڈ مڈ ملین ء

ہوم نرسنگ، ہوم ہائی جین، ہوم سینیٹیشن، مدرس ٹریننگ اور میٹرنٹی کی تعلیم جاری کی گئی اور تقریباً وہی نصاب رکھا گیا جو سینٹ جان ایمبولنس ایسوسی ایشن کی انڈین برانچ شملہ نے مقرر کیا ہے پھر اس کے امتحانات کا باقاعدہ سلسلہ قائم ہوا اور ایجنسی سرجن ممتحن مقرر کیے گئے ان کلاسوں میں عمائدین و عہدہ داران ریاست اور شرفائے شہر کی خواتین نہایت شوق کے ساتھ داخل ہوئیں اور اُن کی قابل ٹیچر کو ۱۹۲۳ء میں سینٹ جان ایمبولنس کی کونسل نے انڈین برانچ میں آنریری لائف ممبر منتخب کیا اور وائسرائے نے بطور اظہار خوشنودی اپنا دستخطی سرٹیفکٹ عنایت کیا۔

۱۹۲۶ء میں اُن کامیاب خواتین کی تعداد ۴۷ تھی ان میں سے فرسٹ ایڈ و اُوجرا اور مڈلین کی کامیاب طالبات کو سینٹ جان ایمبولنس سے تمغے اور سرٹیفکٹ دیئے گئے۔

گرل گائڈ جب اختتام جنگِ عظیم کے بعد انگلستان میں عورتوں کی حربی خدمات کی قابلیت و مستعدی اور دلیری کی وجہ سے جو انھوں نے اس جنگِ عظیم میں نمایاں کی تھی۔ گرل گائڈ کا نظام قائم ہوا تو اسی نظام کے ماتحت چند سال ہوئے کہ ہندوستان میں بھی یہ تحریک شروع ہوئی۔ سرکار عالیہ نے بھی اس کو مفید سمجھکر بھوپال میں رائج کیا۔ ایک کمیٹی قائم ہوئی جس میں حضور ممدوحہ نے ایک دلچسپ تقریر ارشاد کی جس کے اقتباسات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ ان اقتباسات سے اس تحریک کے افادہ اور سرکار عالیہ کی وسیع النظری اور تحریک کی کامیابی کے متعلق بلند اور زبردست مشوروں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ سرکار عالیہ نے فرمایا کہ:۔

میں نے گرل گائڈنگ کی تحریک کو جب سے کہ پہلی ہی مرتبہ اس کا نام زبان پر آیا ہے نہایت توجہ اور دلچسپی کے ساتھ دیکھا ہے یہ تحریک حقیقت میں ایک ایسی ضروری چیز ہے کہ جو کوئی لڑکیوں کی صحت کو عزیز رکھتا ہوگا اور جس کی یہ خواہش ہوگی کہ ان میں ایک صحیح اصول پر جرأت و ہمت۔ باہمی ہمدردی و اتحاد و ارتباط پیدا ہو اور ان صفات کو ایک صحیح نظام کے تحت میں لایا جائے تو یقیناً وہ اس تحریک کا خیر مقدم کرے گا۔ میں نے بقدر امکان اپنے صنفی مسائل پر ہمیشہ غور کیا ہے اور میں اپنے اوقات فرصت میں تاریخ اسلام کا بھی مطالعہ کرتی رہی ہوں میں کہہ سکتی ہوں کہ مسلمانوں کے زمانۂ عروج و اقبال میں اور خود اسلام کے دورِ آغاز

میں مسلمان عورتوں اور ہماری صحابیاتِ کرام نے یعنی جن عورتوں نے ہمارے رسولِ مقبول صلعم کا زمانہ دیکھا اور اسلام کی ترقی میں کوششیں کیں اس جرأت وہمّت، بہادری وہمدردی اور ارتباط و اتحاد باہمی کی بہ کثرت مثالیں پیش کی ہیں۔

خود بھوپال کی تاریخ عورتوں کی ان صفات سے مزیّن ہے۔ ایران میں بھی ایک زمانہ گذرا ہے کہ مسلمان عورتوں کی سب سے بڑی تعریف یہی تھی کہ ان میں اس قسم کے اوصاف موجود ہوں۔ بغداد میں خلفائے عباسیہ کی تمام کنیزیں اسلحہ سے آراستہ رہتی تھیں شاہانِ تیموریہ کے یہاں شاہی محلات کی پاسبانی کا کام مسلّح عورتوں سے متعلق تھا اور اس زمانہ میں بھی یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ سلطنت ٹرکی کی حفاظت اور اُس کی نئی زندگی میں عورتوں کا ہی زبردست حصّہ ہے جہاں کہ انھوں نے میدانِ جنگ میں سپاہیوں اور قلیوں کے کاموں کو فوجی ترتیب اور ڈسپلن کے ساتھ انجام دیا۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کے لئے یہ کوئی اجنبی چیز نہیں ہے بلکہ میں تو یہ کہتی ہوں کہ نہ صرف اسلام بلکہ ہر زمانہ کی قوموں کی ترقی میں عورتوں کی انھیں صفات کا جلوہ نظر آتا ہے لیکن جس طرح کہ دُنیا کے تمام کام ایک ضابطہ اور نظام کے ساتھ ترقی پا رہے ہیں۔ اسی طرح عورتوں کے ان اوصاف کو نشو و نما اور مجلّا اور منضبط کرنے کے لئے چند اصول و قواعد کی ضرورت ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ اسی ترقی کو ہم گرل گائڈ کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ میں نے بسا اوقات غور کیا ہے اور اسی غور کا یہ نتیجہ تھا کہ مدارس بھوپال میں بوائے اسکاوٹ کے ساتھ میں نے اپنے محل میں گرل گائڈ کو خود اپنی رائے سے اور اپنے طریقوں کے مطابق جاری کیا اور اس سے کسی قدر وسیع معیار پر نواب گوہر تاج بیگم اور اُن کی دونوں چھوٹی بہنوں ساجدہ سُلطان اور رابعہ سُلطان کی تربیت جاری کی ہے۔ ہمارے چھوٹے سے اسکول کی لڑکیوں کو یہ تربیت مس کوہن نے دی اور جب اپنی قابل دوست مس ریچرڈ سے اس تحریک کے متعلق تبادلۂ خیال ہوا تو مجھے اور زیادہ توجہ ہوئی۔ میں نے بڑودہ میں بھی عملی شکل میں اس تحریک کو دیکھا ہے اور مجھے مسرت ہے کہ ہز ہائی نس مہاراجہ گیکواڑ کی توجہ اور دلچسپی سے وہاں کامیابی ہو رہی ہے۔

جہاں تک میری معلومات ہیں غالباً ہندوستانی ریاستوں میں بڑودہ کے سوا بھی

اور کہیں یہ تحریک جاری نہیں ہوئی اور اس لحاظ سے بھوپال کو ہم دوسرے درجہ پر کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ایک ایسے موقع پر جب میں آپ کی خواہش کے مطابق آپ کی کمیٹی کا پریسیڈنٹ بننا منظور کر رہی ہوں چند باتیں آزادی اور صفائی سے کہنا اور خاص طور پر مس رچرڈ اور مس نیکل کی توجہ ان پر مبذول کرانا چاہتی ہوں یہ تحریک جو ہندوستان میں شروع کی جاتی ہے اس وقت تک عام قبولیت اور کامیابی حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ ملک کے رسم و رواج کے مطابق نہ ہو اور یہ امر ظاہر ہے کہ اِس ملک کے رسم و رواج ....
یورپ سے بہت مختلف ہیں اسلئے جو طریقے کہ وہاں موزوں ہو سکتے ہیں۔ وہ بجنسہ یہاں رائج نہیں ہو سکتے اور ان میں ترمیمات ناگزیر ہیں۔

یہاں کے راسخ الخیال اور قدیم خیالات کے لوگ جو پرانے قواعد اور رسم و رواج کے پابند ہیں وہ یقیناً ان اصولوں کو علی حالہ جاری کرنے سے بھڑکیں گے۔ آپ دیکھیں کہ تعلیم ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا لیکن اگر ہندوستان کی جدید تاریخ تعلیم پر آپ نظر کریں تو وہ بھی مشکلات سے معمور نظر آئیگی۔"

اس کے بعد حضورِ ممدوحہ نے تعلیم نسواں کی ابتدائی مشکلات اور پھر ان کے حل کا تذکرہ کرکے ارشاد فرمایا کہ:۔

"اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس تحریک کے اجرا میں کس قدر مشکلات ہوں گی اگرچہ وہ مشکلات ایسی نہیں کہ ان پر غلبہ حاصل نہ کیا جا سکے۔ تاہم یقینی ہے کہ یورپ کی کلیتہً نقل نہیں ہو سکتی۔ ہم کو اپنے ملکی حالات کے لحاظ سے ضروری تغیر و ترمیم کرنی ہوگی اور اس طرح ہم ایک ترمیمی شکل میں کامیابی حاصل کرینگے۔ اس کے علاوہ ایک اور بڑی دقت زبان کی ہے اس تحریک کے تمام اصول و قواعد انگریزی زبان میں ہیں اور یہ زبان ہنوز اس وسعت کے ساتھ رائج نہیں ہوئی کہ مثل مادری زبان کے فائدہ حاصل کیا جا سکے اس لئے ہم کو لامحالہ وہ تمام اصول و قواعد ہندوستانی زبان میں لانے ہونگے۔

اسی طرح اب ہم دیکھتے ہیں کہ انڈین ریڈ کراس سوسائٹی اور میٹرنٹی اینڈ چائلڈ ویلفیئر لیگ نے بھی اپنے دائرۂ فیض کو ان ترجموں کے ذریعہ سے وسیع کرنا شروع کیا ہے۔

اور ان ترجموں کی بکثرت اشاعت ہے۔

میں اس تحریک کے بارآور ہونے سے مایوس نہیں ہوں۔ اس میں خود قبولیت کا مادّہ موجود ہے۔ کیونکہ وہ فی نفسہٖ مفید ہے۔ یہ مسلّمہ ہے کہ اگرچہ عورت اور مرد کی جنس علٰحدہ ہے مگر قدرت نے دونوں کو ایک ہی نفس یا جوہر سے پیدا کیا ہے اور دونوں کے لئے اشتراکِ عمل لازمی ہے۔ دُنیا کا کوئی کام بغیر ان دونوں کے اتحاد کے انجام نہیں پاسکتا گویا دنیا کی گاڑی کے یہ دو پہیئے ہیں اور جب تک دونوں گردش نہ کریں گے گاڑی نہیں چل سکتی اس لئے لامحالہ عورتوں کو اس قسم کی تحریکات میں حصہ لینا اور اپنے آپ کو تیار کرنا ملکی بہبودی اور قومی ترقی کے لئے لازمی وضروری ہے۔ بلاشبہ ہندوستان کی تاریکی میں برٹش قوم کی توجہات اور بالخصوص زنانہ کاموں میں انگلش لیڈیز کی پُرجوش ہمدردی وسرگرمی سے امید کی روشنی چمک رہی ہے لیکن میں ہندوستان کی ان بہی خواہ لیڈیز سے اصرار کے ساتھ کہوں گی کہ ہر تحریک کی کامیابی کے لئے عام خیالات ملکی رسم ورواج اور آسان ذرائع کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔"

سرکارِ عالیہ نے اس تحریک کے متعلق متعدد کتابوں کا بصَرفِ کثیر ترجمہ کرایا اور ہمیشہ اس پر توجہ مبذول رکھی۔

عالی منزل کے پُرفضا اور وسیع باغ میں ٹریننگ دی جاتی ہے اور نہایت کامیابی کے ساتھ یہ تحریک بارور ہو رہی ہے۔

پرنس آف ویلز لیڈیز کلب

یوں تو بھوپال میں سرکارِ عالیہ کی زنانہ ہمدردیوں اور عنایتوں کی بہت سی یادگاریں ہیں لیکن تمام یادگاروں میں "پرنس آف ویلز لیڈیز کلب" ایک مابہ الامتیاز یادگار ہے۔ یہ یادگار ہماری ہردلعزیز ملکہ میری شہنشاہ بیگم کی اوّلین سیاحتِ ہندوستان کی یاد تازہ کرتی ہے جب کہ

وہ سنہ ۱۹۱۱ء میں اعلیحضرت ملکہ معظم کے ہمراہ بزمانۂ ولی عہدی ہندوستان میں تشریف لائیں تھیں۔ حضور سرکار عالیہ نے اس کلب کو عورتوں کے لئے ایک بہترین زنانہ سوسائٹی کے نمونہ پر قائم فرمایا۔

سرکار عالیہ عرصہ سے ایک ایسی سوسائٹی کی ضرورت محسوس فرماتی تھیں۔ جیسا کہ خود فرماتی ہیں:۔

"یہ امر مسلمہ ہے کہ بنی نوع انسان کی ترقی وشائستگی کا بہت کچھ انحصار عمدہ صحبت اور شائستہ سوسائٹی پر ہے جس قدر سوسائٹی بہتر ہوگی اسی قدر وسیع الخیالی پیدا ہوگی اور یہی وسیع الخیالی ترقی وشائستگی کی بنیاد ہے انگلستان میں بھی تھوڑے عرصہ سے عورتوں کی سوسائٹیاں قائم ہوگئی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ان سے وہاں کی خواتین کو نہایت گراں قدر فوائد حاصل ہوئے ہیں بدقسمتی سے ہندوستانی عورتیں چونکہ تعلیم سے بے بہرہ ہیں اسلئے سوسائٹی کے فوائد سے بھی محروم ہیں۔ میں نے سوسائٹی نہ ہونے کا نقصان یوں اور بھی محسوس کیا کہ عموماً جاہل اور لکھی پڑھی عورتیں یکساں فضول مراسم اور لغو رواجات کی گرویدہ ہیں اور ان کی نسلوں پر بطور ورثہ کے اس کا خراب نتیجہ مرتب ہو رہا ہے"

پھر جب ۱۹۰۵ء میں حضور ممدوحہ پرنسس موصوف سے اندور میں ملیں تو یہ خیال اور بھی پختہ ہوگیا اور ان کے نام سے اس سوسائٹی کو منسوب فرمایا تاکہ اس سے عورتوں کے تمدن ومعاشرت میں جو ترقی ہو اس میں اس نام کی برکت شامل ہو اور ہمیشہ خواتینِ بھوپال کے دلوں پر ان کا نامِ نامی عزت ومحبت کے ساتھ منقوش رہے۔

سرکار عالیہ نے اس کلب کو عالی منزل میں قائم کیا جو دو طبقوں میں منقسم ہے اور جس میں چھوٹی چھوٹی اور بھی بہت سی عمارتیں ہیں جنھوں نے مجموعی طور پر عمارت کو شاندار بنا دیا ہے۔ صحن میں ٹینس، کروکے، بیڈمنٹن کے لان اور خوش منظر قطعات ہیں جن کی چمن بندی کی گئی ہے۔ نیچے کے طبقہ میں اونچے اونچے درخت ہیں۔ چلنے پھرنے اور مختلف قسم کے کھیلوں کے لئے وسیع میدان ہیں اوپر کے طبقہ میں ایک بڑی فراخ بارہ دری ہر قسم کے سامان سے

آراستہ ہے۔ پردہ کے لئے اونچی اونچی دیواریں ہیں۔

اگرچہ کلب ۱۹۰۵ء میں قائم ہوگیا تھا لیکن اس کے افتتاح کی باضابطہ رسم ۱۹۰۸ء میں لیڈی منٹو کے دستِ مبارک سے ادا ہوئی۔ اس موقع پر کلب خاص طور سے آراستہ کیا گیا تھا اور مشرقی و مغربی آرائش کی ترکیب نے ایک عجیب نظارہ پیدا کر دیا تھا۔

لیڈی منٹو کے لئے باغ کے ایک گوشہ میں ایک زربفتی شامیانہ چار سونے کے مستولوں پر نصب کیا گیا تھا اور اس شامیانہ میں لیڈی موصوف اور سرکار عالیہ کے لئے چاندی کی کرسیاں تھیں اور مہمانوں کی کرسیوں پر زربفتی غاشیئے پڑے ہوئے تھے۔ جا بجا روشوں پر جھنڈیاں نشان اور پھریرے ہوا میں اڑ رہے تھے۔ پھاٹک پر خیر مقدم کے سنہری کتبے آویزاں تھے۔ وکٹوریہ گرلس اسکول کی لڑکیاں فیروزی لباس پہنے قطار باندھے کھڑی تھیں تاکہ لیڈی صاحبہ کی تشریف آوری پر ترانۂ خوش آمدید اور دوسری چیزیں گائیں۔

پہلے لیڈی منٹو صاحبہ مدرسۂ سلطانیہ میں تشریف لے گئیں۔ وہاں سے فارغ ہو کر اپنی صاحبزادی لیڈی ایلیٹ اور ہمشیرہ کاؤنٹس آف انٹریم کے ساتھ کلب تشریف لائیں بینڈ نے بھوپال انتھم (بھوپال کا قومی گیت) بجانا شروع کیا۔ معزز مہمان و میزبان دروازہ پر موٹر سے اتر کر مصنوعی محراب ٹھہریں جہاں .... بیگمات خیر مقدم کے لئے جمع تھیں۔

ان سبھوں سے تعارف اور ایک دو باتوں کے بعد آگے بڑھیں اور ایک مقام پر عطیہ بیگم صاحبہ کھڑی تھیں جنھوں نے پروگرام پیش کیا۔ یہاں سے آہستہ آہستہ شامیانہ تک آئیں۔ سکریٹری اور مہمانوں سے تعارف کے بعد اپنی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ وکٹوریہ اسکول کی لڑکیوں نے ترانہ اور خیر مقدم کا گیت گایا۔ اور بعد ازاں سلمہ ستارہ کے خوبصورت پھول ٹکے ہوئے زرین ہار پہنائے۔ پھر سکریٹری کلب نے نہایت خوبی اور شائستگی سے اڈریس پڑھا اور لیڈی منٹو نے جوابی تقریر کی جس کا ترجمہ عطیہ بیگم صاحبہ نے سنایا۔

اس کے بعد رسم افتتاح ادا کی گئی اور کلب کے کمرہ میں سب جمع ہوئے۔ خواتین کا ہر اکسلنسی سے تعارف کرایا گیا۔ عطر گلاب، الائچی سے تواضع کی گئی۔ سکریٹری صاحبہ نے ہر اکسلنسی اور سرکار عالیہ کو گوٹے کے ہار پہنائے اور پھر سب مہمانوں کو تقسیم کئے سرکار عالیہ نے ملکہ وکٹوریہ

آنجہانی کا مرقع اپنی مرحومہ والدۂ ماجدہ اور نانی صاحبہ کی تصویریں دکھائیں جو اس کمرہ میں آویزاں تھیں۔ ہر میز پر کچھ نہ کچھ سامان تفریح رکھا ہوا تھا کہیں رسالے کہیں اخبار، کہیں بینک یا تاش کہیں دوسرے کھیل۔ غرض کہ آدھا کمرہ انھیں چیزوں سے بھرا ہوا تھا جس سے کلب کی حیثیت ظاہر ہوتی تھی بقیہ نصف میں نشست گاہ رکھی گئی تھی پھرتے پھراتے سرکار عالیہ ایک میز کے قریب آئیں اور (ہر ہائی نس) میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ اور جبیں جہاں بیگم صاحبہ (مرحومہ) سے فرمائش کر کے انگریزی میں نظمیں پڑھوائیں۔ ان دونوں نے ایسی خوبی سے پڑھا کہ ہر اکسیلنسی متعجب ہو گئیں۔ روانگی کے وقت اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی نقشی تصویر لیڈی ایلیٹ کو دی اور دوسری دستکاری کے نمونے بھی تحفۃً دیئے گئے۔

در اصل یہ کلب صرف خواتین بھوپال کی دلچسپیوں کا ہی مرکز نہیں ہے بلکہ وہ خواتین جو سرکار عالیہ کی مہمان ہوتی ہیں خواہ کسی قوم اور مذہب سے تعلق رکھتی ہوں ان کو بھی یہاں دلچسپی کا بڑا سامان ملتا ہے اور ممتاز خواتین تو خصوصیت سے اس کلب میں مدعو ہوتی ہیں تمام ویسرایان ہند کی بیگمات جو بھوپال میں مہمان ہوئیں اس کلب میں بھی تشریف لا چکی ہیں۔ کل زنانہ جلسے بجز خاص تقریبات کے سب یہاں ہوتے ہیں۔

سرکار عالیہ کی سالگرہ کے دن تو خاص دھوم دھام ہوتی تھی۔ خاندانِ شاہی کی بیگمات اور دیگر ممتاز خواتین کی طرف سے اسی کلب میں پارٹیاں بھی ہوتی ہیں۔

قومی و ملکی جلسے

قومی جلسوں میں سب سے پہلے اس کلب میں مسلم یونیورسٹی کا جلسہ ہوا اور غالباً ہندوستان بھر میں اس شریف مقصد کے لئے یہی پہلا زنانہ جلسہ تھا پھر لیڈی ہارڈنگ نے ترکی یتیموں اور بیواؤں کی امداد کے لئے جو تحریک کی تھی اس کی تائید میں جلسہ کیا گیا۔ اور کافی مقدار میں چندے جمع ہوئے۔ جنگِ عظیم شروع ہونے کے وقت بھی سرکار عالیہ نے کلب میں ایک تقریر فرمائی تھی جس میں اس جنگ کے وجوہ و اسباب پر بحث اور مختلف امور کے بیان کرنے کے بعد ہندوستانی سپاہیوں کی ہمدردی و اعانت کے جذبات پیدا کئے چنانچہ ان کی امداد میں اس کلب نے معقول حصہ لیا۔

جنوری ۱۹۱۶ع کے آخری ہفتہ میں اس مقصد کے لئے ایک مینا بازار قائم کیا گیا تھا جس میں

زنانہ مدارس بھوپال کی دستکاری کی چیزیں رکھی گئی تھیں ہر مدرسہ کی دوکان کے لئے جُدا جُدا شامیانے لگائے گئے تھے بالائی حصّہ میں چوبی دوکانیں نہایت آراستہ کی گئیں تھیں باغات ریاست کے پھل پھول اور ترکاریوں کی بھی ایک دوکان تھی۔ یہ بازار صبح سے رات کے دس بجے تک کھلا رہتا تھا اور شب کو بجلی کی روشنی عمارت کو بقعۂ نور بناتی تھی سرسبز درختوں کی شاخوں اور پتوں میں رنگ برنگ کے چھوٹے چھوٹے برقی قمقمے آویزاں تھے جن سے روشنی کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر دلفریب منظر سامنے کر دیتی تھیں اس موقع پر حُسنِ اتفاق سے لیڈی مسٹن بھی سرکار عالیہ کی مہمان تھیں کلب میں تشریف لائیں اور مینا بازار کی محویت کے ساتھ سیر کی اس وقت خواتین بھوپال کا بڑا مجمع تھا اور مینا بازار کی رونق اپنے کمال پر تھی مصنوعات کی ترتیب و نفاست خواتینِ بھوپال کا مجمع، ان کی تہذیب اور پردہ کا انتظام دیکھ کر لیڈی مسٹن نے بے ساختہ فرمایا کہ:۔

"میں نے اس سے پہلے اس قدر شایستہ و مہذب زنانہ جلسہ ہندوستان میں کہیں نہیں دیکھا"۔

ہر اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ کی اس دلچسپ و مقبول عام تحریک میں جو دیرا امپریل مجسٹیز کنگ جارج و کوئن میری کی سلور جوبلی و یڈنگ کی تقریب میں بطور یادگار کی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ جاں نثاران ہندوستان کے بچوں کے لئے ایک تعلیمی فنڈ قائم کیا جائے کلب نے پانچہزار دس روپیہ کا چندہ پیش کیا۔

زنانہ مصنوعات کی متعدد نمائشیں اسی کلب میں منعقد ہوئیں۔ ہفتۂ اطفال (بے بی ویک) کے جلسے بھی یہیں ہوتے ہیں گویا ہر قسم کے زنانہ جلسوں کا مرکز اسی کلب کو بنا دیا گیا۔

ان مشاغل اور جلسوں کے علاوہ وقتاً فوقتاً مختلف مضامین پر تقریریں بھی ہوتی ہیں۔ سرکار عالیہ تو عموماً مقاصد و مسائل نسواں پر یہاں معرکتہ الآرا تقریریں فرماتی تھیں۔ مذہب[1] کے متعلق تو چند مہینوں تک برابر ایک سلسلہ قائم رہا۔ ہر ہائی نس جناب میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ کی بھی اکثر تقریریں ہوتی ہیں جو ہر لحاظ سے طبقۂ اناث کے لئے مفید و موزوں ہیں۔ مشہور مقررہ مسز سروجنی نائیڈو اور دیگر ممتاز خواتین نے بھی یہاں تقریریں کیں۔ عام خواتین میں شوق پیدا کرنے

---

[1] ان تقریروں کا مجموعہ سبیل الجناں کے نام سے شایع ہو گیا ہے۔

کے لئے کئی مرتبہ تقریروں اور مضمونوں کے مقابلے بھی ہوئے اور کامیاب خواتین کو انعامات عطا کئے گئے۔

حفظانِ صحت، پرورشِ اولاد، اور دوسری ضروریات کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لئے لیڈی ڈاکٹر وقتاً فوقتاً لیکچر دیتی ہیں اور ایسے لیکچروں میں ممبر خواتین کی شرکت لازمی قرار دی گئی۔

سرکار عالیہ نے براہِ شفقت کلب میں مدرس ٹریننگ کلاس بھی جاری فرمایا جس کی قدر و ضرورت خود اُس کے نام سے ظاہر ہے۔

اس کلب کی ممبر خواتین کے لئے خواہ وہ بلحاظ امارت و ثروت کسی درجہ کی کیوں نہ ہوں لازم کر دیا گیا ہے کہ جلسوں میں ان کا لباس سادہ رہے خود بیگمات محترم سادہ وضع رکھتی ہیں اور بے تکلفانہ برتاؤ رہتا ہے۔

سرکار عالیہ نے اس کلب کو صرف تفریح و دلچسپی کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ عملاً عورتوں کی ایک مفید سوسائٹی بنائی اور ہمیشہ اس خیال کو ظاہر فرمایا۔

جنوری ۱۹۱۷ء میں جب اٹھارہویں سال گرہ جلوس کے موقع پر خواتین کلب نے ایڈریس پیش کیا ہے تو اُس کے جواب میں حضور ممدوحہ نے اپنی تقریر میں ایسی سوسائٹیوں اور کلب کا اصل مقصد خواتین کے ذہن نشین کیا تھا کہ :۔

> خواتین! عمدہ سوسائٹی ہمیشہ انسانی اخلاق کو جلا دیتی ہے اور اگر اسی کے ساتھ تعلیم بھی ہو تو نورٌ علیٰ نور ہو جاتی ہے میں خود محسوس کرتی ہوں کہ اس کلب نے آپ کے گروہ میں ایک عظیم تغیر پیدا کر دیا ہے اور مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ خواہ رفتارِ ترقی تیز نہ ہو لیکن اس سے ایک حد تک تو وہ اغراض پورے ہو رہے ہیں جو اس کے قائم کرتے وقت قرار دیئے گئے تھے اس بات کو بھی کبھی بھولنا نہیں چاہیئے کہ کلب اور سوسائٹیاں عموماً کسی اصلاح یا ترقی یا کسی اور عمدہ مقصد کے لئے قائم کی جاتی ہیں اور وہ عموماً شریفانہ مقصد ہوتے ہیں لیکن اگر اس کو نمود و نمائش فیشن و خود بینی کا مرکز بنا لیا جائے تو وہ مقاصد پورے نہیں ہوتے بلکہ برعکس نتائج نکلتے ہیں یا اگر صرف سیر و تفریح کا ہی مقام قرار دے لیا جائے اور اس میں ہمدردانہ کاموں کے

متعلق تبادلۂ خیالات نہ کیا جائے یا کوئی اور مقصد پیش نظر نہ رکھا جائے تو وہ تضیع اوقات
کی جگہ ہو جاتی ہے۔"

حقیقت میں کلب کی یہ دلچسپ زندگی بجائے خود ایک تاریخ رکھتی ہے اور سرکار عالیہ کی
مساعی جمیلہ کی بہترین یادگار ہے۔

نمائش مصنوعات خواتین ہند

مارچ ۱۹۱۴ء میں سرکار عالیہ نے خواتین ہند کی نمائش مصنوعات قایم فرمائی جس کو تعلیم
و تربیت خواتین کے بہترین نتائج میں شمار کیا جاتا ہے اور خواتین کو اپنی ہنرمندیوں اور دستکاریوں
کو خوش سلیقگی اور وقعت کے ساتھ پبلک میں لانے اور نہ صرف اپنی مفید محنت کی داد لینے بلکہ معقول
قیمت یا انعام حاصل کرنے کا بہترین موقع حاصل ہوتا ہے۔

اگرچہ اس سے پہلے بھی مختلف صوبوں میں جو نمائشیں منعقد ہوئیں ان میں زنانہ مصنوعات
کو بھی جگہ دی گئی اور چند سال تک آل انڈیا محمڈن اینگلو اورنٹیل ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھ ہی
زنانہ نمائش لازمی رہی مگر وہ نمائش مسلمان خواتین کی مصنوعات تک محدود تھی لیکن یہ تمام اقوام
ہند کی زنانہ مصنوعات کی پہلی بین الاقوامی نمائش تھی جس کی بنیاد بھوپال میں سرکار عالیہ کے
دست کرم نے قائم کی۔

اگرچہ نمائش کا اعلان و اشتہار صرف چند ماہ قبل دیا گیا تھا اور یہ مدت ایک عظیم الشان نمائش
کے لئے بالکل ناکافی تھی لیکن پھر بھی جو کامیابی ہوئی اس پر جس قدر حیرت کی جائے کم ہے اصل
وجہ سرکار عالیہ کی امداد و اعانت اور مہربانی نفس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ کی توجہ تھی جو
منتظمہ کمیٹی کی پریسیڈنٹ منتخب ہوئی تھیں۔

جماعت منتظمہ میں مختلف قوموں کی خواتین شامل تھیں اور سب نے پوری دلچسپی اور محنت و
کوشش کے ساتھ کام کیا۔

نمائش عالی منزل کی شاندار عمارت میں منعقد ہوئی تھی جو اپنی چھوٹی عمارتوں، چمن بندیوں اور آرائش سے مکمل ہے۔ اس پر روشوں کے گرد رنگا رنگ کی جھنڈیاں ہوا میں لہراتی ہوئی اور مصنوعی کاغذ کے پھولوں کی بیلیں منظر کو بہت ہی دلچسپ بنا رہی تھیں۔ عمارت اور اس کی آرائش بجائے خود نظر اور دماغ کے لئے فرحت افزا تھی۔ اس پر جس سلیقہ و نفاست سے اشیاء نمائش کو آراستہ کیا گیا تھا وہ اور بھی دلفریب نظّارہ تھا۔

اشیاء نمائش کی تعداد (۱۶۲۴) تھی اور یہ تعداد (۲۹۶) مقامات سے موصول ہوئی تھی اس تعداد میں ۲۱ مدارس تھے جس میں تین مدرسے بلدۂ بھوپال کے تھے۔

ان چیزوں میں خود سرکار عالیہ اور بیگماتِ کرام کے علاوہ ہر ہائی نس مہارانی گوالیار جناب نازلی رفعیہ بیگم صاحبہ (جنجیرہ) رانی صاحبہ دہرہ (سلطان پور) مہارانی صاحبہ نرسنگڈھ مہارانی صاحبہ دہار، اور رانی اندر کنور صاحبہ گلبرگہ کی چیزیں امتیازی حیثیت رکھتی تھیں۔

مصنوعات کے ساتھ ایسی ترکاریاں اور پھول بھی رکھے گئے تھے جو خاص باغاتِ بھوپال کی پیداوار تھے تاکہ عورتوں کو اپنے خانہ باغوں، پائیں باغوں اور گھر کے اندر کی آرائش کی ترغیب حاصل ہو۔

باہر سے بھی چند معزز خواتین تشریف لائی تھیں۔ تقریباً ایک ہفتہ تک یہ نمائش قائم رہی جس میں کچھ دن مردوں کے لئے بھی معیّن تھے۔ سرکار عالیہ و بیگماتِ کرام نے اکثر چیزوں کو خرید فرما کر بنانے والیوں کی حوصلہ افزائی کی، اور سات طلائی، اکیس ۲۱ نقرئی اور ۳۴ برنجی تمغے اور ۱۸ سرٹیفکٹ عطا کئے گئے۔

مقامی نمائشیں اس نمائش کے علاوہ متعدد مرتبہ خواتین و مدارس بھوپال کی مصنوعات کی نمائشیں منعقد ہوئیں۔ آخر مرتبہ ۱۹۲۸ء میں ایک شاندار مقامی نمائش ہوئی تھی جس میں شہر و مفصّلات سے بہ کثرت اشیاء داخل ہوئیں سرکار عالیہ نے اس نمائش میں بجائے تمغوں کے نہایت فیّاضی کے ساتھ نقد انعام عطا فرمائے۔

اسی سلسلہ میں مضامین کا امتحانِ مقابلہ بھی ہوا اور کامیاب خواتین کو معقول انعام دیا گیا۔

جدید نظامِ حکومت

سرکارِ عالیہ نے سال ہشتم جلوس میں معظّمات امور پر غور و بحث فرمانے کے لئے ایک مجلس بنام اسٹیٹ کونسل قائم فرمادی تھی جس میں دونوں صاحبزادے اور اعلیٰ عہدہ داران ریاست شریک تھے تاہم تمام تر ذمہ داری ذاتِ اقدس ہی پر تھی اور اگرچہ وسیع طریقہ پر مشورہ کی اہمیت کا زبردست احساس اور میلان طبع جمہوریت کی طرف تھا مگر اس احساس و میلان کے مطابق آغاز ہی میں حالات ملک کے لحاظ سے نظامِ حکومت قائم کرنا بہت سی پیچیدگیوں اور مشکلوں کا باعث ہوتا اس لئے تبدیل حالت اور وقت کا انتظار تھا چنانچہ ۲۲ سال تک بہ نفسِ نفیس محنت و انہماک کے بعد جب وقت آگیا تو ۱۹۲۲ء میں سرکارِ عالیہ نے نظامِ حکومت میں تبدیلی فرمادی۔ ایک مجلس اسٹیٹ کونسل کے نام سے قائم کی گئی جس میں پانچ ممبروں کو مختلف محکمات تفویض فرمائے اور خود اس مجلس کی صدر رہیں۔

وضع قوانین کے لئے مجلس واضع قوانین قائم کی جس میں سرکاری عہدہ داروں کے ساتھ پبلک کو بذریعہ انتخاب نمایندگی کا حق عطا کیا گیا۔

اگرچہ سرکارِ عالیہ کے عہدِ حکومت میں مجلس واضع قوانین کا افتتاح نہ ہوسکا لیکن مئی ۱۹۲۲ء میں اسٹیٹ کونسل کا افتتاح کیا گیا۔ اس کونسل کے افتتاح کے وقت ایک مختصر تقریر میں فرمایا:۔

"مجھے ہمیشہ شاورھم فی الامر پر دلی عقیدہ اور دلی یقین رہا اور یہی وجہ تھی کہ میں نے حکومت کے دوسرے ہی سال باوجودیکہ بہت سی مشکلات کا احتمال تھا اصول وزارت کو بدل دیا اور اپنے نظامِ حکومت میں مشورہ کو ایک ضروری اور اہم جز کی حیثیت سے شامل رکھا۔ اور ہمیشہ مختلف شکلوں میں عامۃً ذمہ دار عہدہ داروں اور ضرورت کے لحاظ سے رعایا کے با اثر افراد سے مشورے حاصل کئے لیکن اب اس مشورہ کو ایک وسیع اور آئینی صورت میں اسٹیٹ کونسل کے نام سے اختیار کیا گیا ہے جس کا اعلان ہز رائل ہائی نس

پرنس آف ویلز کی تشریف آوری کے موقع پر ہوچکا ہے اور آج اس کونسل کا باضابطہ افتتاح کرتی ہوں مجھے قوی امید ہے کہ یہ کونسل کامل صداقت ضمیر کے ساتھ میری امیدوں اور عامۂ رعایا کی توقعات کے مطابق اپنے فرائض کو پورا کرے گی۔"

ہائی کورٹ اور جوڈیشل کونسل کا قیام

اگرچہ نظامِ عدالت کی عمدگی پر ابتدا سے ہی توجہ تھی لیکن جدید اصلاحات کے سلسلہ میں سرکارِ عالیہ نے ہائی کورٹ اور جوڈیشل کونسل کو بھی فرمان شاہی کے ذریعہ سے قائم کیا۔

ہائی کورٹ کے افتتاح کی تقریب

۱۹۲۳ء میں ہز اکسیلنسی لارڈ ریڈنگ نے افتتاح کیا جو اپنے عدالتی وقانونی اوصاف میں اپنے پیشرؤں پر فضیلت رکھتے ہیں اور بہ حیثیت مقنّن کے تمام دُنیا میں مشہور ہیں۔

افتتاح کے وقت ہز اکسیلنسی نے ایک بلیغ ایڈریس ارشاد کیا جس میں سرکارِ عالیہ کے انصاف و نظام معدلت کے متعلق کہا کہ :-

لارڈ ریڈنگ کی تقریر کا اقتباس

آپ نے جو ہندوستان اور انگلستان کے نظام و طریقۂ انصاف کو پسند فرما کر ان ہی اصول پر بھوپال ہائی کورٹ کو قائم کیا۔ یہ حقیقتاً اس طریقۂ عدل و نظام انصاف کی خوبیوں کا اعتراف ہے جس کی میں نہایت قدر کرتا ہوں یہ وہ نظام ہے جو صدیوں کے تجربات اور تدوینِ ارتقا کا نتیجہ ہے۔

یور ہائی نس کی بیدار مغزی کی یہ نہایت روشن دلیل ہے کہ آپ نے مشرقی زمین میں عمدہ مغربی پھلوں کی کاشت کی اور مغربی خصوصیاتِ کاشت کے لحاظ سے زمین کو تیار کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یور ہائی نس انصاف و معدلت کو نظم ونسق کی بنیاد اصلی سمجھتی ہیں۔

یہ معلوم کرکے میرا دل بے حد مسرور ہوتا ہے اور میرے دماغ میں ایک امید افزا کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ یور ہائی نس نے اپنے ہائی کورٹ کا نظام اِس طرح پر قائم کیا ہے جس سے کہ جج آزادی کے ساتھ اپنے فیصلے کریں گے اور بغیر کسی کے خوف اور خیال

میں .... خوشنودی کے اپنی رائے کا اظہار کریں گے
یور ہائی نس کو اس ہائی کورٹ کے قیام کی مبارکباد دیتا ہوں جو ان اصلاحی کاموں میں سے
ایک ہے جو یور ہائی نس کے زمانۂ حکومت کو خاص امتیاز بخشتے ہیں۔
مجھے یقین ہے کہ بھوپال کا یہ ہائی کورٹ ایک مجسّمہ کی طرح یور ہائی نس کی حکومت
کے عدل و انصاف نیک نیتی اور تدبر کا مظہر ہوگا۔

فنانشل حالت

آمدنی کے بالمقابل ضروری مصارف اور خزانہ کی حالت ہمیشہ قابل لحاظ ہوتی ہے سرکار عالیہ نے خزانہ کو تقریباً بالکل خالی پایا تھا اور اس وقت جو پریشانی تھی اُس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ہر وقت اُن کے تردد کو دیکھکر بے چین رہتے تھے اور اس کی نسبت تو کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ جب ریاست بے انتہا اصلاحات کی محتاج تھی، قحط سالیوں کا مقابلہ ہو چکا تھا تو خزانہ میں روپیہ کی کس قدر اور کیسی ضرورت تھی۔

ہر زمانہ اور ہر ملک میں کسی ریاست کے انتظامات کی درستی اور اصلاحات اور اس کی ترقی و بہبودی کے لئے اور خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ تمدّن غیر معمولی طور پر بڑھ رہا ہو روپے کی اسی قدر ضرورت ہے جس قدر جسم انسان کے لئے خون کی۔ بغیر روپے کے حقیقت یہ ہے کہ پُرانے نظامات کو قائم رکھنا بھی سخت دشوار ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ جدید نظام مرتب کیا جائے۔

سرکار عالیہ ایسے نازک زمانہ میں اگرچہ متردد تھیں لیکن انھوں نے بے مثل ہمت اور مافوق العادت استقلال سے کام لیا اور خزانہ کی حالت دُرست کرنے کی طرف توجہ فرمائی اور اس توجہ کا بہت جلد کامیاب نتیجہ بھی نکلا۔ مختصراً اس ربع صدی کی مدت حکومت میں کبھی دوبارہ مالی مشکلات کا سوال نہیں آیا۔ لاکھوں روپیہ اصلاح ملک اور رفاہِ عامّہ پر صرف ہوا۔ صدر و مفصّلات میں بڑی بڑی عالی شان اور ضروری عمارتیں تعمیر کرائیں۔ متعدد ضروری محکمے قائم کئے۔ شہنشاہی درباروں میں شرکت کی۔ شاہی مہمانوں کی دارالرّیاست میں میزبانی ہوئی محاربۂ عظیم میں لاکھوں روپیہ مختلف صورتوں میں سلطنتِ برطانیہ کی امداد میں دیا۔
اقطاعِ ہند کے متعدد سفر کئے، حج بیت اللہ و زیارتِ روضۂ رسول کا شرف

حاصل کیا دو مرتبہ یورپ کی سیاحت فرمائی۔ قوم اور ملک کی رفاہ عام میں لاکھوں کے عطیات مرحمت فرمائے۔ سروس کا معیار مشاہرات بلند کر کے باقاعدہ پنشن و انعام کو جاری کیا۔ ساتھ ہی متعدد ٹیکس جو قدیم سے قائم تھے اور سنین ماضیہ کے واجب الوصول بقایا کو معاف فرما دیا۔

غرض سنہ ۱۹۲۵ء کے بجٹ کی رو سے جو سرکار عالیہ کے دورِ فرماں روائی کا آخری بجٹ تھا) باسٹھ لاکھ اکانوے ہزار پانسو چوہتر روپیہ چودہ آنہ ڈیڑھ پائی (۶۲ لکھ ۹۱ ہزار ۵۷۴ روپے ۱۴ آنے ۱½ پائی) آمدنی اور اٹھاون لاکھ انتالیس ہزار دو سو دس روپیہ پندرہ آنہ سات پائی (۵۸ لکھ ۳۹ ہزار ۲۱۰ روپے ۱۵ آنے ۷ پائی) خرچ تھا۔

طریق کارفرمائی

دفتر انشا کی تہذیب سے قبل زمانۂ قدیم کے طریقہ پر تمام کاغذات میر منشی کے ذریعہ سے پیش ہوتے تھے اور سماعت کے بعد جو حکم دیا جاتا اُس کو نوٹ کر لیا جاتا اور پھر وہ نوٹ حکم کی شکل میں دستخطوں کے لئے روبکاری میں پیش ہوتا جس پر (ص) بنا دیا جاتا۔

لیکن سرکار عالیہ نے جو تنظیم کی اُس کے لحاظ سے ہر سکریٹری کے شعبے میں متعلقہ دفاتر سے کاغذات آتے ان کاغذات کا احتیاط کے ساتھ خلاصہ تیار کیا جاتا۔ اور اس طرح ہر روز ایک بڑی تعداد کاغذات کی روبکاری میں پیش ہوتی۔ عموماً صبح کا وقت ان کاغذات کے ملاحظہ کا ہوتا۔ سرکار عالیہ ان کاغذات کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اپنے قلم سے احکام تحریر فرماتیں۔ ایسے احکام اکثر اوقات ایک مختصر توقیع کی شکل میں ہوتے اور بعض وقت طوالانی بھی ہو جاتے مگر تمام جزئیات پر حاوی ہوتے ملاحظہ طلب کاغذات پر فلیگ (نشان) لگا دیا جاتا اور سرکار عالیہ جب ضرورت سمجھتیں تو ان ہی کاغذات کو نہیں بلکہ مثل کے ہر ایک کاغذ کو ملاحظہ فرما لیتیں۔

سرکار عالیہ کی توقیعات نہایت دلچسپ اور اخلاقی و ادبی حیثیت سے کامل ہوتی تھیں اگر کسی معاملہ میں کوئی امر دریافت طلب ہوتا تو اس کو بالمشافہ پیش کرنے کا حکم دیا جاتا۔

خاص خاص معاملات جو اہم ہوتے ان پر اراکین ریاست سے تبادلہ خیالات ہوتا اس کے بعد احکام صادر کئے جاتے۔ پھر تمام احکام ایک مقررہ شکل میں سکریٹریٹ سے جاری ہوتے تبادلۂ خیالات میں اقتدار شاہانہ ہی نہیں بلکہ دلائل و براہین کی بنا پر عموماً سرکار عالیہ کی رائے غالب رہتی اور جب کبھی سرکار عالیہ کے دلائل و براہین بمقابلہ اراکین ریاست کی رائے کے ضعیف ثابت ہوتے تو اس کے اعتراف اور اپنی رائے کی واپسی میں مطلق تامل نہ ہوتا مگر ایسے اتفاقات شاذ و نادر ہی ہوتے۔

سرکار عالیہ جب کسی معاملہ پر تبادلۂ خیالات اور بحث فرماتیں تو اس وقت عورت اور مرد کی دماغی قابلیتوں کے توازن کا نہایت نادر موقع حاصل ہوتا ایسے اوقات میں مباحثہ کا لہجہ اس قدر متین سنجیدہ اور دوسرے کے لئے حوصلہ افزا ہوتا کہ آزادیٔ بحث میں مطلق فرق نہیں آتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ خود کسی اصلاح کے متعلق اپنا نوٹ تحریر فرماکر بھیجدیتیں اور تبادلۂ خیالات کے لئے یا کسی معاملہ کی تفصیلات سمجھنے کے لئے عہدہ دار متعلقہ یا چند اراکین کو طلب فرمالیتیں۔

ایک واحد ذات کے لئے گوناگوں اور نوع بہ نوع کاموں کا ہجوم اور یکے بعد دیگرے ان کی پیشی جس قدر دلچسپ نظارہ تھا وہ صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

سرکار عالیہ کی سیاست ملکی کے متعلق صرف اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ بیشتر جذباتِ ترحم سیاست پر غالب آجاتے مگر اسی حد تک جہاں تک کہ اشخاص اور دربار کا تعلق ہوتا اور اصولِ انصاف و تلافیٔ حقوق العباد پر اس کا اثر نہ پڑتا۔

عدالتی فیصلوں کا آخری اپیل بنفسِ نفیس سماعت فرماتیں اکثر مقدمات کے مالۂ و ماعلیہ پر برائے العین واقفیت حاصل کرتیں اور پھر آخری فیصلہ کے متعلق نوٹ تحریر فرمادیتیں۔ جو فیصلہ کی شکل میں مرتب ہو کر پھر ملاحظۂ اقدس میں پیش ہوتا۔ اور امضائے شاہی سے مزین ہونے کے بعد صادر کیا جاتا۔

سرکار عالیہ نے آخری فیصلہ کی ذمہ داری جن وجوہ سے اپنی ذاتِ گرامی پر عائد کی ان کو خود ہی ظاہر فرما دیا ہے۔

"میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ریاست میں مقابلتاً صیغہ جوڈیشل کسی قدر قابل اطمینان تھا لیکن اس میں پھر بھی بہت سی اصلاحات کی ضرورت نظر آتی تھی اور رعایا کو وہ کامل اطمینان جو عدالت ہائے انصاف پر ہونا چاہیئے حاصل نہ تھا اور مجھے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ میں خود عدالہائے انصاف کی کارروائیوں کی جانچ کروں اس کے علاوہ بعد فیصلہ وزارت میری روبکاری میں فریق ناکامیاب کی طرف سے اپیل کے طور پر بہ کثرت درخواستیں پیش ہوتی تھیں اور نیز بلحاظ تقسیم ان اختیارات کے جو میں نے وزارت شکست کرنے کے بعد معین المہام و نصیر المہام ریاست کو دیئے تھے یہ ضروری اور مناسب سمجھا کہ ان ہر دو محکمہ کا اپیل میرے روبرو پیش ہو تاکہ جو رعایا محکمات ماتحت کے فیصلہ سے ناراض ہو اس کا اطمینان بھی ہو جائے اور مجھے اُن کی کارروائیوں کی جانچ کا بخوبی موقع ملے اور نیز عدالت ہائے ماتحت عدل و انصاف کا پورا خیال رکھیں۔

اگرچہ کبھی کوئی شخص یہ نہیں کر سکتا کہ مدعی و مدعا علیہ کو راضی رکھ سکے مگر جب اولی الامر اس پر خاص توجہ کرتا ہے اور اپنا فرض منصبی جس سے عدل مُراد ہے کامل طور پر ادا کرتا ہے تو اس کی رعایا کا ہر متنفس خوش رہتا ہے۔

میں ہمیشہ اس امر کی کوشش کرتی ہوں اور ہر وقت اُس سب سے بڑے احکم الحاکمین سے دُعا رہتی ہے کہ وہ مجھے اپنے اس حکم اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ؕ کی تعمیل میں کامیاب بنائے۔"

ساتھ ہی اپنے فیصلہ میں چند قانون داں عہدہ داروں سے قانونی مشورے حاصل کرنے کے لئے ایک اجلاس کامل بھی قائم فرما دیا تھا۔

اگرچہ عدالت ہائے انصاف پر ذاتی نگرانی تھی تاہم پبلک و پرائیوٹ دونوں طریقوں سے حکام عدالت کو ہمیشہ عدل و انصاف کی طرف متوجہ رکھتی تھیں اور ایک لمحہ بھی قلبِ مبارک انصاف کی ذمہ داری کے خیال سے خالی نہیں ہوا۔

جوڈیشل کورٹ کے افتتاح کی تقریب میں جوڈیشل افسروں کی جانب سے ایک ایڈریس پیش کیا گیا تھا اس موقع پر سرکار عالیہ بے انتہا متاثر تھیں۔ ایڈریس کے جواب میں وہی خیال اثر

کارفرما تھا۔ انھوں نے نہایت مؤثر طریقہ میں خطاب کیا کہ :۔

"اے حکامِ عدالت! میں انصاف وعدل کے فلسفہ پر یہاں کچھ کہنا نہیں چاہتی لیکن جب کہ ہم ایسی عمارت کے افتتاح کے لئے جمع ہیں جہاں میری رعایا کی قسمت کے فیصلے ہوں گے جن کا اثر اس کی جان، مال اور آبرو پر ہوگا تو میرا دل کسی طرح یہ گوارا نہیں کرتا کہ میں اس مسئلہ پر قطعی خاموشی اختیار کروں۔ میں آپ سے صرف چند جملوں میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ دُنیا میں یہی ایک ایسا فرض ہے جس کی بجا آوری میں کوئی قوت و طاقت حائل نہیں ہو سکتی اور کوئی اثر حاکم کے ضمیر کو مغلوب نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا نصب العین اور مقصد صرف انصاف ہوتا ہے۔

انصاف خدا اور بندے کے درمیان ایک معاہدہ ہے جس کو وہ سورۂ انعام میں اس طرح یاد دلاتا اور نصیحت کرتا ہے کہ [۵۱] وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ اس نصیحت پر عمل کرنے والے کو اپنے دوستوں کے زمرہ میں داخل کرتا ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا ہے [۵۲] وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ سورۂ نساء میں حکم صادر کرنے والوں کو تہدیدی حکم ہے کہ [۵۳] وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ۔ اسی آیت کو میں نے اس کورٹ کے نشانِ عدالت پر رقم کیا ہے تاکہ ہر وقت آپ سب افسروں کے دلوں میں اس حکم خدائے ذوالجلال کی تعمیل کا خیال رہے اور اس احکم الحاکمین کے خوف کو پیش نظر رکھ کر

---

۵۱ یعنی اور جب بات کہو (یعنی گواہی دینی ہو یا فیصلہ کرنا پڑے) تو گو (فریق مقدمہ) اپنا قرابت مند ہی کیوں نہ ہو انصاف (کا پاس) کرو اور اللہ کے (ساتھ جو) عہد (کر چکے ہو اس) کو پورا کرو یہ ہیں وہ باتیں جن کا تم کو خدا نے حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

۵۲ یعنی اگر فیصلہ کرو تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

۵۳ (یعنی) اور جب حکم کرو تم درمیان لوگوں کے یہ کہ حکم کرو ساتھ انصاف کے۔

رعایا کے انصاف میں سرگرم رہیں۔"

تنظیم جدید کے بعد چونکہ کام تقسیم ہوگیا اور مشیر المہاموں کے اقتدارات و اختیارات بڑھا دیئے گئے تھے اور اسٹیٹ کونسل میں مہمات امور پیش ہونے لگے۔ ہائی کورٹ قائم ہوگیا اِس لئے کام کی وہ کثرت بھی نہ رہی جو اس سے پہلے تھی تاہم معظمات امور سرکار عالیہ کی روبکاری سے طے ہوتے تھے مشیر المہاموں اور کونسل کی کارروائیوں پر عمیق توجہ رکھتی تھیں اور احکام اخیر صادر فرماتی تھیں۔ بعض اوقات بحث و تبادلۂ خیالات کے لئے مشیر المہام یا سکریٹری روبکاری میں طلب کئے جاتے یا وہ خود کسی معاملہ میں استصواب کے لئے حاضر ہوتے صیغہ سیاسیات کا تعلق بالکلیہ ذاتِ خاص سے تھا اور بعض دیگر شعبے بھی خاص نگرانی میں تھے۔ تمام کاغذات غور کے ساتھ ملاحظہ فرما کر علی العموم کل احکام قلمِ خاص سے تحریر فرماتیں۔

دربار

سرکار عالیہ کبھی کبھی سال گرہ صدر نشینی کے دن یا کسی اور موقع کے لحاظ سے عموماً صدر منزل کے وسیع اور رفیع الشان ایوان میں دربار بھی منعقد فرماتی تھیں۔ ہر طبقہ کے معززین و اعیان جمع ہوتے تھے اور اپنے اثر و عظمت کے لحاظ سے یہ دربار ریاستِ بھوپال کا ایک قابلِ یادگار منظر ہوتا تھا اگرچہ اس کی عظمت و جلال کی تصویر لفظوں میں نہیں کھنچ سکتی تاہم مؤلف سوانح کی کوشش ہے کہ ناظرین کسی طرح ایک دربار کی ہلکی سی جھلک دیکھ سکیں اور شاید اس طرح ناظرین کی آنکھوں میں دربار سلطانی کی تصویر پھر جائے۔

اب ذرا آنکھیں بند کر کے سب سے پہلے چشم تصور کو وا کیجئے اور دیکھئے کہ ایوان میں دو وسیع و بلند دالان ہیں جن کے ستونوں، محرابوں، اور چھتوں پر سنہرا کام بنا ہوا ہے۔ بدرجۂ غایت آراستہ و پیراستہ کئے گئے ہیں اور تمام آرائش میں مذاقِ صحیح کی جلوہ گری ہے شرکار دربار کے لئے خوبصورت اور نفیس کرسیوں کی قطاریں اِس ترتیب سے مرتب ہیں کہ ان پر بیٹھنے والوں کے چہرے تخت کی طرف رہتے ہیں اور جن کی یکساں وضع اور مسلسل سلسلہ کو سرسری نظر سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہایت باقاعدہ اور منظم فوج کے دستے دو رویہ کھڑے ہیں اب ذرا آگے بڑھئے تو دالان کے سرے پر ایک خوشنما تخت ہے اور تخت پر ایک مرصع طلائی کرسی رکھی ہے۔

چبوترہ پر مع بینڈ کے گارڈ آف آنر صف بستہ کھڑا ہے اندر تمام سول عہدہ دار درباری لباس اور ملٹری آفیسر اپنی اپنی دیدہ زیب وردیاں پہنے ہوئے موکبِ سلطانی کے لئے چشم براہ ہیں اور سامنے گیلری میں ہائی اسکول کی اعلیٰ جماعتوں کے طلباء کی صف مؤدب بیٹھی ہے دربار کے کل حصّوں میں ہر چیز پر سادگی برس رہی ہے باوجود اس سادگی کے یہ ایوان وقار و عظمت اور جاہ و جلال کی تصویر ہے اور چاروں طرف ایک پُر اثر خاموشی چھائی ہوئی ہے اور آخر اس پُر عظمت خاموشی اور سکون کا خاتمہ سرکار عالیہ کی یکایک تشریف آوری پر ہوتا ہے جو ٹھیک وقت پر باین جاہ و جلال جلوہ افروز ہوتی ہیں کہ فرقِ مُبارک پر ایک تاج نما ٹوپی ہے، روئے انور پر نقاب ہے جس میں جمالِ شاہی مستور ہے۔ جسمِ اقدس پر خطابات کی گون ہے جس پر متعدد تمغے ضوفگن ہیں۔

سرکار عالیہ کے جلوہ افروز ہوتے ہی تمام مجمع سروقد تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ سلامی کے لئے گارڈ آف آنر میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور بینڈ بھوپال انتھم شروع کر دیتا ہے۔

سرکار عالیہ چند لمحہ کے لئے رُکتی ہیں اور فوجی انداز سے دستِ ہمایونی پیشانیٔ اقدس پر جاتا ہے گویا ان کی سلامی کو قبول فرماتی ہیں پھر آہستہ آہستہ تختِ شاہی کی طرف حاضرین کا سلام لیتی ہوئی بڑھتی ہیں اور اپنی طلائی کرسی پر رونق افروز ہوتی ہیں۔

چند منٹ تک ایک پُر اثر خاموشی پھر طاری ہو جاتی ہے کچھ عرصہ گذرنے کے بعد سرکار عالیہ کھڑی ہوتی ہیں اور اپنی دلآویز و وقار اثر تقریر شروع کرتی ہیں۔ سرکار عالیہ کے اندازِ تقریر کی متانت و سنجیدگی اور لطافت ایک ایسی ناممکن التعبیر کیفیت ہے کہ اس کا نقشہ کھینچنا ممکنات سے نہیں۔ بہر حال یہ تقریر جب اثر و محویت کے ہجوم میں ختم ہو گئی تو اعیان و ارکانِ ریاست کے مجمع میں نذر پیش کرنے کے لئے حرکت ہوئی۔ سب سے پہلے سرکار عالیہ کے دالا مرتبت نورِ عین بڑھے ان کے بعد اعیانِ خاص اور پھر علی الترتیب سول و فوجی عہدہ دار اور وابستگانِ دولت نے نذریں پیش کیں۔ جب نذریں پیش ہو چکیں تو جس طرح سرکار عالیہ تشریف لائی تھیں اسی طرح تشریف لے گئیں اور یہ شاندار منظر ختم ہو گیا۔

عطائے خطابات

اگرچہ فرماں روایانِ بھوپال اپنے ملکی و فوجی عہدہ داروں اور ارکانِ خاندان کو خطابات دیتے تھے لیکن سرکار عالیہ نے عہدہ داروں کی خدمات کے

اعتراف کے ساتھ پبلک کام کرنے والوں کی اعتراف خدمات اور حوصلہ افزائی واعزاز کے لئے بھی خطابات کا سلسلہ قائم فرمایا۔

سرکار عالیہ کے خطابات

سرکار عالیہ کی ممتاز قابلیتوں اور اعلیٰ اوصاف کے اعتراف میں ۱۹۰۴ء میں ہز امپیریل مجسٹی کنگ ایڈورڈ ہفتم نے خطاب جی، سی، آئی، ای سے ممتاز فرمایا اور اس خطاب کا تمغہ ہز رائل ہائینس پرنس آف ویلز (شہنشاہ جارج پنجم قیصر ہند) نے اندور میں اپنے دستِ مبارک سے عطا کیا۔

جنوری ۱۹۱۰ء میں جی، سی، ایس، آئی پھر ۱۹۱۱ء میں دربار کارونیشن کے موقع پر سی، آئی (تاج ہند) اور ۱۹۱۷ء میں جی، بی، ای کے خطابات حاصل ہوئے۔

آخر الذکر خطاب فوجی اعزاز کا ہے جو ملک معظم قیصر ہند کی جانب سے فوجی امدادوں کے اعتراف کی نشانی ہے۔

دُنیا کے حصہ میں ان تمام اعزازات وخطابات کے لحاظ سے شاید ہی کوئی خاتون سرکار عالیہ کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح حضور ممدوحہ اپنے کمالات وفضائل کے لحاظ سے فرد فرید ہیں اُسی طرح اپنی شہرت وعظمت اور اعزاز واحترام کے اعتبار سے یگانۂ روزگار ہیں۔

شاہی مہمان اور شاہانہ مہمان نوازی

سرکار عالیہ کے عہدِ حکومت میں والیسرایان وسپہ سالارانِ افواج ہند اور شہزادہ وولیعہد سلطنت وگورنرانِ صوبجات، اور اکثر ممتاز یورپین لیڈیز اور جنٹلمین اور ہندوستانی روسا، اور شاہیر مہمان ہوئے اور سرکار عالیہ نے نہایت اولوالعزمی، اخلاق، اور فیاضی کے ساتھ ہمیشہ مہمان نوازی فرمائی اور اپنے معزز مہمانوں کے قیام کو مختلف قسم کے مشاغل وتفریحات سے دلچسپ بنایا۔

ریاستوں کے مہمانوں میں والیسرایانِ ہند اور سپہ سالارانِ اعظم کی میزبانی ایک خاص

اہمیت رکھتی ہے اور مہمان و میزبان کے مذاق طبیعت کے لحاظ سے اس موقع پر مختلف قسم کی تقریبات انجام دی جاتی ہیں اور مہمانوں کے قیام کو خوشگوار بنانے کے لئے انتظام ہوتا ہے ریاست کی طرف سے اسٹیشن آراستہ کیا جاتا ہے گارڈ آف آنر سلامی کے لئے صف بستہ ہوتا ہے اور جلوس کے لئے فوجی دستے حاضر رہتے ہیں ارکان و عہدہ داران ریاست مدعو ہوتے ہیں اسٹیشن سے وائسرائگل کیمپ تک (جو نہایت شاندار اور خوشنما بنایا جاتا ہے) دو رویہ فوج و پولیس انتظام کے لئے استادہ ہوتی ہے ان انتظامات کے ساتھ فرمانروا اپنے مہمانِ گرامی کا استقبال کرتا ہے۔

جس وقت ویسرائے کی اسپیشل ٹرین رکتی ہے ۳۱ ضرب توپ خانہ سے سلامی سر کی جاتی ہے جب ویسرائے اپنے سیلون سے برآمد ہوتا ہے تو پولٹیکل ایجنٹ اور رزیڈنٹ جو اس موقع پر حاضر رہتے ہیں فرمانروا اور عہدہ داروں کا رسمی تعارف کراتے ہیں یہی رسمی تعارف ہر اکسلینسی کے برآمد ہونے پر بھی ہوتا ہے۔ ویسرائے گارڈ آف آنر کا معائنہ کرتا ہے اس کے بعد ویسرائے اور فرماں روا ایک گاڑی میں ویسرائگل کیمپ روانہ ہوتے ہیں اور اُن کے عقب میں ہر اکسلینسی کی سواری ہوتی ہے اور اس گاڑی میں ایجنٹ گورنر جنرل اور ایک سردار ریاست ہوتا ہے پھر اور مہمانوں کی سواریاں ہوتی ہیں یہ جلوس کیمپ تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور فرماں روا اپنے محل کو واپس آجاتا ہے اس کے بعد کچھ معیّنہ مراسم ادا ہوتے ہیں اور ویسرائے کی قیام گاہ پر فرماں روا کی ملاقاتِ ضابطہ ہوتی ہے جس کے لئے باقاعدہ درباری انتظام ہوتا ہے اور برطانوی فوج کا گارڈ آف آنر سلامی کے لئے حاضر رہتا ہے۔ فرماں روا کو سکریٹری اور ویسرائے حدِ معین تک رسیو کرتے ہیں کچھ اخلاقی گفتگو اور سردارانِ ریاست کی نذریں پیش ہونے کے بعد ویسرائے اپنے ہاتھ سے عطر و پان کی تواضع کرتا اور ہار پہناتا ہے اور دوسرا افسر اسی طرح سردارانِ ریاست کی تواضع کرتے ہیں پھر ایوانِ فرمانروا میں ایک دربار منعقد ہوتا ہے جس میں ارکان و عہدہ دارانِ ریاست اور مہمانانِ شاہی شریک ہوتے ہیں۔ سردارانِ ریاست جن کو بلحاظ مرتبہ استحقاق ہوتا ہے ویسرائے کے سامنے نذریں پیش کرتے ہیں۔ اور فرماں روا بذاتِ خاص ویسرائے اور پولٹیکل ڈپارٹمنٹ کے اعلیٰ عہدہ داروں کی عطر و پان اور مقیشی ہاروں سے مدارات کرتا ہے اور باقی حاضرین کی مدارات

.... دوسرے افسروں کے سپرد ہوتی ہے اس رسم پر یہ دربار ختم ہوجاتا ہے۔

سرکار عالیہ کے عہد مبارک میں ہز ایکسلنسیز لارڈ منٹو، لارڈ ہارڈنگ، لارڈ چیمسفورڈ، اور لارڈ ریڈنگ اپنے اپنے عہدۂ ویسرائلٹی میں ریاست کے مہمان ہوئے اور آخر عہد ۱۹۲۲ء میں ہز رائل ہائنس پرنس آف ویلز نے اپنے ورودِ مسعود سے اعزاز و افتخار بخشا۔

سرکار عالیہ نے ہمیشہ اپنے مہمانانِ گرامی کے استقبال اور مہمان داری میں کامل جذباتِ احترام کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اسلامی شانِ میزبانی کے ساتھ جہاں ایک حد تک مغربی طریقۂ مہمان نوازی اختیار کیا وہاں مشرقی دستور و آئین کو بھی ملحوظ رکھا۔

ہز رائل ہائینس کی آمد کے موقع پر جب مراسمِ دربار کے سلسلہ میں تحائف پیش ہوئے تو سرکار عالیہ نے ان تحائف میں ایک نہایت بیش قیمت تلوار بھی پیش کی تھی جس کے قبضۂ مرصع پر اس شعر کی بھی ترصیع تھی کہ ؎

مبارکباد شمشیرت کہ داری بر بلا در کف بقا اندر فنا در کف، فنا اندر بقا در کف

ان مواقع پر ون کے دربار ضابطہ کے علاوہ شب کا اسٹیٹ ڈنر بھی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ڈنر کے بعد پہلے ملک معظم قیصر ہند کے اور مہمان و میزبان اپنی اپنی تقریروں میں ایک دوسرے کے جامِ صحت کی تجویز کرتے ہیں اور یہ تحریک پہلے میزبان کی اور پھر مہمان کی تقریر میں ہوا کرتی ہے۔ ان تقریروں میں ریاستوں کے متعلق مسائلِ مہمہ اور نظم و نسق ملکی پر بھی اظہارِ خیالات ہوتا ہے۔ سرکار خلد مکاں کا طریقہ تھا کہ ڈنر ہونے تک وہ ایک علیحدہ کمرے میں تشریف فرما رہتیں پھر پس چلمن اپنی تقریر سُنا دیا کرتیں۔

سرکار عالیہ نے یہ طریقہ رکھا تھا کہ جیسے ہی ڈنر ختم ہوتا وہ اپنے کمرے سے مہمانوں کے حلقے میں تشریف لے آتیں اس وقت برقع و نقاب میں ہوتیں لیکن برقع کے اوپر اسٹار آف انڈیا کی گون پہنتی تھیں اور گون پر جگمگاتے ہوئے تمغے آویزاں ہوتے سرِ مبارک پر ایک تاج نما ٹوپی ہوتی تھی جس کے نیچے چہرہ پر نقاب ہوتا تھا ملکِ معظم قیصرِ ہند کے جامِ صحت کی تحریک کے بعد اُردو میں اپنی تقریر شروع فرماتی تھیں۔

ان تقریروں میں سرکار عالیہ کی وہ تقریر[1] جو ہز اکسلنسی لارڈ ہارڈنگ کے ڈنر پر ہوئی تھی اپنی فصاحت و بلاغت اور دوسری خوبیوں کے لحاظ سے نہایت ہی ممتاز ہے اور اس میں اپنے جذباتِ وفاداریٔ تاج، مہمانِ محترم کی شخصیت، قدیم تعلقات اور ان کی حکومت کی پالیسی وغیرہ کے بیان میں تمام اوصافِ خطابت نمایاں ہیں۔

یورپین لیڈیز کو سرکار عالیہ کے مہمان بننے میں ایک خاص دلچسپی اور لطف حاصل ہوتا تھا کیونکہ وہ یہاں مشرقی تہذیب کو ملا جلا دیکھتی تھیں پھر ان کو ایک مسلمان خاتون کے طرزِ معاشرت دیکھنے کا موقع ملتا تھا جو اُن کے لئے بالکل ایک نئی چیز ہوتی تھی پھر کلب کے جلسے اور مدارس نسواں کے معائنے تو اُن کے لئے نہ صرف ایک ناقابلِ فراموش نظارہ ہوجاتا بلکہ وہ ایک عجیب یاد اپنے ساتھ لے جاتیں۔

ضابطہ کے درباروں میں از روئے ضابطہ لیڈیز شریک نہیں ہوتیں۔ لیکن جب بھوپال میں لارڈ منٹو تشریف لائے اور یہ دربار ایوانِ صدر منزل میں منعقد ہوا تو ہز اکسلنسی لیڈی منٹو کو اس کے دیکھنے کا کمال اشتیاق تھا کیونکہ درحقیقت مشرق و مغرب میں یہ بالکل نئی قسم کا سماں تھا کہ ایک ملکِ معظم کے قائم مقام کے ساتھ ایک فرمانروا بیگم کی شاہی ضوابطِ دربار کے ساتھ ملاقات ہوتی ہے۔

اُن کا یہ اشتیاق اس طرح پورا کیا گیا کہ محل پر ویسرائے کی آمد کے قبل وہ مع چند اور یورپین لیڈیز کے تشریف لائیں اور گیلری میں ان کی نشست کا انتظام کیا گیا جس وقت یہ دربار ہوا تو ہز اکسلنسی اور تمام لیڈیز محوِ نظارہ و حیرت تھیں کہ کیسی شائستگی و متانت سے ایک مشرقی حکمران بیگم نے مغربی مراسمِ دربار کو ادا کیا۔

والیانِ ملک کے ساتھ مراسم

سرکار عالیہ نے ایک موقع پر سلطنت برطانیہ کی برکات کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:-

[1] ملاحظہ ہو اختر اقبال

"اس وسیع خطۂ ہند کو برٹش اقتدار وحکومت سے جس قدر گراں قدر فوائد حاصل ہوئے ہیں اُن میں سب سے زیادہ حصہ ہندوستانی ریاستوں کو ملا ہے اور اُن کے لئے ایک ایسا حصارِ امن قائم ہوگیا ہے کہ جس میں اور کسی بیرونی خطرہ کا گذر ہی نہیں ہوسکتا اور ہر وقت کے اندیشے جو مفسد جماعتوں اور طاقتور ہمسایوں سے رہتے تھے گویا صفحۂ ہستی سے معدوم ہوگئے۔"

سرکارِ عالیہ کا یہ اعتراف ایک حقیقتِ کامل پر مبنی ہے اور کوئی شک نہیں کہ برطانوی عہد میں فرماں روایانِ ریاست نہایت امن و آزادی کے ساتھ رہتے اور سیر وسیاحت کرتے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ ایک دوسرے کے اقتدار سے اندیشناک ہوں اور اس کو مشتبہ نظروں سے دیکھا جائے آپس میں ملتے جلتے اور ارتباط رکھتے ہیں۔

غدر کے بعد الہ آباد اور آگرہ میں جو دربار ہوئے اُن میں روسا اور والیانِ ہند کو پہلی مرتبہ سکون واطمینانِ قلب کے ساتھ آپس میں ملاقاتوں کا موقع ملا۔ نواب سکندر بیگم خلد نشیں بھی ان درباروں میں بڑے اعزاز وافتخار اور تزک واحتشام کے ساتھ شریک ہوئیں اور مختلف اوقات میں ہمعصر روسا سے ملاقاتیں کیں، آمد و رفت میں جے پور، گوالیار، ریواں، دتیا وغیرہ میں بھی گذر ہوا اور وہاں کے روسا نے اپنی اپنی ریاستوں میں ان کا بہت احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ خصوصاً مہاراجگان جے پور وگوالیار نے تو خاص عزیزانہ انتظامات کئے تھے۔

نواب شاہجہاں بیگم خلد مکاں سے اور بھی والیانِ ملک سے درباروں کے موقعوں پر ملاقاتیں ہوئیں خاص کر روسار بھوپال اور مہاراجگانِ جے پور، گوالیار اور پٹیالہ کے درمیان خاص عزیزانہ مراسم قائم ہوگئے۔

سرکار عالیہ کے زمانہ میں ان تعلقات نے بہت وسعت اختیار کرلی، درباروں کانفرنسوں وغیرہ کے باعث بارہا بغیر تکلفات کے سب سے ملنے کا اتفاق اور مختلف معاملات پر خیالات کا تبادلہ ہوتا رہا۔ یوں تو سب ہی سے ایسے مراسم تھے لیکن مہاراجگان پٹیالہ، گوالیار، بیکانیر، جام نگر کپورتھلہ اور بڑودہ نواب صاحبانِ جاورہ، مالیر کوٹلہ، ہز اگزالٹڈ ہائینس نظام سے بہت زیادہ مراسم ہوگئے۔ تقریباً سب مہارانیوں اور بیگمات سے بھی عزیزانہ بے تکلفی کے ساتھ ملاقات ومراسم تھے۔ متعدد موقعے ایسے آئے کہ سرکار عالیہ ان ریاستوں میں بطور مہمان تشریف لے گئیں اور اپنی ریاست

میں اُن کی میزبان ہوئیں

ولیعہدیِ ریاست

سرکار عالیہ نے سنہ ۱۹۰۱ء میں اپنے فرزند اکبر عالی جاہ نواب سر محمد نصر اللہ خاں صاحب بہادر کے سی۔ ایس۔ آئی (جنت آشیاں) کو ولیعہد ریاست کیا تھا لیکن سنہ ۱۹۲۵ء میں اُن کی رحلت کے بعد جب کہ سرکار عالیہ کے آنسو بھی خشک نہ ہونے پائے تھے کہ نواب صاحب کے فرزندِ اکبر نواب زادہ حبیب اللہ خاں صاحب[۵۱] نے بروئے قانون انگلستان اپنا استحقاقِ ولیعہدی پیش کیا اور تکمیل کارروائی ضابطہ کی درخواست کی۔ حالانکہ شرعاً و قانوناً عرفاً و رواجاً جس کی تائید اُس معاہدہ سے بھی ہوتی ہے جو سنہ ۱۸۱۸ء میں حکومتِ برطانیہ اور ریاست بھوپال کے مابین ہوا تھا اب یہ استحقاق صرف سرکار عالیہ کے واحد فرزند (اعلیحضرت اقدس) کا تھا اسی بنا پر یہ مسئلہ فوراً ہی توجہ طلب بن گیا اور سرکار عالیہ نے ہر پہلو پر کامل غور اور اطمینان کے بعد ان ہی (یعنے اعلیحضرت) کے حق میں فیصلہ کر کے ولیعہد کر دیا جس کو گورنمنٹ آف انڈیا اور وزیر ہند نے بھی تسلیم کیا اور اس طرح ریاستوں میں جانشینی و ولیعہدی کا مسئلہ اور زیادہ صاف ہو گیا۔

نواب زادہ موصوف نے اپنے غیر مآل اندیش مشیروں کے مشورہ سے اس غلط ادّعا میں کامیاب ہونے کے لئے بعض ایسی کارروائیاں کیں جن سے سرکار عالیہ کو بہت تکلیف پہنچی۔ لیکن انھوں نے اُن سب کو معاف کر دیا اور اُن کے مراتب و اعزاز و جاگیر کو بدستور قائم رکھا۔

---

[۵۱] انتقال جون سنہ ۱۹۳۰ء بمقام پونہ۔

دست برداری و تفویضِ حکومت

سنہ ۱۹۲۶ء میں جبکہ سرکارِ عالیہ انگلستان ہی میں مقیم تھیں کہ اعلیٰحضرت اقدس کی ولیعہدی تسلیم کئے جانے کی جو تحریک گورنمنٹ آف انڈیا میں پیش کی تھی اس کی منظوری کی اطلاع ملی۔ اسکے بعد فوراً ہی سرکارِ عالیہ نے ولی عہدِ حکومت اور چند خاص ارکانِ دولت کے سامنے حکومت سے دست برداری کے ارادہ کا اظہار فرمایا تو سب متحیّر ہو گئے اور ہنوز اس حیرت میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہونے پائی تھی کہ تکمیل ارادہ کی کارروائی کا آغاز ہو گیا اعلیٰحضرت اقدس جن کے فرقِ مبارک پر تاجِ فرمانروائی رکھا جانے والا تھا اس امر پر راضی نہ تھے کہ سرکارِ عالیہ کی زندگی میں تختِ حکومت پر متمکن ہوں مگر شفیق ماں کے اس عزم و اصرار اور معجلانہ تکمیل کے مقابلہ میں امتثالِ امر کے طور پر سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوئے۔

سرکارِ عالیہ کی یہ فطری خصوصیت تھی کہ جب وہ کسی مسئلہ پر کامل غور کے بعد رائے قائم اور عزم صمیم فرما لیتی تھیں تو اس پر فوراً عمل پیرا ہو جاتی تھیں چنانچہ یہ مسئلہ بھی اسی قسم کا تھا۔ ہر چند انڈیا آفس کے عہدہ داروں نے بھی اس کے متعلق بہت پس و پیش کیا لیکن سرکارِ عالیہ اپنی رائے اور عزم پر قائم رہیں۔ اور خود انڈیا آفس تشریف لے جا کر بدلائل ان کو اس عزم کے فوائد و مصالح سمجھائے۔ آخر یہ مسئلہ مرضیٔ مبارک کے مطابق طے ہو گیا۔ اور اس کی منظوری بھی حاصل ہو گئی اور ۱۷ مئی ۱۹۲۶ء کو سرکارِ عالیہ نے ایک اعلان سے جو لندن سے بذریعہ تار کے بھوپال میں شایع کیا گیا تخت و تاج حکومت اعلیٰحضرت اقدس کو تفویض فرما دیا جس وقت انگلستان و ہندوستان کے اخبارات میں یہ خبر مشہور ہوئی تو ہر شخص ایک حیرت و استعجاب میں تھا۔

دربارِ تفویضِ حکومت

انگلستان کی واپسی پر ۲۷ر۔ ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۹۔جون ۱۹۲۶ء کو ایوان صدر منزل میں تفویض حکومت اور ہز ہائی نس کی تخت نشینی کا دربار منعقد کیا گیا۔

یہ دربار جس طرح کہ اپنے مقصدِ انعقاد کے لحاظ سے تاریخ عالم کا ایک بے نظیر واقعہ ہے اسی طرح اس کے انعقاد وادائے مراسم کا طریقہ بھی بے مثال تھا، اور جس کی تمام تر ترتیب خود سرکار عالیہ نے فرمائی تھی۔

نہ صرف اپنے متعلق بلکہ بڑے سے بڑے ادیب اور واقعہ نگار کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس دربار کے تاثرات اور عظمت وجلال کی ایک ہلکی سی جھلک بھی دکھلانا ناممکن ہے تاہم عصرِ جدید[۵۱] میں جو کچھ کہ مؤلف نے کوشش کی ہے اسی کو ان صفحات میں بھی نقل کیا جاتا ہے:۔

دربار کی شان ۹رجون ۱۹۲۶ء کو باضابطہ صدر نشینی کی رسم ادا کی گئی اور یہی تاریخ بہ حساب شہور قمری یعنی ۲۷ر ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ علیا حضرت سرکار عالیہ دام ظلہا و اجلالہا کی سالگرہ ولادت کی تھی۔ تمام شہر جھنڈیوں اور بیرقوں سے آراستہ وپیراستہ تھا۔ ایوان صدر منزل جس میں بالعموم شاہی تقریبات ہوتی ہیں غیر معمولی طور پر سجایا گیا تھا۔ صدر دروازہ کے سامنے ماہی مراتب اور گارڈ آف آنر مع بینڈ کے متعین تھا۔ اندر کے حصہ میں مہتابی پر ریاست کا فتح نشان جو بانیٔ ریاست کی بیگم کے نام سے موسوم ہے اور نشانِ قیصری جو ۱۸۷۷ء کے دربار قیصری میں کوئن وکٹوریہ قیصرہ ہند کی طرف سے نواب شاہجہاں بیگم خلد مکاں کو عنایت ہوا تھا استادہ تھا صدر منزل کے رفیع الشان اور زرنگار دالانوں میں درباریوں کی نشست تھی اور وسط میں تخت کے اوپر تین گنگا جمنی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں تخت کے نیچے جانبِ راست ایک اور گنگا جمنی کرسی رکھی گئی تھی گیلریوں میں خواتین

---

۵۱ مؤلف نے اعلیٰ حضرت اقدس کی تخت نشینی اور دیگر تقریبات کے متعلق ایک مصور کتاب شائع کی ہے۔

کی نشست کا انتظام تھا جن میں پردہ نشینوں کے لئے چکیں پڑی ہوئی تھیں۔

تمام ملکی و فوجی عہدہ دار، اخوانِ ریاست و جاگیردار اور علماء کرام درباری کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے آٹھ بج کر ۱منٹ پر ہزہائی نس اور علیا حضرت سرکار عالیہ مع پرنسس عابدہ سلطان (نواب گوہر تاج بیگم، جو ہزہائی نس کی بڑی صاحبزادی ہیں) شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ رونق افروز ہوئے۔ قلعہ فتح گڈھ سے سلامی سر ہوئی۔ حاضرینِ دربار نے استادہ ہو کر تعظیم ادا کی جب ہائی نس اور علیا حضرت سرکار عالیہ نے تخت کی چپ و راست کرسیوں پر جلوس فرمایا۔ اور نواب گوہر تاج بیگم نے نیچے والی کرسی پر جلوس فرمایا تو عالی قدر قاضی علی حیدر عباسی پولٹیکل سکریٹری نے افتتاحِ دربار کی اجازت مانگی اس کے بعد جو پُرعظمت منظر پیش ہوا وہ حقیقتاً تاریخ بھوپال ہی کا نہیں بلکہ تاریخ اسلام کا ایک عجیب و غریب مرقع اور علیا حضرت کے جذبات و احساسات مذہبی اور اپنے نورِ نظر کی حکومت کو کامیاب بنانے کی تمناؤں کا ایک جلوہ گاہ تھا۔

تلاوتِ قرآن سے جلسہ کا افتتاح مسلمانوں میں جب کوئی جلسہ شروع ہوتا ہے تو حصولِ خیر و برکت کے لئے اس کا افتتاح قرآن مجید کے کسی رکوع سے کیا جاتا ہے اور حقیقتاً یہ وہ مبارک طریقہ ہے جو ہر اسلامی جلسہ کا طغرائے امتیاز ہونا چاہیئے لیکن ابھی تک یہ طریقہ عام قسم کے جلسوں میں استعمال کیا جاتا تھا مگر علیا حضرت نے اِس پُرعظمت تقریب کو بھی اس اصلی عظمت و شان کے ساتھ شروع کیا جس سے زیادہ ایک مسلمان کے لئے کوئی عظمت و شان نہیں ہو سکتی تاکہ ایسے درباروں کے لئے ایک مثال قائم ہو اور جب کوئی جدید فرمانروا تختِ حکومت پر متمکن ہو تو سب سے پہلے اس کو اپنی عبدیت اور اپنے معبود اور مالک الملک کا تصوّر بھی پیدا ہو۔

اس موقع و محل کے لحاظ سے علیا حضرت نے آیتوں کا انتخاب فرمایا تھا۔ چنانچہ سورۂ یوسف کے گیارہویں رکوع...... اور سورۂ والضحیٰ کی تلاوت سے دربار کا آغاز ہوا۔

حضرت یوسفؑ کا قصّہ توریت میں بھی موجود ہے اور قرآن مجید میں نہایت حکیمانہ طور پر ہر درجہ اور رتبہ کے انسان کے لئے ایک عبرت و بصیرت کی صورت میں بیان کیا گیا ہے اس میں وہ حصّہ انتخاب کیا گیا جس میں حضرت یوسفؑ نے تمام مراحلِ زندگی کے بعد تختِ مصر پر جلوہ گر ہوتے ہوئے خداوندکریم کا شکریہ ادا کیا ہے۔

سورۂ والضحیٰ میں ہمارے نبی کریمؐ خاتم النبیینؐ مخاطب ہیں خداوند تعالیٰ نے اپنے انعام و احسان کی یاد دلاکر یتیموں اور سائلوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کی نصیحت اور اپنی نعمت کے تشکر کی ہدایت کی ہے اور کیا حسنِ اتفاق ہے کہ ہمارے اعلیٰ حضرت بھی دولتِ یتیمی سے مالا مال رہے اور مالک الملک نے اعلیحضرت پر بھی ویسے ہی انعامات فرمائے۔

غرض ایک خوش لہجہ قاری نے تختِ شاہی کے سامنے تلاوت کی۔ تلاوت شروع ہوتے ہی ہر ہائینس علیا حضرت اور تمام حضارِ دربار کلام پاک کی تعظیم و تکریم کے اظہار میں نہایت ادب کے ساتھ استادہ ہوگئے۔

جب تلاوت ختم ہوئی تو علیا حضرت نے حسبِ ذیل شاندار تقریر فرمائی :-

علیا حضرت کی تقریر آج جس غرض سے یہ دربار منعقد کیا گیا ہے اس کا اظہار انگلستان سے بذریعہ تار کرچکی ہوں اور اس کے مطابق کیبنٹ سے جریدہ میں اعلان شائع ہو چکے ہیں۔

مجھے یہ معلوم ہوکر دلی مسرت و اطمینان ہے کہ ان اعلانات سے جس دورِ جدید کا آغاز ہوا ہے اس کا تمام طبقاتِ رعایا اور ارکینِ دولت نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اپنے نئے فرمانروا کے ساتھ اُن جذباتِ عقیدت کو جو رعایائے بھوپال کا تمغائے امتیاز رہے ہے پرجوش طریقہ سے نمایاں کرکے اپنی وفاداری اور عقیدت کیشی کا بہترین ثبوت دیا۔

آج ۲۵ سال سے کچھ زیادہ عرصہ گذرا کہ جب مالک حقیقی نے ملک محروسہ بھوپال کی زمامِ حکومت میرے سپرد کی آپ سب کو اس کا علم ہے کہ میں نے اپنی حیثیت مثل ایک امین کے سمجھکر اور اُس کی ودیعتِ کبریٰ کے اہم فرائض کا احساس کرکے فوراً ضروری اصلاحات کی طرف توجہ کی۔ ریاست کے مفاد اور رعایا کی فلاح کو اپنا مآلِ زندگی بنایا اور مسلسل ۲۵ سال تک اس مقصدِ اعظم کے حصول میں سعی و محنت کو اپنا اوّلین فرض تصور کیا اور جو ذرائع و وسائل ممکن ہوئے ان کی بہم رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

میں اپنے احکم الحاکمین کا شکر کرتی ہوں کہ اُس نے ہر موقع پر اور ہر تدبیر میں میری اعانت کی اور اس امر کا اندازہ کہ میری کوششیں ریاستِ بھوپال اور میری رعایا کی بہبودی اور فلاح میں کس قدر کامیاب ہوئیں آپ لوگ خود کرسکتے ہیں۔

حاضرین دربار!

میرے عہدِ حکومت کے ابتدائی سال نہایت سخت اور صبر آزما تھے لیکن ارحم الراحمین نواب محمد نصر اللہ خاں اور نواب محمد عبید اللہ خاں کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اِن دونوں نے اس سختی اور تردد کو اپنی معاونت اور ہمت و قابلیت سے بڑی حد تک کم کر دیا اور جب تک داعی اجل کو لبیک نہ کہا میرے سرگرم معاون و مددگار رہے میں رعایا کی بھی شکرگذار ہوں کہ وہ ہمیشہ میرے احکام و تدابیر پر بہ خلوصِ دل اور کامل اطاعت مندی کے ساتھ عمل پیرا رہی۔ اور مختلف اوقات میں میری محنتوں اور ان کے نتائج کا قابلِ احترام جذبات کے ساتھ اعتراف کرکے مجھے مطمئن کیا تاہم یہ امکان باقی رہتا ہے کہ حکومت کی اہم ذمہ داریوں میں مجھ سے کوئی ایسی فروگذاشت ہوئی ہو جس سے کسی کے قلب کو کچھ تکلیف پہنچی ہو اُس کے لئے میں آج اس موقع پر ان لوگوں سے معافی چاہتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اس امکان کی صورت میں وہ مجھے معاف کرکے عند اللہ ماجور ہوں گے۔

میں ان تمام سابق وحال ارکینِ دولت کا بھی جنھوں نے اپنے فرائض و خدمات کو دیانت و قابلیت سے انجام دے کر ترقیٔ ملک میں مجھے مدد دی شکریہ ادا کرنا ان کا حق اور اپنا فرض سمجھتی ہوں۔

اِس تمام عہدِ حکومت میں ترقیٔ ملک اور فلاحِ رعایا کی تدابیر میں مجھے جو مصروفیت رہی وہ خلق اللہ کی ایک خدمت تھی اور اس سے جو اطمینانِ قلبی مجھ کو حاصل ہوتا تھا اس کو میں اپنی محنت کا اجر سمجھتی تھی۔ لیکن گذشتہ ۲ سال کے عرصہ میں جو متصل و پیہم صدمات مجھے برداشت کرنے پڑے اگرچہ میں نے ان کو امتحان خداوندی اور مشیّت الٰہی سمجھکر انتہائی صبر و سکون سے کام لیا مگر آخر کار جیساکہ میرے صدمات اور عمر کا تقاضا تھا میرے قلب پر ایک خاص حالت پیدا ہوگئی جس سے مجھے یہ یقین ہوگیا کہ اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور مہماتِ امورِ حکومت پر پڑے گا اسلئے میں نے یہی فیصلہ کیا کہ حکومت کے بارِ گراں سے سبکدوشی حاصل کروں اور یہ بارِ امانت اور عنانِ حکومت اپنے وارث اور جانشین کو تفویض کرکے بقیہ حصّہ عمر یادِ الٰہی اور بقدرِ امکان مخلوق خداوندی کے رفاہ اور بالخصوص صنفِ ضعیف کی خدمت میں بسر کروں۔

حاضرینِ دربار! اِس ودیعتِ عظمیٰ کا بارِ امانت اب ہز ہائی نس نواب محمد حمید اللہ خاں بہادر سلّمہٗ

کے قوی بازوؤں پر ہے جن کو میں نے سکندر صولت کے خطاب سے مخاطب کیا ہے تاکہ میری جدۂ محترمہ نواب سکندر بیگم کے نام کی نسبت سے اُن کے اعلیٰ ترین اصولِ حکمرانی نواب سکندر صولت کے پیشِ نظر رہیں وہ اس وقت نہ صرف میری بلکہ تمام رعایائے بھوپال کی امیدوں کا مرکز ہیں اور مجھے یہ اطمینانِ کُلّی ہے کہ اُن کا دل رعایا کے فلاح و بہبود کے جذبات سے معمور ہے کیونکہ مسلسل ۱۰ سال تک انھیں جذبات کے ساتھ انھوں نے میرے رفیق کار کی حیثیت سے نہایت بیدار مغزی اور اعلیٰ قابلیت سے کام کیا ہے جس کی وجہ سے نظم و نسق ملکی اور حکمرانی و رعایا پروری کا پورا تجربہ حاصل ہو گیا ہے مجھے اُن کے تحت فرمان ہر طرح سے ملک کا مستقبل درخشاں اور تاباں نظر آتا ہے اور میں بہمہ جہت مطمئن ہوں کہ انشاء اللہ العزیز ان کے عہدِ حکومت میں ملک کی حالت روز بروز بہتر اور ترقی پذیر ہو گی اور رعایائے بھوپال اس فیصلہ پر مجھ کو ہمیشہ دعائے خیر سے یاد کرے گی۔

میں اُس مالک الملک کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اُس نے اپنے فضل و کرم سے میرے اس منشار اور فیصلے کے متعلق ہر ایک معاملہ میں میری مدد فرمائی اس موقع پر میرا یہ بھی فرض ہے کہ میں لارڈ ریڈنگ اور اُن کی گورنمنٹ کی شکر گذاری کا اظہار کروں کہ انھوں نے سکندر صولت نواب افتخار الملک کے حق وراثت کے متعلق جو کہ شریعتِ اسلام اور رواجِ ملک پر مبنی تھا میری رائے سے اتفاق کیا میں ہز اکسلینسی لارڈ اروِن ویسرائے ہند کی دلی احسان مند ہوں کہ جب میں نے عنانِ حکومت نواب سکندر صولت کے ہاتھ میں دے کر اس فیصلہ کی نسبت ان سے مراسلت کی تو انھوں نے نہایت لطف و کرم کے ساتھ میری دست کشی پر اظہار تاسف کرتے ہوئے نواب ممدوح الشان کو گورنمنٹ آف انڈیا کی ہمدردی و امداد کلی کا یقین دلایا مجھے یہ فخر ہے کہ ہمیشہ ویسرایانِ ہند اور فرمانروایان بھوپال کے تعلقات ایسے شگفتہ رہے ہیں جو ایک مضبوط دوستی اور دائمی ارتباط کے درجہ پر پہنچ گئے ہیں خصوصاً گذشتہ ۲۵ سال میں اس دوستی و ارتباط اور تعلقات میں یوماً فیوماً اضافہ ہی ہوتا رہا ہے۔

حاضرینِ دربار!

میں یاد دلانا چاہتی ہوں کہ فرمانروایانِ بھوپال اور سلطنتِ برطانیہ کے اتحاد کی مخلصانہ بنیاد ۱۷۷۸ء میں قائم ہوئی جس نے ۱۸۱۸ء میں ایک قابل احترام معاہدہ کی صورت اختیار کی اور ہمارے اسلاف کرام نے ہمیشہ اس کو بیش از بیش مضبوط و مستحکم کیا اس ڈیڑھ صدی میں اگرچہ بہت سے نازک دور گذرے

لیکن فرمانروایانِ بھوپال کی تاج برطانیہ کے ساتھ عقیدت اور وفاداری بنیانِ مرصوص کی طرح ثابت ہوئی۔

نیز فرمانروایانِ بھوپال کے لئے وفاداری کی یہ روایات ایک بیش قیمت اور گراں قدر ترکہ ہیں اور مجھے کامل یقین ہے کہ نواب سکندر صولت اور ان کی اولاد اُن روایات کا ہمیشہ احترام کریں گے اور ان کو قائم و دائم رکھیں گے۔ یہ امر مخفی نہیں ہے کہ فرمانروایانِ بھوپال کی وفاداری کا تاجدار سلطنتِ برطانیہ اور ذی مرتبت قائمقامانِ حکومت نے ہر موقع پر عظیم الشان اعتراف کیا ہے اور ہر امپریل مجسٹی ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کے عہدِ رافت مہد سے اب تک مسلسل طور پر فرمانرواؤں پر نوازش و الطاف خسروانہ مبذول ہوئے ہیں بالخصوص میں ان عنایات و اکرام شہنشاہی کے شکریہ کو کسی طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکتی جو ہز امپریل مجسٹیز ملک معظم اور ملکۂ معظمہ اور ہز رائل ہائنس پرنس آف ویلز نے ابتدا سے مجھ پر مرعی رکھے ہیں اور خصوصاً اس زمانۂ قیام انگلستان میں جو الطاف و عنایات مجھ پر اور میرے خاندان پر فرمائے ہیں ناممکن ہے کہ ان کی شکرگذاری الفاظ میں ادا ہو سکے ان کا نقش ہمارے قلوب پر ہے جو جذباتِ شکرگذاری کے ساتھ ہماری نسلوں کے دلوں پر منعکس ہوتا رہے گا۔

میں لارڈ برکن ہیڈ وزیر ہند کے اخلاق و ہمدردی کو ہمیشہ شکرگذاری کے ساتھ یاد رکھوں گی ان کی ملاقاتوں سے میرے دل میں ڈیوک آف ارگائل کے ان خیالاتِ احترام و اعزاز کی یاد تازہ ہو گئی جو ڈیوک ممدوح کے دل میں سرکار خلد نشین اور سرکار خلد مکاں کی نسبت تھے۔

حاضرینِ دربار!

اب میں آپ سے بحیثیت فرمانروائے بھوپال رخصت ہوتی ہوں اور مجھے اس بات سے بے نہایت مسرت ہے اور میں اس امر پر فخر کرتی ہوں اور رب العالمین کا شکریہ بجا لاتی ہوں کہ آج اپنے ہاتھ سے اپنے نورِ چشم اور عزیز فرزند کو سریر آرائے حکومت کر رہی ہوں۔ میں اس وقت ان کو رعایا و برایائے بھوپال کا محافظ بناتی ہوں اور تمام اخوان و ارکانِ دولت اور رعایا کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ ان سب نے اپنی وفاداری اور مطیع الامری سے میرے عہدِ حکومت کو کامیاب بنانے میں ہمہ تن کوشش کی اور میری ہر منشاء کی تعمیل کو اپنی زندگی کا ایک اہم فرض سمجھا کوئی حکومت اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ رعایا بھی اپنے فرائض کا احساس کر کے مستعدی و

خوشدلی کے ساتھ اپنے حکمراں کے احکام کی تعمیل نہ کرے۔ مجھ کو کامل یقین ہے کہ آپ اس جدید دَور میں بھی اپنی روایاتِ سابقہ کے مطابق اِس کلیہ کو پیشِ نظر رکھیں گے اور اپنے فرماں روا کے سچے جاں نثار اور فرمانبردار رہیں گے۔

سَو سال تک اس ملک کی قسمت صنفِ ضعیف کے ہاتھوں میں رہنے کے بعد اب صنفِ قوی کے ہاتھوں میں سپرد ہوئی ہے جس میں مردانہ اولوالعزمی، بیدارمغزی، بلند حوصلگی، اور شجاعت کے ساتھ فیاضی و رحمدلی اور شفقت و رافت بھی بدرجہ اتم موجود ہے اسلئے یہ یقینِ کامل ہے کہ ملک اور رعایا کی رفتارِ ترقی میں تیزی پیدا ہو جائے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ ملک میں مزید ترقیات کا دَور دَورہ ہوگا۔ اب میں آخر تقریر میں اُس مالک الملک سے جس کے قبضۂ قدرت میں سارا عالم ہے اور جس کی ذات کے ساتھ بحیثیت ظل اللہ ہر فرمانروا کو ایک نسبتِ خاص ہے دُعا کرتی ہوں کہ نواب سکندر صولت کی عمر و اقبال میں ہمیشہ ترقی ہو اُن کی رعایا اُن سے خوش رہے اُن کا ملک ہمیشہ سرسبز اور آباد رہے اُن کا نام چار دانگِ عالم میں دادگستری اور رعایا پروری کے لئے مشہور ہو اور اُن کی ضعیف والدہ کی اُن سے جو توقعات ہیں وہ تمام وکمال پوری ہوں۔

نواب سکندر صولت افتخار الملک بہادر! اب میں نہایت مسرت کے ساتھ آپ کو صدر نشین کرتی ہوں اور امید رکھتی ہوں کہ یوں تو آپ انشاء اللہ کلام مجید کے تمام احکام و نصائح کے کاربند ہوں گے لیکن بالخصوص اس آیت شریف کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھیں گے جو میں آپ کو سناتی ہوں اس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی دونوں جہاں میں سرخروئی اور سرفرازی ہوگی۔

اِن اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ؏

تاثرات اثناء تقریر میں حضار دربار پر ایک عجیب قسم کا اثر پڑ رہا تھا کبھی خوشی کے آنسو آنکھوں سے نکلتے تھے اور کبھی غم کے۔ کبھی چہرہ پر بشاشت چھا جاتی تھی اور کبھی افسردگی طاری ہو جاتی تھی تقریباً ۵ منٹ یہی کشمکشِ جذبات رہی۔

مراسمِ دربار عُلیا حضرت کی تقریر ختم ہوتے ہی قلعہ فتح گڈھ اور توپخانہ اپی سے بیک وقت شلکِ سلامی سر ہوئیں اور فوراً علما کا ایک جلوس آیا۔ یہ تمام علما سفید لباس میں

ملبوس تھے اور سفید شالوں کی عبائیں ان کے شانوں پر تھیں۔ قاضی صاحب ریاست کے آگے ایک فوجی افسر کے ہاتھوں میں ایک نشان سفید آفتابی شکل کا تھا جس پر زرنگار طغرے میں اِنَّ العِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیعًا (یعنی تمام عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں) تحریر تھا جس کو قاضی ریاست نے ہز ہائینس کے سامنے پیش کیا اور انھوں نے اپنے دست مبارک میں لے کر نشان بردار کو سپرد فرمایا اور یہ نشان مذکور الصدر نشانوں کے بیچ میں کھڑا کیا گیا۔ پھر شاہی خلعت کی کشتیاں سامنے آئیں علیا حضرت سرکار عالیہ نے ہز ہائی نس کے فرق مبارک پر سرپیچ و کلغی لگائی اور قاضی ریاست نے اس کی بندش کی پھر ہار مروارید اور انگشتری الماس پہنائی گئی اور اراکین مجلس علما و مشیر المہام افواج ریاست نے پستول، تلوار، پیش قبض، چھری، گرز، کمان، ترکش، زرہ، بکتر آہنی اور آہنی دستانے پیش کئے۔ قلمدان حکومت اور مہرِ ریاست پریسیڈنٹ کابینۂ عالیہ نے شاہی مہر علیا حضرت کے پرائیوٹ سکریٹری نے خزانہ و توشک خانہ کی طلائی و نقرئی کنجیاں جو خاص انھیں مواقع کے واسطے ہوتی ہیں، خزانچی ریاست نے پیش کیں۔ دینار سُرخ کی ۱۰ تھیلیاں پیش کی گئیں جو اعلیٰ حضرت کے قدموں کے نزدیک کشتی میں رکھدی گئیں اور علیا حضرت نے ایک تھیلی اُٹھا کر اپنے لختِ جگر کے سر پر نچھاور (یعنی تصدق) کر کے دوسری کشتی میں رکھی۔ نچھاور کی یہ تھیلی بعد میں فقرا کو تقسیم کی گئی۔

ان مراسم کے ادا ہونے کے بعد قاری صاحب جو تخت شاہی کے قریب ہی کرسی پر بیٹھے تھے کھڑے ہوئے اور انھوں نے سورہ لقمان[۵۱] کا دوسرا رکوع اور سورہ الم نشرح[۵۲] کی تلاوت کی اور تمام حاضرین بطریق اوّل تعظیم کے لئے استادہ ہو گئے۔

ختم تلاوت کے بعد ہز ہائی نس نے ایک نہایت پُر اثر تقریر فرمائی جس میں اس عظیم ذمہ داری کے احساس، علیا حضرت کے احساناتِ تربیت و شفقتِ مادری کا شکریہ و اعتراف، نصائح پر عمل پیرائی کا وعدہ تھا اور ملک و رعایا کے جذبات بہبودی و فلاح سے معمور اور ایک خاص قسم کے

---

۵۱ اس رکوع میں وہ نصائح ہیں جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو شرک سے بچنے اور ماں کی اطاعت، نماز کی پابندی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احکام اور مصیبت پر صبر، نخوت سے احتراز، میانہ روی اور نرمی وغیرہ کی بابت کی ہیں۔

۵۲ نعمتِ مرتبہ اور مصیبت کے بعد راحت اور خدا کی طرف رجوع ہونے کی ہدایت ہے۔

اثر میں ڈوبی ہوئی تھی جس سے ہر قلب متاثر تھا۔

نصائح خاص اعلیٰ حضرت کی تقریر کے بعد پھر سرکار عالیہ کھڑی ہوئیں اور اعلیٰ حضرت کو مخاطب کر کے پہلے بطور نصائح آیات ذیل تلاوت کیں۔

(۱) اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ۚ

(۲) وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا ۚ

(۳) وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا

اور پھر اپنے دست شفقت میں ہز ہائی نس کا ید رشد و سعادت لے کر درمیانی کرسی پر جو تخت شاہی کی کرسی تھی بٹھایا اور ہز ہائی نس کے رخسارۂ مبارک کا بوسہ لیتے ہوئے کہا کہ

رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

ترجمہ (۱) (مسلمانو) اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور (لوگوں کے ساتھ) احسان کرنے کا اور قرابت والوں کو (مالی امداد) دینے کا اور بے حیائی (کے کاموں) اور ناشائستہ حرکتوں اور (ایک دوسرے پر) زیادتی کرنے سے منع فرماتا ہے۔

(۲) اور مال (عزیز) اللہ کی محبت پر رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا اور غلامی وغیرہ کی قید سے لوگوں کی گردنیں چھوڑانے میں دیا اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو اور جب کسی بات کا اقرار کرلیا تو اپنے قول کے پورے رہے۔

(۳) اور عہد کو پورا کیا کرو کیوں کہ (قیامت کے دن) عہد کی بازپرس ہوگی۔

(۴) اے میرے پروردگار مجھے اس (بات) کی توفیق دے کہ تونے جو مجھ پر اور میرے ماں باپ پر احسانات کئے ہیں تیرے اُن احسانات کا شکریہ ادا کرتا رہوں اور اس (بات) کی (بھی توفیق دے) کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو راضی ہو اور میری اولاد میں نیک بختی پیدا کر (کہ میرے لئے موجب راحت ہو) میں (اپنی تمام حاجتوں میں) تیری طرف رجوع لاتا ہوں اور میں تیرے فرماں بردار بندوں میں ہوں۔

نذریں اور اختتامِ دربار

اِس پُرعظمت اور پُرجلال رقت انگیز نصیحت آموز نظارہ کے بعد نواب گوہرِ تاج بیگم پرنسس عابدہ سُلطان نہایت متانت کے ساتھ اُٹھ کر تخت شاہی کے سامنے آئیں اور ہز ہائی نس کے سامنے نذر پیش کی، زاں بعد دیگر ملکی و فوجی افسروں کی نذریں پیش ہوئیں مگر بہ نظرِ احترام علماء، اور سادات نذر سے مستثنیٰ تھے۔ نذروں کے بعد عطر، پان، ہار پھول وغیرہ تقسیم ہوئے اور دربار ختم کیا گیا جس ترتیب اور جلوس کے ساتھ داخلہ ہوا تھا اسی طرح دربار ہال سے روانگی ہوئی۔

یہ کل مراسم تقریباً دو گھنٹہ میں انجام پذیر ہوئے اور اس دربار کے ساتھ ہی سرکارِ عالیہ کا دورِ حکومت بھی ختم ہو گیا۔
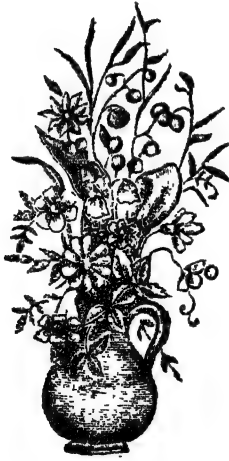
تقریب دربار دست برداری سرکار عالیہ فردوس آشیاں
و کرونیشن نواب سکندر دولت افتخار الملک بہادر دام اقبالہ

قائمقامانِ سلطنتِ برطانیہ کا اعتراف

ہر حکمراں اور فرمانروائے ملک کی لائف میں سب سے شاندار حصّہ ملک کا بہترین نظم و نسق ہے۔ اور اس کا اندازہ مدبّرین ملک کے اعتراف اور رعایا کی شکر گذاری اور خوش حالی سے کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں جو خود مختار روسا ہیں وہ بذریعہ عہد و مواثیق برطانیہ کی شاہی گورنمنٹ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ گورنمنٹ ریاستوں کے نظامِ حکومت کو اپنے قائمقاموں کے ذریعہ تنقیدی نظر سے دیکھ کر رائے قائم کرتی ہے جو نہایت اہم مانی جاتی ہے۔

پس اِسی اہمیت کے لحاظ سے سرکار عالیہ کی ان قابلیتوں اور اُن کے نتائج کے متعلق سلطنتِ برطانیہ کے ممتاز مدبرین کے خیالات کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

ان اقتباسات سے جہاں سرکار عالیہ کی صفت حکمرانی کی اعلیٰ شہادتیں نظر سے گذرتی ہیں وہاں حضور ممدوحہ کے ان نوع بنوع اور گوناگوں اوصاف جمیلہ کا بھی اعتراف پایا جاتا ہے جو نہ صرف خواتینِ اسلام بلکہ کل مشرقی خواتین کے لئے اور دُنیا کے مشرقی حصّہ کے لئے مایۂ ناز ہیں۔

آرل آف منٹو والسرائے ہند سنہ ۱۹۰۹ء

"آپ کی توجہ فقط انتظامِ فوج کی طرف ہی مبذول نہیں ہے بلکہ آپ کے اعلیٰ منتظم ملک ہونے کی شہرت نہایت بجا ہے ....

آپ کی ترقی تعلیم، خاص کر روسا ہند کی اعلیٰ تعلیم سے دلچسپی، آپ کا تعلیم مذہبی کا احساس آپ کی علی گڈھ کالج اور دیگر تعلیم گاہوں کو امداد، آپ کی اپنی جنس کی تعلیم سے گہری ہمدردی آپ کا اپنے ہم مذہب غربا، کے ساتھ شاہانہ کرم اور فیاضی اور آپ کا یہ اصول کہ اعلیٰ زمیندارانِ ملک عوام الناس کے کاموں میں زیادہ نمایاں حصّہ لے کر آئندہ ریاست کی امداد کا باعث ہوں یہ سب باتیں ایسی ہیں جو ایک بڑے فرماں روا کے فرائض کی بیش قیمت نظیر ہیں اور جن کا عمل درآمد آئندہ ہندوستان میں حکومتِ برطانیہ کی بھی امداد اور تقویت کا باعث ہوگا۔"

لارڈ ہارڈنگ والسرائے ہند سنہ ۱۹۱۲ء

"سکندر بیگم صاحبہ کی اولاد جن سے کہ اُن

کے خوش نما دار السلطنت میں اس وقت مجھ کو ملنے کا افتخار حاصل ہوا ہے اپنے نامور مورث کے قدم بقدم ہیں اور اپنے خیر خواہانہ کارناموں کو انھوں نے بدستور قائم رکھا ہے بلکہ اپنی رعایا کی اصلاح میں انھوں نے جو فکریں کی ہیں وہ مزید ہوگئی ہیں یور ہائی نس کو جی، سی، آئی، ای و جی، سی ایس، آئی کے خطابوں کا افتخار حاصل ہے اور سال گذشتہ میں خود شہنشاہِ معظم نے دہلی میں آپ کو تمغۂ کرون آف انڈیا عطا فرمایا ہے۔ یہ شہنشاہِ معظم کی دوستی اور لحاظ کی نشانیاں ہیں اور آپ کے عمدہ نظم ونسق کا اعتراف ہے۔ اندرونی انتظاماتِ ملکی میں بھی یور ہائینس کا نام ویسا ہی مشہور ہے جیسی کہ آپ کی خیر خواہی تاج وتخت، آپ نے اپنی ریاست اور رعایا کے فائدہ کے واسطے ان وسیع معلومات کے نتائج کو وقف کردیا ہے جو آپ نے انگلستان اور دیگر وسیع ممالکِ یورپ اور ایشیا میں سفر کرنے سے حاصل کئے ہیں اور جن کی زندہ شہادت وہ کتاب موجود ہے جو حال میں آپ نے شایع کی ہے نظم ونسق ملک کی اصلاح میں جو ترقیاں زمانۂ حال میں کی گئی ہیں اُن کا اعادہ چنداں ضروری نہیں ہے مگر دو خاص مہتم بالشان امور کا ذکر کرنا ضروری ہے جس سے کہ یور ہائی نس نے ایک نظیر درخشاں قائم کردی ہے۔ میرا اشارہ اُن احکام کیطرف ہے جو ترقیٔ تعلیم نسواں کے متعلق آپ نے جاری فرمائے ہیں اور اُس دلچسپی کی جانب ہے جو اہم مسئلہ تعلیم اعلیٰ روسار وسرداران کی بابت آپ نے کی ہے۔ بعض حصہ جاتِ ہند میں تعلیم نسواں کا اس قدر کم انتظام کیا گیا ہے کہ بعض اوقات یہ امر قریب قریب فراموش کردیا جاتا ہے کہ عورتیں مردوں کی ماں ہیں۔ ایک خطرناک تعداد میں ہر سال بچوں کا ملک میں ضائع ہونا اور ہر طبقہ کی عورتوں کا تعلیم سے معرّا ہونا یہ عام طور پر سب کو معلوم ہے اور مجھے اس کے صراحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر ساتھ ہی اس کے میں یہ کہوں گا کہ اہلِ ہند کی زندگانی میں یہ دونوں امور جزوِ اعظم ہیں۔ ترقی میں جو مشکلات ہیں وہ بے حد ہیں مگر بحیثیت ایک خاتون اور والیہ ملک ہونے کے یور ہائی نس کو جو مواقع مل سکتے ہیں وہ دوسروں کو نہیں مل سکتے اور آپ نے جو ان مواقع کا عمدہ استعمال کیا وہ اس کام سے ظاہر ہوتا ہے جو لیڈی لینسڈون ہسپتال اور مدرسہ سلطانیہ اور وکٹوریہ گرلس اسکول میں ہورہا ہے۔"

لارڈ چیمسفورڈ ۱۹۱۶ء | "یور ہائی نس، لیڈیز، وجنٹلمین! میرے دونوں معزز پیشروؤں

نے جب اس ریاست کا دورہ کیا تھا تو خوش قسمتی سے اُن کو ریاست بھوپال سے قدیم خاندانی تعلقات کی تجدید کا موقع مل گیا تھا میں اس رعایت کا مستحق نہیں ہوسکتا ہوں، ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ میں اور لیڈی حمیسفورڈ یہ معلوم کرکے بیحد خوش ہیں کہ ہمارا شمار آپ کے حلقۂ احباب میں ہے اور آپ کے اس پرجوش خیر مقدم کا ہم کو کافی احساس ہے آپ نے اپنی تقریر میں اس روز افزوں دلچسپی کا حوالہ دیا ہے جو ہندوستان موجودہ جنگ میں ہمارے دشمنوں کے مقابلہ میں لے رہا ہے۔ کاش میرے پاس اتنا وقت ہوتا کہ میں آپ کو اس شاندار تائیدی جواب کا جو ہندوستان کے والیانِ ریاست اور عام باشندوں نے وزیر اعظم کی اپیل کا دیا ہے مفصل حال بتاتا اور آپ سے اس حیرت انگیز جنگی مشین کی ترقیوں کا ذکر کرتا جو ہم نے تیار کی ہے۔ ہندوستان نے اس وقت تک اپنی پوری طاقت استعمال نہیں کی ہے اور اسکی ضرورت ہے کہ ہم ہر ممکن کوشش اس کام میں خرچ کریں جس کو ہم نے ہاتھ میں لیا ہے لیکن ہماری کوششیں متحدہ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ہم راستی پر ہیں اُس مشہور صلح کو جو پنڈاروں کے خلاف بھوپال و حکومتِ برطانیہ کے مابین ہوئی تھی ایک صدی سے زیادہ زمانہ گذرا اور وہ دوستی جو اس زمانہ میں قائم کی گئی تھی وہ ہمیشہ کے لئے مستحکم ہوگئی ہے وہ وفادارانہ و شاندار خدمات جو حکومتِ برطانیہ کی آپ کے خاندان نے انجام دی ہیں تاریخ میں ثبت ہیں اور مجھے ان کے متعلق کچھ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ مگر میں اس مدد کو حاضرین کے گوش گذار کرنے کیلئے ضرور ذکر کروں گا جو موجودہ زمانۂ جنگ میں آپ نے مختلف صورتوں میں گورنمنٹ برطانیہ کو پہنچائی ہے چار سال کا زمانہ گذرا جب آپ نے ریاست کے تمام وسائل گورنمنٹ برطانیہ کے زیر تصرف کر دیئے تھے اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ نے ہز اگزالٹڈ ہائی نس حضور نظام کی شرکت میں ایک اعلان شایع کیا تھا جو گورنمنٹ کے لئے بہت زیادہ قابلِ وقعت تھا اس لئے کہ اس سے عام طور پر ان وفادارانہ جذبات کا اظہار ہوتا تھا جو شاہی طاقت اور دوسرے درجہ کی اسلامی ریاست ہند کے درمیان قائم ہیں اس وقت سے اب تک آپ نے بیش قیمت موٹر کاریں کشتیاں اور ایک مسلح ہوائی جہاز دیا ہے اور ان کے علاوہ کثیر المقدار فیاضانہ امدادیں مختلف جنگی قرضوں میں کی ہیں۔ ان سب پر مستزاد ۲ لاکھ کی وہ کثیر رقم ہے جو آپنے اسپتال کے جہاز "لائلٹی" کے لئے دی ہے۔ آپ نے اپنے توپ خانہ کے سب گھوڑے بھی عنایت کردیئے

اور اس کے علاوہ ریاست نے اور بہت سے گھوڑے ہمارے لئے تیار کئے جو مختلف محاذوں پر روانہ کر دیئے گئے ہیں۔ آپ کے امپریل سروس رسالہ رجمنٹ نے ۳ سال تک شمالی ہندوستان میں کام کیا اور اب وہ سرحدِ وزیرستان پر مصروفِ کار ہے۔

میں میجر جنرل یاٹ کی وہ رپورٹ پڑھ کر جو اس رجمنٹ کے معائنہ کے بعد انھوں نے لکھی ہے نہایت محظوظ ہوا ہوں۔ آپ نے قرضۂ جنگ میں بہت کثیر رقم عنایت فرمائی ہے اور بھوپال کے عوام و خواص کو بھی آپ نے اس کی ترغیب دی کہ وہ اس میں فراخ دلی کے ساتھ رقوم دیں۔ آخری مدد جو آپ نے کی ہے وہ میرے ریاست میں آنے کے موقع پر ہوئی ہے آپ نے مجھے اخراجاتِ جنگ کے لئے پچاس ہزار روپیہ عنایت فرمایا اور اس کا وعدہ کیا کہ تا قیامِ جنگ آپ اتنی ہی رقم سالانہ عنایت فرماتی رہیں گی۔ جنگی خدمات کے ذیل میں اس کا ذکر کئے بغیر نہ رہوں گا کہ باوجود چند در چند دقتوں کے آپ جنگی کانفرنس کے موقع پر ماہِ اپریل میں دہلی تشریف لے گئیں۔ یہ بھی آپ کی بے مثل وفاداری کا ایک زبردست ثبوت ہے۔

مذکورۂ بالا اور نیز دیگر طریقوں سے آپ نے گورنمنٹ برطانیہ کی مدد جنگ کے معاملات میں کی ہے مگر اسی کے ساتھ آپ نے ہندوستان اور اپنی ریاست کے معاملات کو ایک منٹ کے لئے بھی فروگذاشت نہیں کیا۔ والیانِ ملک کی کانفرنسوں کے موقعوں پر آپ برابر دہلی تشریف لاتی رہیں اور ہم لوگوں کو آپ کی پختہ مغزی و تجربہ سے فائدہ اٹھانے کا بہت کافی موقع ملا اور میں نے بہت دلچسپی کے ساتھ وقتاً فوقتاً آپ کے اُن خیالات کو پڑھا ہے جو آپ نے اہم پبلک معاملات کے متعلق ظاہر کئے ہیں۔ یہ امر میرے لئے باعثِ مسرت ہے کہ آپ میری اور صاحب وزیر ہند کی ان کوششوں کی داد دیتی ہیں جو ہم نے برطانوی حکومت کے حسبِ ہدایت ہندوستان کی آئینی اصلاحات کے مسئلہ کو سلجھانے میں مصروف رہ کر کی ہیں اور یہ اطلاع میرے لئے دل خوش کن ہے کہ ریاستوں کے معاملہ پر ہماری تجاویز کو آپ خاص طور سے بنظرِ پسندیدگی دیکھتی ہیں۔

آپ کی شہرت ایک بیدار مغز و دانشمند حکمراں کی حیثیت سے دُور دُور پھیلی ہوئی ہے اور اس کا ثبوت اُن اعلیٰ درجہ کے مدرسوں میں ملتا ہے جو آپ کی ریاست کی زینت ہیں، نئے دفاتر اور کتب خانے واقعی ایسی بڑی ریاست کی شان کے شایاں ہیں اور حفظانِ صحت کی جو تجاویز آپ

کے ہاں زیر بحث ہیں میں امید کرتا ہوں کہ اُن کے عملدر آمد سے اس شہر کو کافی فائدہ پہنچے گا اور طاعون کا کافی تدارک ہو جائے گا جو مسلسل دلچسپی آپ نے سانچی ٹوپ کی کھدائی اور درستی کے کام میں ظاہر کی ہے وہ اس قیمتی رپورٹ سے ظاہر ہے جو سر جان مارشل نے تیار کی ہے اور جس میں آپ نے ان کو فیاضانہ مدد دی ہے اس کی وجہ سے میرا اور لیڈی چیمسفورڈ صاحبہ کا صبح کا وقت بودھ کی قابلِ قدر یادگاروں کے معائنہ میں نہایت مفید دلچسپی و لطف سے گذرا۔ آپ کی دلچسپی تعلیمی معاملات میں اور عورتوں کے مسائل کے متعلق مشہور آفاق ہے ہندوستان کی عورتوں نے ہمیشہ اپنے فرقہ کی ایک اعلیٰ حکمراں کی نظر سے ہر امداد و سرپرستی کے موقع پر آپ کو لکھا ہے اور اُن کا یہ خیال بالکل درست بھی ہے جو ذمہ داری آپ نے قبول کی ہے وہ بہت بھاری ہے مگر آپ نے اپنے فرض کو نہایت خوبصورتی سے ادا کیا ہے جس کی شاندار نظیریں لیڈی لینسڈون ہسپتال، مدرسہ سلطانیہ، وکٹوریہ گرلس اسکول اور وقف کا وہ فنڈ ہے جس کی بنیاد ۱۹۱۴ء میں بھوپال گرلز اسکول کے مصارف کے لئے پڑی تھی آخر میں میں اُس مدد کا بھی ذکر کروں گا جس کا علم مجھے ہر ایکسلنسی (لیڈی چیمسفورڈ) سے ہوا ہے کہ آپ ان کی شاہی نقرئی شادی کے نذرانہ کی اسکیم میں اُن کو بہت قیمتی مدد دے رہی ہیں اور اس کے ضمن میں آپ نے اُن سپاہیوں کے بچوں کے لئے جو اس لڑائی میں کام آئے ہیں کچھ وظائف منظور کئے ہیں حضور ملک معظم نے اپنے اظہار قدر دانی میں آپ پر چند در چند مراحم خسروانہ کئے ہیں۔ اور یہ امر میرے لئے بہت باعثِ مسرت تھا کہ گزشتہ یکم جنوری کو آپ کو حضور شہنشاہ معظم کی پیش گاہ سے آرڈر آف برٹش امپائر کا زنانہ گرینڈ کراس (تمغہ) عطا کیا گیا ہے۔"

لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند ۱۹۲۳ء	یور ہائی نس نے تاج برطانیہ کی وفاداری اور سلطنت کی خدمات کے متعلق جس اعتماد اور یقین کا اظہار کیا ہے

اس کی پوری قدر و منزلت کرتا ہوں۔ میں نے اس کو بھی محسوس کر لیا ہے کہ یور ہائی نس میری گورنمنٹ اور دیسی ریاستوں کے مابین رسل و رسائل کے نظام کو موجودہ صورت سے بہتر دیکھنا پسند کرتی ہیں یور ہائی نس کو معلوم ہے کہ میں باہمی تعلقات میں زیادہ قربت کرنے کے اصول پر توجہ کر رہا ہوں۔ یور ہائی نس نے ہندوستان کی فضا میں جو تبدیلیاں ہو رہی ہیں ان کی طرف اشارہ کیا ہے یہ

تبدیلیاں کچھ ہندوستان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہیں بلکہ یہ زمانہ کی ارتقائی تحریک کا نتیجہ ہیں
اور دُنیا کے ہر مقام پر کم وبیش یہی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں کہ یور ہائی نس
کے خیال کے مطابق نہایت اعلیٰ تدبر اور کامل تجربہ کاری کے ساتھ واقعات کی رہنمائی کرنی چاہیئے
میں نہایت خوشی کے ساتھ آئندہ ایسے موقعوں کا خیر مقدم کروں گا۔ جو مجھے اپنے اس دَورے
کے اثنا میں ملیں گے جن میں مجھ کو ہندوستانی ریاستوں کی پولیٹیکل اہمیت کا مطالعہ کرنے اور اُن
کی ترقی اور بہتری کے ذرائع پر غور کرنے کا موقع ملے گا۔ ہندوستان میں جو سیاسی اور معاشرتی
تبدیلیاں ہو رہی ہیں اُن میں ریاست کے باشندے کامل اعتماد اور روایتی وفاداری کے ساتھ
اپنی مشکلات کو دُور کرنے اور ان تبدیلیوں میں اپنی رہنمائی کرنے کے لئے اپنے حکمرانوں کی طرف
نظر کرتے ہیں۔ اِس اعتماد اور تعلق سے زیادہ کوئی قیمتی چیز آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ یور ہائی نس
کی طرح باتدبیر حکمران اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اس انقلابی زمانہ میں رعایا کا یہ اعتماد
اور وابستگی اُن کے ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔ مجھے اپنے دَورانِ قیام میں یہ دیکھکر بڑی مسرّت
ہوئی ہے کہ رعایا کی یہ محبت اور وفاداری یہاں ایک زندہ قوت ہے یہ محض روایتی جذبات کی
بنا پر نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد یور ہائی نس کا پرخلوص برتاؤ اور رعایا کی بہتری کے لئے یور ہائی نس
کی بہتریں کوششیں ہیں میں بہت سی باتیں دیکھنے سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں جس میں خاص طور
پر پبلک انسٹی ٹیوشنس ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یور ہائی نس کو اپنی رعایا کی تعلیم حفظِ صحت
رفع تکلیف اور دوسری ضروریات کا کتنا زبردست احساس ہے۔ یور ہائی نس نے جذبات اور فصاحت
کے ساتھ آئینی گورنمنٹ کے قیام کا ذکر کیا ہے جس کی بنیاد یور ہائی نس نے ہز رائل ہائی نس،
پرنس آف ویلز کے ورُود کے موقع پر رکھی تھی گو اس کا دائرہ ابھی وسیع نہیں ہے لیکن اس کی بنیاد
نہایت مناسب ہے اور سچائی کے ساتھ رکھی گئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ ان میں اور ترقی ہوگی
جبکہ حالات اور رعایا کی ضروریات اس سے زیادہ وسیع اور ترقی یافتہ نظام کی خواہاں ہوگی۔ اور
میں نہایت امید کے ساتھ اس دن کا انتظار کرتا ہوں جبکہ یہ نظام مکمل ہو کر ان لوگوں کی جائے
عافیت اور قابلِ فخر ہوگا جو اس کے سایہ میں زندگی بسر کریں گے۔ ....
میں ہر اکسلنسی کی طرف سے بھی یور ہائی نس کا ان تعریفی الفاظ کے متعلق شکریہ ادا کرتا ہوں

جو آپ نے ان کی مساعی پر ہندوستانی عورتوں کی طرف سے ظاہر کئے ہیں یقیناً وہ اپنے کام کی تعریف کو اُس ذات کی طرف سے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھیں گی جس نے کہ اسی میدان میں کام کیا ہے جو اس کی مشکلات کا اندازہ رکھتا ہے اور جس کے دل میں ویسی ہی امیدیں اور خطرات ہیں۔ یہ احساس ان کی تقویت کا باعث ہوگا اور ان کو ہندوستان کی تنہا خاتون فرماں روا کی ہمدردی اور امداد حاصل ہے جس نے کہ خود بھی ہندوستانی عورتوں کے لئے بہت کچھ کیا ہے"۔

لارڈ اروِن وائسرائے ہند ۱۹۲۸ء

اس سے مجھے مخصوص طور پر خوشی ہوئی کہ میں یور ہائینس کے پہلے سالِ حکومت میں بھوپال آیا اور میں آپ کے لئے اس سے زیادہ خوش نصیبی کی اور کیا دُعا کر سکتا ہوں کہ آپ کا زمانۂ حکومت اتنا ہی پُرامن اور کامیاب ہو جتنا کہ آپ کی والدۂ محترمہ کا ہوا جنھوں نے ابھی حال میں آپ کے لئے مسند سے دست کشی اختیار کی ہے۔ ہر ہائی نس بیگم صاحبہ (اپنی خدمات پر) ہندوستان اور ریاست بھوپال کی جانب سے ستائش کی مستحق ہیں۔ قریب قریب وہ پچیس سال ریاست کے نظم و نسق میں ہمہ تن منہمک رہیں اور ہم سب یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ اس یکسوئی میں جو انھوں نے اس شاندار طریقہ پر حاصل کی ہے بہت سے مسرت کے سال بسر کریں گی۔ ہر ہائی نس ممدوحہ نے یور ہائینس کو اپنا جانشین بنا کر اور اس طرح اپنے کامل اعتماد کا اظہار کر کے آپ کو سرفراز کیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اپنی زندگی کے آئندہ سالوں میں وہ اپنے عزیز فرزند کی جس پر اُنھوں نے کامل اعتماد کا اظہار کیا ہے مدبّر گورنمنٹ دیکھکر اطمینان حاصل کرلیں گی۔ یور ہائی نس بے شک نہایت خوش نصیب ہیں کہ سالہائے مستقبل میں آپ کے لئے ایک ایسا مُشیر رہے گا جو آپ کو اپنے تجربہ اور تدبر کا پورا فائدہ پہنچائے گا۔ بھوپال میں اس سے پہلے کوئی وائسرائے ایسے وقت میں نہیں آیا جب کہ کوئی مرد مسندِ حکومت پر متمکن ہو اور اس لئے یہ نہایت برمحل ہے اگر بھوپال کی خاتون حکمرانوں کی قابلیت اور مضبوط اور مستحکم حکومت کے متعلق استعجاب کا اظہار کروں۔ ایک انگریز کے لئے اگر وہ ایک خاتون کی قوت کا بحیثیت ایک عمدہ فرمانروا کے اندازہ کرنا چاہتا ہو تو وہ اپنے ملک کی تاریخ پر نظر ڈالے اور میں خیال کرتا ہوں کہ ہندوستان بھی ہر ہائی نس جیسی ایک حکمران خاتون کے وجود پر فخر کرسکتا ہے جس نے باوجود اپنی مختلف النوع ذمہ داریوں

کے کسی وقت بھی اپنے عورت ہونے کو فراموش نہیں کیا اور مسلسل ہندوستان میں اپنی صنف کی بہبودی اور ترقی کے کاموں میں نہایت گہری دلچسپی لیتی رہیں ....

یہ اقتباسات تو وائسرایان ہند کی تقریروں کے تھے لیکن اب اس سلسلہ کی تکمیل کے لئے ہز رائل ہائی نس پرنس آف ویلز (سابق کنگ ایڈورڈ ہشتم) کی تقریر کا اقتباس بھی درج کیا جاتا ہے۔

ہز رائل ہائی نس پرنس آف ویلز ۱۹۲۲ء

میرے لئے یہ امر بڑی مسرت کا باعث ہے کہ میں بھوپال آیا اور یور ہائی نس سے ملاقات کا فخر حاصل کیا جنکی تاج برطانیہ سے وفاداری اور سلطنت کی خدمات مشہور عام ہیں۔ یور ہائی نس کی ذات میں میرے خاندان اور سلطنتِ برطانیہ کے ایک ایسے دوست کی ذات ہے جس کی وفاداری روایات قدیم، اور اعتمادِ ذاتی کی بنیادوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہے۔

ہماری تاریخ میں دوسرا نازک وقت جنگِ عظیم کی ابتدا تھی۔ یور ہائی نس نے فوراً اپنی ریاست کے تمام ذرائع، فوج کی خدمات، اور اپنے خاندان کی خدمات کو ملکِ معظم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ کی امپیریل سروس کیولری جس کو آپ کی محترم والدہ نے قائم کیا تھا اور جس کو ملکہ وکٹوریہ اعظم کے نام سے منسوب کیا گیا تھا اس سے بھی ہندوستان میں خدمات لی گئیں اور بعد میں سرحد وزیرستان پر وہ لڑی تفصیل کے ساتھ یور ہائی نس کی تمام امداد کا جو آپ کی ریاست نے اس کشمکشِ عظیم میں سلطنت کو دی ذکر کرنا بہت مشکل ہے۔ بہت سی ضروریات جو بھوپال نے پوری کیں ان میں سے چند کا تذکرہ کروں گا۔ توپ خانہ کے لئے گھوڑے اور آدمی دیئے گئے۔ کیولری ریماؤنٹ، ایروپلین (ہوائی جہاز) کی تیاری میں بھی امداد کی۔ اور ۲ لاکھ روپیہ عنایت کیا۔ ایک لاکھ کے ابتدائی ہدیہ کے بعد تین لاکھ روپیہ ریلیف فنڈ میں دیا علاوہ بریں یور ہائی نس نے اس وقت جبکہ جنگ کا اختتام مشتبہ تھا پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی امداد جنگ جاری رہنے تک فرمائی۔ یور ہائی نس کے خاندان نے بھی آپ کی شریفانہ مثال کی پیروی کی۔ اور نہایت قابلیت اور مستعدی کے ساتھ پبلک اور پرائیوٹ حیثیت سے ہمارے مقاصد کی امداد کی۔ ....

یہ کامل وفاداری اور مسلسل خدمات کی فہرست جو آپ نے سلطنت اور تاجِ برطانیہ کی، تو تمنا

فوقتاً گیں ایسا ریکارڈ ہے جس پر یور ہائی نس اور آپ کی ریاست بجا طور پر فخر کر سکتی ہو اور مجھے نہایت مسرت ہے کہ میں آج رات کو اپنا شکریہ ذاتی طور پر یور ہائی نس کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

میں اپنی تقریر کو ختم نہیں کروں گا تاوقتیکہ میں اس عزت اور احترام کا تذکرہ نہ کروں جو یور ہائی نس کو ایک روشن خیال اور دور اندیش فرمانروا، اور اپنی رعایا کی سود و بہبود میں دلچسپی لینے والے حکمران کی حیثیت سے عام طور پر حاصل ہے۔

یور ہائی نس نے آج جس ارادہ کا اظہار کیا ہے کہ آپ رعایا کو حکومت سے زیادہ ملحق کرنا چاہتی ہیں۔ یہ آپ کے، اُن کے ساتھ تعلق اور دلچسپی کا بڑا ثبوت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا یہ فیاضانہ قدم رعایا کے اندر احسان شناسی کے جذبات پیدا کرے گا۔

آپ اپنی مملکت سے باہر بھی مستعدی کے ساتھ ان کانفرنسوں میں شریک ہوتی رہی تھیں اور سلطنت اور ہندوستان کے متعلق اہم معاملات پر اپنی صحیح رائے کا اظہار کرتی رہی ہیں جو والسرائے نے وقتاً فوقتاً منعقد کی ہیں۔ میں یور ہائی نس کے کام کے ایک رُخ کا ذکر کئے بغیر بھی خاموش نہیں ہو سکتا جس میں یور ہائی نس کا کوئی مدِمقابل نہیں ہے۔ میرا مطلب ان جذبات سے ہے جو ہندوستانی عورتوں سے متعلق ہیں صنفِ نسواں کی ایک فرمانروا ہونے کی حیثیت سے آپ نے اس فرض کو محسوس کیا جو آپ پر عائد ہوتا ہے اور یور ہائی نس کی ذاتی کوششیں اپنے طبقہ کی تعلیمی ترقی اور عام بہبودی کے حصول میں یقیناً کبھی نہ تھکنے والی ثابت ہوئیں مجھے معلوم ہے کہ میری والدہ ہر امپریل مجسٹی کوئن امپرس کو یور ہائی نس کی خدمتِ خلق کے اِس رخ سے کتنا تعلق ہے۔"

رعایا کا جوشِ عقیدت

ہر ایک فرمانروا کی کامیابی کا پورے طور پر اندازہ کرنے کے لئے اس کی رعایا کی وفاداری، عقیدت اور خلوص و محبت کے جذبات ہی حقیقی و صلی معیار ہیں اور سرکار عالیہ کی رعایا اُن سے مخصوص طور پر وابستہ رہی اور مختلف موقعوں پر اپنی محبت و خلوص اور وفاداری و عقیدت کے جذبات کا اظہار کیا۔

۱۹۱۵ء میں حضور سرکار عالیہ کی سال گرہ کے موقع پر جو رعایا کی جانب سے ایڈریس پیش ہوا وہ ان کے دلی جذبات کا ترجمان تھا جس کا اقتباس حسب ذیل ہے:۔

حضور عالیہ! ہم میں سے ہر شخص واقف ہے کہ جس زمانہ میں اس ملک کی قسمت احکم الحاکمین نے عُلیا حضرت کے دستِ مبارک میں تفویض فرمائی اُس وقت مختلف اسباب سے اس کی مادی و اقتصادی حالت نہایت سقیم ہو چکی تھی قحط و وبا کی صعوبات نے سخت صدمہ پہنچایا تھا۔ مزروعہ رقبہ کا ثلث حصہ غیر آباد تھا۔ اور تقریباً تیس فیصدی آبادی کم ہوگئی تھی اور اسی طرح عموماً دوسرے انتظامات اور خصوصاً تعلیم میں ملک بہت بڑی اصلاحی تدابیر کا محتاج تھا لیکن حضور عالیہ نے اعلیٰ فراست، اصابتِ رائے اور کمال تدبّر و بیدار مغزی سے ان تمام مشکلات اور دقتوں کو جو اصلاحات کے راستہ میں حائل تھیں دور فرمایا اور اعلیٰ ترین اصول حکومت سے قلیل عرصہ میں ملک کی سرسبزی و آبادی میں کامیابی حاصل کی۔ حضور عالیہ کا بنفسِ نفیس ملک محروسہ کا دورہ اور زرعی و تمدنی حالات کا بنظر خود معائنہ فرمانا گویا ان اصلاحات و ترقیات کے لئے فتح الباب تھا اور اب منازل قمری کے سترہ دور طے کرنے کے بعد جب ابتدائی زمانہ سے ہم مقابلہ کرتے ہیں تو کوئی شعبہ ایسا نظر نہیں آتا جس میں اصلاح و ترقی کے آثار نمایاں نہ ہوں۔

حضور عالیہ! ہم ان امور کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی قسمتوں پر فخر کرتے ہیں کہ ہم کو اس وجودِ ہمایوں کا ظلِ عاطفت نصیب ہوا ہے جس کی فطرت کا جوہر اعظم مخلوق الٰہی پر شفقت و رحمت ہے اور جس کے قلب مبارک میں ہمارے جذبات کا کامل احساس اور ہمارے ساتھ انتہائی ہمدردی ہے اور جس کی ذاتِ شاہانہ اعلیٰ اوصافِ حکمرانی کا مجموعہ ہے اور اس میں تمام وہ خصوصیات مجتمع ہیں جن کے باعث متقدم فرمانروایانِ بھوپال خاص طور پر ممتاز و معروف رہے ہیں۔

سرکار عالیہ کے ساتھ رعایا کو جو الفت تھی اُس کا نظارہ اُن کے دوروں میں ہوتا تھا یعنی کہ جب کبھی وہ اچانک موٹر پر جاتے ہوئے کسی گاؤں میں یا راستہ میں ٹھہر جاتی تھیں۔ بھوپال کے قرب و جوار میں یا کوہ و صحرا کے دور و دراز گوشوں کی آبادیوں میں ہر جگہ سرکار عالیہ کا نام اُن کی رعایا کی زبان پر محبت و الفت کے ساتھ جاری تھا۔

تمام ملکِ محروسہ میں ان جذبات کا اندازہ اس وقت کامل طور پر نظر آرہا تھا جب سرکار عالیہ نے دست برداری حکومت کا اعلان کیا ہے۔ ہر شخص اگرچہ موجودہ فرمانروا کی ذاتِ اقدس اور ان صفاتِ عالیہ سے جن کا گذشتہ دس سال سے تجربہ ہو رہا تھا کامل مطمئن تھا لیکن سرکار عالیہ

کی دست برداری سے انتہائی اندوہ گیں اور رنجیدہ تھا۔ اور پھر باوجودیکہ سرکار عالیہ حکومت کے فرض عظیم سے سبکدوش تھیں مگر رعایائے بھوپال کے قلوب پر حکومت قائم رہی جس کی پیش گوئی اعلیحضرت اقدس نے اپنی تقریر صدر نشینی کے وقت ان الفاظ میں کی تھی کہ :-

"اگرچہ حضور عالیہ نے امور ریاست سے دست کشی فرما کر حکومت ظاہری کے بار گراں کو میرے شانوں پر رکھدیا ہے لیکن بلا شبہ میرے اور تمام رعایائے بھوپال کے دلوں پر ہمیشہ حضور عالیہ کی حکمرانی رہے گی اور تمام ملک محروسہ میں حضور عالیہ کی محبت و شفقت کا جو سکہ بیٹھا ہوا ہے وہ بدستور یوں ہی جاری رہے گا۔"

اصل الاصول حکومت

یہ ایک نمایاں حقیقت ہے کہ سرکار عالیہ جب سریر آرائے حکومت ہوئیں تو ملک انتظامی و اقتصادی، عمرانی و تمدنی اور تعلیمی و اخلاقی حیثیت سے بہت کچھ اصلاح طلب تھا مگر سرکار عالیہ عزم بلند اور ہمت عالی کے ساتھ شبانہ روز اصلاحات و ارتقائے ملک کی مساعی جمیلہ میں منہمک ہوگئیں سخت و شدید موسم سرما میں عرض و طول ملک اور صحرائی و کوہستانی رقبات کا دورہ کرکے اور رعایا سے آزادی و بے تکلفی سے مل کر اس کی اصلی و حقیقی حالت کا مشاہدہ کیا اور وہ تجاویز و تدابیر اختیار کیں جن سے اپنے مدعا و مقصد میں کامیاب ہوئیں اور ہر حیثیت سے ملک و رعایا کو مدارج ترقی پر پہنچا دیا۔

وہ اپنی رعایا میں محبوب و ہردلعزیز تھیں راعی و رعایا میں شگفتگی محبت اور طمانیت تامہ تھی۔

ان کی تدبیر مملکت و بیدار مغزی اور اصلاحات کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہز امپیریل مجسٹی ملک معظم قیصر ہند کی گورنمنٹ سے ان کو مراتب و اعزاز حاصل ہوئے اور قائمقامان سلطنت نے اس کا اعتراف کیا۔

سرکار عالیہ کی یہ شاندار کامیابی محض اس عقیدت پر مبنی تھی کہ وہ ملک کو ودیعت الٰہی تصور

کر کے فرضِ حکومت کو اس تیقّن کے ساتھ ادا کرتی تھیں کہ حکومت و اقتدار عزت و مرتبت اور نجاتِ آخرت صرف اسی فرض کی بجا آوری پر منحصر ہے۔

انھوں نے سریرِ حکومت پر قدم رکھتے وقت ہی محسوس کر لیا تھا بلکہ اپنی تقریر میں اس احساس کو ظاہر بھی کر دیا تھا کہ :-

"جس فردِ بشر کے سر پر تاجِ شاہی رکھا جاتا ہے اس کی آسایش محدود ہو جاتی ہے"

چنانچہ اس ۲۵ سال کے دورِ حکومت میں ان کی آسایش بہت محدود رہی اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس احساسِ اوّلین کے خلاف کچھ بھی محسوس ہوا۔

ان کا یہ دورِ حکومت ہر حیثیت سے ہندوستانی فرمانرواؤں اور بالخصوص ان کے جانشین حکمرانوں کے لئے سبق آموز اور بصیرت افروز ہے اگر عبدیت و نیابتِ الٰہی کی کوئی شرح تفسیر یا مکمّل تصویر ہو سکتی ہے تو سرکارِ عالیہ کا جذبۂ حکمرانی اور طریقۂ کار فرمائی ہے۔

عبادت کے اوقاتِ پنجگانہ میں عبدیت کا اظہار و اعتراف اور روز و شب کے باقی حصص میں فرائضِ حکومت کی انجام دہی نیابتِ الٰہی کا نورانی منظر تھا۔

چونکہ انھوں نے اپنی حیثیت مثلِ امین کے سمجھ کر اس ودیعتِ کبریٰ کے اہم فرائض کا احساس کیا تھا اس لئے جب متصل و پیہم صدمات سے ادائے فرائض یعنی مہماتِ امورِ حکومت پر اثر پڑنے کا یقین ہو گیا تو اس ودیعت کی ذمہ داری سے دست برداری کر لی اور کوئی اصرار اس ارادہ و عمل سے باز نہ رکھ سکا۔

قومی و ملکی ہمدردی

سعی و عمل اور فیاضانہ امدادیں

سرکار عالیہ کو بہ لحاظ اخوتِ اسلامی قومی فلاح و بہبود کا جس درجہ خیال تھا اور ایک ہندوستانی خاتون کی حیثیت سے وطنی ترقی کی جس قدر آرزومند تھیں اس کا اندازہ صرف وہی اشخاص کر سکتے ہیں جن کو اُن سے قومی و ملکی مسائل پر گفتگو کرنے اور تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ انھوں نے مسائلِ تعلیم پر ہمیشہ اپنے خیالات کو نہایت بلند آہنگی سے ظاہر کیا۔ موجودہ نصابِ تعلیم میں مذہبی حصہ کی اہمیت کا جو احساس تھا وہ ہر موقع پر اُن کی تقریروں میں نمایاں ہے وہ مادری زبان میں تعلیم کی زبردست حامی اور موجودہ طریقۂ امتحانات و نصابِ تعلیم کی سخت مخالف تھیں اس حمایت و مخالفت کو براہینِ قاطعہ کے ساتھ متعدد مواقع پر ظاہر بھی کرتی رہتی تھیں۔

ان کو ہندوستان کے افلاس کا پورا احساس تھا وہ غربا کے صحیح حالات کا علم رکھتی تھیں۔ باوجود مصارفِ کثیرہ کے زنانہ طبّی امدادوں میں جو کمی ہے، اور اس کمی کے جو اسباب ہیں ان پر عبور تھا اور انھوں نے نہایت آزادی کے ساتھ اُن امور پر ایک طرف اہلِ ہند کو اور دوسری طرف حکومت کو توجہ دلائی۔

وہ قومی و ملکی معاملات کے متعلق جب ضرورت سمجھتیں برٹش انڈیا کے اعلیٰ عہدہ داروں گورنروں اور والیسرایانِ ہند کو بھی متوجہ کرنے سے دریغ نہ کرتیں اور قومی و مذہبی احساسات و جذبات کو بلا تکلف ظاہر کر دیتیں۔

غالباً سرکار عالیہ ہی وہ پہلی فرمانروا ہیں جنھوں نے اسٹیٹ ڈنروں اور ریاست کی تقریبات کے موقع پر بھی قومی و ملکی مسائل کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

۱۹۱۱ء میں جب انارکی کا آغاز ہوگیا تھا، لارڈ منٹو کے ڈنر کی تقریر میں مسلمانوں کی اس وفاداری کو جو سلطنتِ برطانیہ کے ساتھ ہے اس طرح ظاہر کیا :-

"یور اکسلنسی!

میں بحیثیت ایک مسلمان کے بلاخوفِ تردید اس بات کے ظاہر کرنے کا استحقاق رکھتی ہوں کہ تاجِ برطانیہ کے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری اور اُن کی محبت کسی عارضی مصلحت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اُن کی مقدس کتاب میں اس کی ہدایت موجود ہے۔"

اسی طرح ہندوستانی عورتوں میں توسیع و اشاعتِ تعلیم کے متعلق حمیدیہ لائبریری کی افتتاحی تقریب کے ایڈریس میں لارڈ ہارڈنگ کو یوں توجہ دلائی کہ :-

یور اکسلنسی! کیا ہندوستان اس مشہور مدبّر (لارڈ ہنری ہارڈنگ) کی جس کے آپ قابلِ فخر وارث اور ممتاز جانشین ہیں ان توجہات کو کبھی فراموش کرسکتا ہے جو صاحب موصوف نے مردوں میں تعلیمی رجحان پیدا کرنے کے لئے مبذول کی تھیں اسی طرح یور اکسلنسی سے یہ توقع رکھنا بجا اور بہت بجا ہے کہ یور اکسلنسی بھی عورتوں کی تعلیم میں اُسی درجہ کی پُر اثر اور خصوصیت کے ساتھ توجہات کی یادگار چھوڑیں گے کیونکہ جب تک ہر دو صنفِ انسانی تعلیم یافتہ نہوں اُس وقت تک تعلیم کے پورے فوائد مترتب نہیں ہو سکتے۔

محاربۂ عظیم میں ٹرکی کی شرکت اور اس کے مابعد نتائج کی وجہ سے مسلمانوں کے قلوب پر جو اثر تھا سرکارِ عالیہ نے بحیثیت ایک مسلمان کے اس کو حکّامِ سلطنت کے سامنے کبھی مخفی نہیں رکھا۔

لارڈ ریڈنگ کے ڈنر پر اس اثر کو اور نیز ہندوستانی سیاست کی رفتار پر اپنے خیالات کو نہایت صاف لفظوں میں اس طرح ظاہر کیا کہ :-

بیسویں صدی کے ہندوستان کی رفتار سے مہیب آثار نمایاں ہیں اور عالمِ انقلاب میں ان کی رہبری ایک ایسا کام ہے جسے بقول لارڈ مارلے انسانی ہمدردی اور مروتِ سیاسی مصلحت بینی، اور جرأت قومی، فرض شناسی اور عزت کے ساتھ انجام دینا ایک نہایت شاندار خدمت کہا جاسکتا ہے۔ خود مجھے اِس بات کا پورا اطمینان ہے کہ ان اہم معاملات کے تصفیہ میں جو جناب والا کو آئے دن پیش آئے ہیں آپ جو کچھ کریں گے وہ بلاشبہ اعلیٰ درجہ کی مآل اندیشی اور

معاملہ فہمی کے طغرائے امتیاز سے مزیّن ہوگا۔

مسئلہ ٹرکی کے متعلق آپ کا وہ مشہور مراسلہ جو آپ نے گورنمنٹ برطانیہ کو لکھا تھا جس میں آپ نے نہایت صفائی اور بے لوثی سے مسلمانانِ ہندوستان کی شکایتوں کی وکالت کی تھی اور اپنے منصب عالی کا تمام وزن ان کی حمایت میں صرف کیا تھا ایک ایسی دستاویز ہے جس کے لئے ہندوستان کا ہر مسلمان آپ کا ممنونِ احسان ہوگا۔ اور جس سے ضمناً آپ کی انصاف پروری اور عدل گستری کی وہ قابلِ رشک شہرت جو آپ سے پہلے اس ملک میں پہنچ چکی تھی قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔

یور اکسلنسی کو حضور ملکِ معظم کی تمام مسلم رعایا کی اس دلی طمانیت کا کافی اندازہ ہوگا جس سے انھوں نے "معاہدۂ مدانیا" کا خیر مقدم کیا تھا تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی اور میری یہی دلی تمنا ہے کہ یہ معاہدہ دو قدیم دوستوں یعنی برطانیۂ عظمیٰ اور سلطنت عثمانیہ کے مابین پھر سابقہ ملاپ اور اتحاد کا ایک مستقل ذریعہ بنے لیکن اس بارہ میں مجھے اپنے خیالات کے اظہار میں اطناب سے اجتناب کرنا چاہیئے اس معاملہ میں میری رائے گورنمنٹ ہند سے مخفی نہیں ہے اور یہاں صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے تمام مسلمان خواہ وہ امیر ہوں یا غریب یکساں متاثر ہیں۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ ہندوستان کی ترقی اس وقت تک ناممکن ہے کہ جب تک ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کے پاس بھی اسباب ترقی مہیا نہ ہو جائیں اور وہ ان کے دوش بدوش کھڑے ہونے کی طاقت حاصل نہ کرلیں اس لئے پہلی ضرورت یہ ہے کہ اس قوم میں ان اسباب کے مہیا کرنے کی قابلیت پیدا کی جائے اور ظاہر ہے کہ اس مقصد میں جب ہی کامیابی ہوسکتی ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی رفتار تیز ہو اس لئے سرکار عالیہ نے مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق زیادہ توجہ رکھی اور اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ یہ مختص القوم توجہ اور امداد نہ تھی بلکہ نتیجہ میں پورے ملک کی فلاح و بہبود اور ترقی مرکوزِ خاطر تھی۔

قومی فیاضی اور اس کا اصول و محرّک

سرکارِ عالیہ بالطبع نہایت فیاض تھیں اور قومی معاملات میں تو بقول نواب وقار الملک

مرحوم" سرکارِ عالیہ کی فیاضی خود موقع کی تلاش میں رہتی تھی۔"

لیکن فیاضی کی یہ خصوصیت محض اُن کے رجحانات، قومی جذبات اور مفید کاموں کی ضرورتوں کے براہِ راست احساس کا نتیجہ تھی سفارشوں اور درخواستوں اور بارسوخ اشخاص کے اثر کو اس میں کوئی دخل نہ تھا پہلے کام کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ ذاتی طور پر فرمانے کی کوشش کرتیں اور پھر کامل غور فرماتیں اور جو کچھ فیاضی ہوتی وہ اسی اندازہ اور غور کا اثر ہوتی اور بمنزلہ فرض کے ہوجاتی، سرکار عالیہ نے الہ آباد کے محمڈن بورڈنگ ہاؤس کو جب امداد عطا فرمائی تو منتظمین نے بطور نشانِ شکر گذاری ایک یادگار بنانی تجویز کی مگر سرکار عالیہ نے اس کو منظور نہ کیا۔

اس واقعہ کے بیان میں اپنے اصول امداد کی اس طرح توضیح فرمائی ہے کہ:۔

"اگرچہ میں اس بات کو پسند کرتی ہوں کہ قومی انسٹیٹیوشن ضرور اپنے بانیوں اور امداد کرنے والوں کے نام سے موسوم ہوں تاکہ دوسرے لوگوں کو اپنی یادگاریں قائم کرانے اور قومی کاموں میں چندہ دینے کا حوصلہ پیدا ہو مگر میں اپنی ذات کے لئے اس کی خواہاں نہیں کیوں کہ میں جب ضرورت کو بخوبی محسوس کرلیتی ہوں اس وقت کوئی مدد کرتی ہوں اور جب ضرورت محسوس ہوجاتی ہے تو امداد بمنزلہ فرض کے ہوجاتی ہے اور ادائے فرض کسی تحسین وصلہ یا یادگار کا مستحق نہیں پس میں امداد کرکے اپنے نام سے کسی یادگار کو کسی یادگار کے قائم ومنسوب کئے جانے کا استحقاق نہیں رکھتی اسی وجہ سے میں نے اس خواہش کو نامنظور کیا۔"

سرکار عالیہ کے حضور میں جب قومی حالات بیان کئے جاتے تو اکثر اتنا متاثر ہوجاتیں کہ آواز سے تاثرات ظاہر ہونے لگتے واقعات پر اطمینان و اطلاع کے بعد ناممکن تھا کہ کسی قومی ادارہ کو اپنی امداد سے محروم رکھیں۔

سرکار عالیہ کو جب محمڈن کالج کے فوائد اور اس کی حالت کا اطمینان ہوگیا اور نواب وقارالملک (مرحوم) سے دو تین مرتبہ ملاقاتوں میں آزادی کے ساتھ گفتگو ہوئی تب کالج کی طرف دستِ جود و سخا بڑھایا اور اس طرح کہ کالج کا ہر صیغہ سرکار عالیہ کی فیاضیوں سے بہرہ یاب ہوگیا۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کو جو شاہانہ مدد دی اس نے کانفرنس کی بنیادوں کو مضبوط کردیا اور پھر اسکی شاندار عمارت کے لئے گراں قدر عطیہ مرحمت فرما کر ایک اہم ضرورت پوری کردی۔

سرکار عالیہ نے پہلے عمارت کے فنڈ میں پندرہ ہزار روپے عطیہ کا وعدہ فرمایا تھا لیکن جب صاحبزادہ آفتاب احمد خاں (مرحوم) نے بھوپال آکر وہ ڈائی گرام اور نقشے ملاحظہ میں پیش کئے جو مسلمانوں کی تعلیمی پستی کا آئینہ تھے اور عمارت کی ضرورت بیان کی تو سرکار عالیہ کے قلب مبارک پر ایک خاص اثر ہوا اور فوراً رقم مطلوبہ پوری کردی۔

دسمبر ۱۹۱۰ء کی کانفرنس میں جب یہ طے ہوگیا کہ مسلم یونیورسٹی کی تحریک کو قوم کے سامنے پیش کیا جائے تو ہز ہائی نس آغاخان اور نواب وقار الملک بطور ڈپوٹیشن کے سرکار عالیہ کے پاس بمقام الہ آباد آئے جہاں نمائش دیکھنے کے لئے تشریف فرما تھیں۔ ہز ہائی نس نے نہایت مؤثر طریقے سے یونیورسٹی کی اہمیت و ضرورت بیان کی اور دیر تک تبادلۂ خیالات ہوتا رہا آخر میں سرکار عالیہ نے فرمایا۔

"ایک لاکھ میں اس وقت دیتی ہوں مگر کہے دیتی ہوں کہ اور بھی دوں گی اس کے علاوہ میں نے خود دیکھا ہے کہ علی گڑھ میں ہماری قوم کے بچے گرمی میں سخت تکلیف برداشت کرتے ہیں انھیں بجلی کی روشنی اور پنکھے بھی دوں گی اور ریاست کے جاگیرداروں و عمّال سے بھی روپیہ دلاؤں گی۔ اور اگر ہز ہائی نس نظام سے بھی ملاقات ہوگی تو اُن سے بھی مدد مانگوں گی۔"

اس وقت حاضرین اور خود سرکار عالیہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ ہز ہائینس آغاخان نے بھرّائی ہوئی آواز سے اپنے شکریہ کو ان الفاظ میں ادا کیا کہ :-

"دلِ بندہ را زندہ کردی، دلِ اسلام را زندہ کردی، دلِ قوم را زندہ کردی، خدا تعالیٰ بطفیل رسول اجرش بدہد۔"

سرکار عالیہ کی امداد و دلچسپی صرف اس عطیہ پر ختم نہیں ہوئی بلکہ جب وصولیٔ چندہ کی کارروائی باقاعدہ شروع ہوگئی تو بھوپال کی پراونشیل کمیٹی میں سرکار عالیہ نے عمائدین کو چندہ دینے کی ترغیب دی اور خود بہ نفسِ نفیس پرنسس آف ویلز لیڈیز کلب میں خواتین کے سامنے ایک پرجوش تقریر فرمائی۔

حالی میموریل ہائی اسکول کی امداد

خواجہ سجاد حسین صاحب جب حالی میموریل اسکول کے چندہ کے لئے بھوپال آئے اور سرکار عالیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیر تک قومی تعلیم پر باتیں ہوتی رہیں اور رخصت ہوتے وقت اُن سے

ارشاد فرمایا کہ مدارسِ بھوپال کا معائنہ کریں۔ معائنہ کے بعد جب دوبارہ گئے تو انتظامِ مدارس پر گفتگو رہی۔ چونکہ اس گفتگو میں وقت زیادہ گذر گیا تھا لہذا بہ خیالِ تکلیف خواجہ صاحب نے اجازت چاہی لیکن اس وقت تک حالی میموریل اسکول کے متعلق کوئی گفتگو نہیں آئی تھی سرکار عالیہ نے خود فرمایا کہ :-

"خواجہ صاحب جس مقصد سے آپ نے بھوپال کا سفر کیا ہے ابھی اس پر تو گفتگو ہی نہیں ہوئی میں مولانا حالی مرحوم کی یادگار قائم کرنا ہر مسلمان کا فرض سمجھتی ہوں۔ میں نے ان کی قومی نظموں کا مطالعہ کیا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ قومی اصلاح میں ان نظموں کا کیا اثر ہے میں ضرور اس میموریل میں مدد دوں گی۔"

اس کے بعد خواجہ صاحب اجازت لے کر واپس آئے اور شام ہی کو معلوم ہو گیا کہ سرکار عالیہ نے بارہ سو روپیہ سال کی گرانٹ مقرر فرما دی۔

تالیف سیرۃ النبیؐ کے مصارف کی کفالت

سرکار عالیہ نے سیرۃ النبیؐ کی تالیف کے لئے جس طرح مصارف کی کفالت کی وہ ان ہی کے الفاظ میں بیان کی جاتی ہے :-

چونکہ اردو میں اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مفصل اور مستند سوانح عمری موجود نہیں ہے اس لئے جب مجھے معلوم ہوا کہ شمس العلما مولانا شبلی جو تاریخ اسلام کے ایک باکمال اور مستند عالم ہیں سیرۃ نبویؐ مرتب کرنا چاہتے ہیں لیکن مالی امداد سے مجبور ہیں اور انھوں نے ایک اپیل امداد کے لئے شائع کی ہے تو میں نے اس اپیل کو دیکھا اور افسوس ہوا کہ ایک ایسی ضروری اور مذہبی تصنیف کے لئے پبلک سے اپیل کرنے کی نوبت پہنچی ہے میں نے ان کو مطلع کیا کہ وہ فوراً کام شروع کر دیں اور جس قدر روپے کے لئے اپیل کی گئی ہے وہ میں دوں گی۔"

تکمیل سیرۃ کی آرزو

مولانا شبلی مرحوم اکثر سرکار عالیہ سے ملاقات کو آتے تھے اور کبھی کبھی دن مہمانِ خاص کے طور پر رہتے تھے گھنٹوں قومی و مذہبی معاملات پر گفتگوئیں ہوتی تھیں، ایک مرتبہ جب وہ تشریف لائے تو صحت بہت خراب تھی اور غالباً بھوپال آنے کا یہی آخری موقع تھا سیرۃ کے مصارف کا تخمینہ اندازہ سے بہت بڑھ گیا تھا لیکن جب مولانا

نے عرض کیا تو سرکار عالیہ نے فرمایا کہ :-

"آپ مطمئن رہئے جو مصارف ہوں گے وہ میں دوں گی"

اور اسی وقت فوراً حکم دیدیا پھر مولانا سے فرمایا کہ :-

"لیجئے میں نے اپنا فرض پورا کردیا اور یقیناً میں اس ثواب کی مستحق ہوگئی جو اس نیک کام میں مجھے ملے گا لیکن آپ کی صحت تو اتنی خراب ہے کہ دو دو وقت کھانا نہیں کھاتے اگر آپ نہ رہے تو کتاب کیونکر پوری ہوگی"

مولانا نے کہا :-

"کتاب ضرور پوری ہوگی میں نے دو آدمی تیار کرلئے ہیں حمید الدین[۵۱] اور سید سلیمان[۵۲] وہ پوری کرلیں گے"

سرکارِ عالیہ کی اس فیاضی اور جوش و حوصلہ سے مولانا پر ایک خاص اثر ہوا اور اسی اثر میں مولانا نے یہ قطعہ نظم فرمایا۔

مصارف کی طرف سے مطمئن ہوں میں بہر صورت　　کہ ابرِ فیضِ سلطانِ جہاں بیگم زر افشاں ہے

رہی تالیف و تنقید روایت ہائے تاریخی　　تو اس کے واسطے حاضر مرا دل ہے مری جاں ہے

غرض دو ہاتھ ہیں اس کام کے انجام میں شامل　　کہ جس میں اک فقیر بے نوا ہے ایک سلطاں ہے

جب مولانا کا انتقال ہوگیا تو سیرت کا کام جاری رہنے کے متعلق مخصوص طور پر اطمینان حاصل کیا، مولانا حمید الدین اور مولوی سید سلیمان ندوی کو یاد فرمایا اور جب وہ بہرہ اندوز ملازمت ہوئے تو اُن کی حوصلہ افزائی کی اور فرمایا کہ "اطمینان کے ساتھ کام جاری رکھا جائے اور جس امداد کی ضرورت ہو فوراً درخواست کی جائے۔" ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں جب سیرت کا پہلا حصہ طبع ہوگیا اور مولوی سید سلیمان اور مولوی عبد السلام نے حاضر ہو کر اس کو پیش کیا ہے تو وہ وقت بھی سرکار عالیہ کی عجیب مسرت کا تھا، شکر الٰہی ادا کیا اور کہا کہ "یہ تو بڑا کام ہوا۔"

اس کے بعد جب دار المصنّفین کے کاموں کی رپورٹ پیش کی گئی جس سے ظاہر ہوا کہ سیرت

---

[۵۱] مولانا حمید الدین بی۔اے [۵۲] مولانا سید سلیمان ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ۔

کے اور حصّے بھی تیار ہیں اور اس سلسلہ کی دوسری کتابوں سیرت عائشہؓ سیر الصحابہ سیر الصحابیات کے مسودات بھی مکمل ہیں مگر پریس کی شکل کے باعث طباعت و اشاعت ملتوی ہے جس کی قیمت تین ہزار روپے ہے تو فرمایا کہ "ایسے نیک کام کے لئے تین ہزار کیا چیز ہیں ابھی حکم لکھے دیتی ہوں" چنانچہ فوراً رپورٹ کی پیشانی پر تحریر فرمایا کہ :-

"تین ہزار روپیہ مولوی سید سلیمان صاحب کو بشکریہ کتاب سیرت نبوی دیئے جائیں تاکہ ایسی کتب ہائے خیر کا سلسلہ جاری رہ کر قوم کو استفادہ حاصل ہو"

چنانچہ یہ رقم دوسرے ہی دن وصول ہوگئی اور دار المصنفین میں ایک عمدہ پریس کا بھی انتظام ہوگیا۔

مذہبی مدارس کی امدادیں

اگرچہ بھوپال میں اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک مخصوص مدرسہ ہے جس کے کافی مصارف ہیں اور طلبا کو وظائف بھی دیئے جاتے ہیں لیکن سرکار عالیہ نے اشاعتِ تعلیم مذہبی و تحفظ علوم دینی کے خیال سے مدرسہ دیوبند اور دار العلوم ندوہ اور مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ اور دیگر مدارس کی امدادیں بھی مقرر کیں۔

ووکنگ مشن کی امداد

ایک موقع پر اور غالباً آخری مرتبہ، مولانا شبلی نے سرکار عالیہ کو خواجہ کمال الدین کے تبلیغی مشن کی امداد پر توجہ دلائی، اور مفصل حالات اور ضرورت پر مطلع ہونے کے بعد سرکار عالیہ نے امداد منظور فرمائی لیکن جب خواجہ صاحب ہندوستان آئے اور باریاب حضوری ہوئے تو سرکار عالیہ نے اس مشن کی پوری سرپرستی فرمائی اور ہر قسم کی اخلاقی و مالی امدادیں کیں بعض کتابوں کی اشاعت کے لئے مخصوص عطیات منظور کئے۔

طب یونانی کی سرپرستی

سرکار عالیہ یونانی طب کی نہایت قدر شناس اور سرپرست تھیں بھوپال میں سرکار خلد نشیں کے زمانہ سے صحتِ عامہ کے سلسلہ میں طبِ یونانی کا جو باقاعدہ صیغہ قائم تھا اپنے عہدِ حکومت میں اس کو بہت کچھ ترقی دی اور ریاست کے علاوہ دہلی کے آیورویدک و یونانی طبی کالج کی مدِ تعمیر میں پچیس ہزار روپیہ نقد عطا کئے، اور اٹھارہ سو روپیہ سالانہ کی گرانٹ منظور فرمائی۔

ان مالی امدادوں کے ماسوا ۱۹۲۷ء میں سالانہ جلسہ تقسیمِ اسناد کی صدارت فرما کر نہایت شاندار اخلاقی امداد بھی فرمائی۔

اِس موقع پر سرکارِ عالیہ نے ایک مبسوط تقریر کی جس کی ابتدا میں ارشاد کیا کہ :۔

آپ نے جس مہربانی کے ساتھ آج کے جلسہ کی صدارت کے لئے مجھے مدعو کیا ہے ویسی ہی شکرگذاری کے ساتھ میں نے آپ کی دعوت قبول کی ہے کیونکہ میں ایک ایسی تقریب کے فرائض ادا کرنے کے لئے مدعو کی گئی ہوں جس میں انسانی تکلیفات اور مصائب میں ہمدردی کرنے والی جماعت کو ہم سب خدا حافظ کہیں گے اور اِس طرح اُس ثواب میں ہم بھی کچھ نہ کچھ حصہ پانے کے مستحق ہو جائیں گے جو اس جماعت کو حاصل ہوا کرے گا۔

آپ نے اپنے ایڈریس میں جو کچھ میری امدادوں کے متعلق اور بالخصوص طبی کالج کے متعلق تذکرہ کیا ہے اُس کی نسبت میں صرف اسی قدر کہنا چاہتی ہوں کہ میری ہر تعلیمی مدد میرے ایک فرض کے تابع رہی ہے اور اس مقدس مذہب کے نقطۂ نظر سے جس کی کہ میں متبع ہوں بالخصوص علمِ طب کی خدمت اور طبیب کی عزت تو میرا ایک مقدم ترین فرض ہے "۔

اس کے بعد عہدِ رسالت، عروجِ تمدن، اسلام میں طبّی انتظامات پر ایک اجمالی تبصرہ اور دہلی کی طبّی عظمت کا تذکرہ فرما کر موجودہ زمانہ کی طبّی ترقیوں اور اکتشافاتِ سائنس وغیرہ پر حاضرین کو توجہ دلائی اس کالج کے کام اور فیضِ عام پر اظہارِ تحسین کے ساتھ مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں کے خاندان کی طبّی خدمات کی تعریف کی اور آخر میں کامیاب طلبا کو حسبِ ذیل نصیحت فرمائی :۔

میں تم کو تمھاری کامیابی پر مبارکباد دیتے ہوئے تمہاری توجہ صرف اس نقطہ کی جانب منعطف کراتی ہوں کہ تمھاری تعلیم اور درسگاہ نے ملک میں ایک وقار قائم کر لیا ہے پس تمہاری اوّلین کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ تم اس کے وقار میں اور اضافہ کرو تم جس جگہ اپنا کام کرو وہاں کے خاص خاص عقاقیر اور نباتات وغیرہ کے افعال و خواص کی طرف زیادہ توجہ رکھو اور جدید تحقیقاتوں میں مصروف رہو تا کہ تمہاری تحقیقاتوں اور تجربوں سے تمہارے گروہ اور پبلک کو فائدہ حاصل ہوتا رہے "۔

تاریخ اور زمانۂ حال کا مشاہدہ اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے کہ اسلامی دُنیا کی گذشتہ عظمت اور اِس زمانہ میں یورپ کی برتری کے اسباب میں طبیبوں اور ڈاکٹروں کی طبّی تحقیقاتوں کو بھی بڑا دخل ہے پس اگر تم چاہتے ہو کہ تم بھی وہی عظمت حاصل کرو تو

تم میں ایسے جلیل القدر محقق اطبّا ہونے چاہئیں جن کی تحقیقاتوں کو یورپ بھی وقیع نظروں سے دیکھے۔

تم کو مغربی طب کے ساتھ بھی ہمیشہ دلچسپی رہنی چاہیئے کیونکہ اس کی جدید تحقیقاتیں ہر روز ہمارے علم میں کچھ نہ کچھ اضافہ کا باعث ہوتی ہیں۔

تمھارا ذہن کبھی اس بات سے بھی خالی نہ ہونا چاہیئے کہ یہ تعلیم حقیقتاً.... انسانی ہمدردی کی تعلیم ہے تم خدا کی مخلوق کی خدمت کے لئے تیار کئے گئے ہو جس میں بڑے غور وفکر اور صبر و استقلال کے ساتھ قناعت، ایثار، اور توکل کی ضرورت ہے ہمیشہ سے اطبّا کے لئے یہ اوصاف مخصوص رہے ہیں اور خصوصاً تمہارے کالج کے بانیوں کا خاندان تو ان اوصاف میں بہایت ممتاز رہا ہے۔ مجھے یہ امید ہے کہ تم ہر جگہ ان ہی اوصاف کا ثبوت دے کر اطبائے سلف کا نمونہ ہوگے اور جو خدمت کہ تم کروگے زیادہ تر اس کے اجر کی توقع خداوند کریم کی درگاہ سے رکھوگے۔"

جامعۂ ملّیہ کا معائنہ سرکار عالیہ نے تعلیم کو ہمیشہ اس کے اصلی مفہوم میں سمجھا اور اس کا حقیقی مقصد حضور ممدوحہ کے پیشِ نظر رہا جو تمام تعلیمی تقریروں اور بالخصوص مسلم یونیورسٹی کے خطبات میں نمایاں ہے۔

ہندوستان کی تعلیم گاہیں بلاشبہ ہنوز اس مفہوم و مقصد کے معیار پر کامل طور سے پوری نہیں اُترتیں البتہ مشہور جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) اسی مفہوم و مقصد کا حامل بن کر قائم ہوا لیکن بعض وجوہ سے اس کے بانیوں نے اس کو ایک سیاسی ادارہ کی حیثیت سے ملک کے سامنے پیش کیا جو حقیقتاً ایک عظیم غلطی تھی تاہم چند سال میں اس غلطی کا احساس ہوگیا اور جامعہ کو ایک خالص تعلیم گاہ بنایا اب ممکن نہ تھا کہ سرکار عالیہ کی نظر التفات سے وہ محروم رہ سکے چنانچہ ۱۹۲۷ء میں بہ ہنگام قیام دہلی غیر رسمی طور پر جامعہ کا معائنہ کیا ہر شعبہ کو بنظر امعان دیکھا اور اس کے نصاب و طریق تعلیم سے مطمئن ہوکر بہایت حوصلہ افزائی فرمائی اور ارشاد کیا کہ:-

جامعہ کے حالات سُن کر مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی آپ لوگوں نے مسلمانوں کے تنزل کے اصلی اسباب کو سمجھ لیا ہے، مجھے امید ہے کہ آپ اسلام کے بجھتے ہوئے چراغ کو دوبارہ

روشن کریں گے۔"

سرکار عالیہ بلاشبہ بہت کچھ امداد فرماتیں لیکن افسوس ہے کہ ان کی رحلت نے جامعہ کو محروم رکھا۔

السنہ مادری کی ترقی پر توجہات

سرکار عالیہ ملکی اور مادری زبانوں میں ترویج و اشاعتِ علوم کو نہایت ضروری تصور فرماتی تھیں اور اس مقصد کے حصول میں بذاتِ شاہانہ ساعی رہتی تھیں اور ہمیشہ اس کے متعلق ہر مناسب موقع پر اپنے خیالات کو ظاہر فرماتیں۔ وہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں تشریف لے گئیں۔ مہارانیوں اور بیگمات سے ملیں اور متعدد مواقع پر ایک ہی جگہ ایسی ملاقاتوں کا اتفاق ہوا اس سلسلہ میں عام خواتین کو بھی ان کے حضور میں باریابی کا موقع ملا لیکن ہر جگہ اُردو زبان ہی بلا تکلف ذریعہ گفتگو اور وسیلہ اظہار خیالات رہی اور کہیں کسی جگہ کوئی دِقّت محسوس نہ ہوئی۔ اس لئے اُن کا یہ عقیدہ راسخ ہوگیا تھا کہ اگر ہندوستان کے مختلف صوبوں کے باشندے تبادلۂ خیالات اور باہمی معاشرتی تعلقات کے قائم رکھنے کیلئے کسی زبان کو وسیلہ و ذریعہ بنا سکتے ہیں یا کسی زبان میں ایسی صلاحیت اور دیگر علوم کی استعدادِ جاذبیت موجود ہے تو وہ صرف "اُردو" ہے

اسی بنا پر اُنھوں نے ہمیشہ اُردو زبان کی ترقی پر توجہ مبذول رکھی۔ جامعۂ عثمانیہ کے ابتدائی مرحلہ تراجم پر جبکہ اس کے وجود و کامیابی پر خود حیدرآباد کے ایک مقتدر گروہ میں تذبذب تھا اس کی تائید میں ہزاکزالٹیڈ ہائی نس سے نہایت مدلّل خیالات کا اظہار فرمایا۔ اور اس کی ضرورت پر زور دیا۔

انھوں نے انجمن ترقی اُردو کی سرپرستی فرمائی اور معتمد انجمن (مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے) کو توجہ دلائی کہ نہ صرف کورس کے لئے کتب سائنس کے تراجم کی ضرورت ہے بلکہ ملک میں سائنس کا مذاق پیدا کرنے اور طلبا سائنس کے علاوہ عام تعلیم یافتہ لوگوں اور ابتدا سے بچوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے رسائل جاری کئے جائیں۔ اس مسئلہ پر قابل سکریٹری سے مراسلت[۹۱] کی اور انگلستان و امریکہ کے چند رسائل بطورِ نمونہ بھیجے۔ تراجم کے ساتھ ہی مستقل تصنیف و تالیف کو بہت زیادہ مفید

---

[۹۱] یہ مراسلت دفتر انجمن میں محفوظ ہے۔

تصور فرماتی تھیں چنانچہ اس کے متعلق اس طرح اپنا خیال ظاہر فرماتی ہیں کہ :-

"اُردو کی ترقی صرف ان ترجموں سے نہیں ہو سکتی جو غیر زبانوں سے اُردو میں کئے جاتے ہیں اور نہ ٹھوس اور بلند پایہ کتابیں اس کی کفیل ہو سکتی ہیں کیونکہ اُردو کے ساتھ ابھی تک اُردو داں طبقہ میں وہ دلچسپی نہیں ہو جس قدر کہ ان کی مادری اور ملکی زبان کا حق ہے اس کے علاوہ اگر کوئی علم کا شوقین ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہے گا تو وہ بجائے ترجمہ کے اصل کو دیکھنا زیادہ پسند کرے گا اور یہی سبب ہے کہ اُردو میں ایسی علمی کتابوں کی اشاعت بہت کم ہوتی ہے اور بڑی مشکل سے کسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی نوبت آتی ہے اس لئے آپ کی کوششوں میں یہ امر مدِ نظر رہنا چاہیئے کہ آپ مسائل علمی کو جن کا تعلق سائنس سے ہے نہایت سلیس اُردو میں ایسا دلچسپ بنائیں کہ اس کو عورتیں اور بچے پوری دلچسپی سے مطالعہ کر سکیں اور اُن سے معلوماتِ عامّہ حاصل ہوں جس طرح کہ انگریزی میں اس قسم کی کتابیں عام طور پر اور بکثرت شائع کی جاتی ہیں۔

اگر ابتدا ہی سے ایسے علوم کے متعلق ہمارے بچوں میں دلچسپی پیدا ہو جائے گی تو وہ آئندہ زندگی میں ماہرین و موجدین کے زمرہ میں داخل ہو سکیں گے۔ اور اگر وہ ابتدا ہی سے نامانوس رہیں گے تو خواہ ڈگریاں حاصل کرنے کے لئے کالج کلاسوں میں وہ کیسی ہی محنتیں کیوں نہ کریں ان میں کوئی شوق، دلچسپی نہ ہوگی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے اس قسم کی کوششوں کی ضرورت ہے اور جب تک جڑ مضبوط نہ ہوگی تو ہماری قومیت کا درخت خواہ وہ کتنا ہی تناور کیوں نہ ہو زمین پر گر پڑے گا۔ اِس لئے سائینس اور علوم کی ضخیم کتابوں کی جگہ اگر چھوٹے چھوٹے رسائل شائع کئے جائیں جن میں کامل دلچسپی ہو تو مقابلتاً وہ زیادہ مفید ہوں گے"۔

لیکن اُردو کے ساتھ باوجود اس عقیدہ اور شغف کے جو ان کی تصنیفی مساعی اور مصنفین کی مالی امدادوں سے عیاں ہے وہ صوبجاتی زبانوں کی ترقی بھی ضروری تصور فرماتی تھیں اور ان میں ہندی کی طرف زیادہ مائل تھیں چنانچہ اپنی متعدد تصنیفات و تالیفات کے تراجم ہندی[1] میں طبع کرا لئے اور ان کو

---

[1] دو کتابیں گجراتی میں بھی ترجمہ کرائی گئی تھیں۔

اپنی ہندی داں رعایا میں تقسیم کیا۔

انھوں نے آل انڈیا ویمن کانفرنس منعقدہ دہلی ۱۹۲۶ء کی صدارت کے موقع پر جہاں تعلیم یافتہ خواتین کا اجتماع عظیم تھا اپنی اختتامی تقریر میں کارروائی اجلاس پر تبصرہ کرتے ہوئے اس طرح نصیحت فرمائی کہ:-

"اس اجلاس میں زیادہ تر کارروائی زبان انگریزی میں ہوئی ہے اور میں نے محسوس کیا ہے کہ بہت سی خواتین نے اس کو اچھی طرح نہیں سمجھا خصوصاً مسلمان عورتیں جو انگریزی تعلیم میں دوسری اقوام سے نسبتاً بہت پیچھے ہیں اس کے سمجھنے سے زیادہ تر مجبور ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ تعلیم یافتہ خواتین اپنی ملکی زبانوں میں قابلیت پیدا کریں اور اپنے مدعا کے اظہار کا اسی کو ذریعہ بنائیں کانفرنس کا ذریعہ کارروائی اور اس کی تبلیغ و اشاعت ایسی زبان میں ہو کہ انگریزی داں جماعت کے محدود دائرہ سے نکلکر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اس کی آواز پہنچے۔ یہ تو صاف مسئلہ ہے کہ اگر ہماری تجاویز اُن کے کانوں تک نہ پہنچیں جن کی بہبودی کے لئے ہم ان کو پیش کرتے ہیں تو نہ تو ان میں کوئی دلچسپی پیدا ہوگی اور نہ ہم کو ملک کی تائید حاصل ہو سکے گی۔ بلا شبہ آپ نے ملک کے مرض کی تشخیص کرلی ہے اُس کے لئے نسخہ بھی لکھدیا ہے ہدایتیں بھی کردی ہیں لیکن جب یہ سب نسخے ایسی زبان میں ہوں گے کہ نہ مریض سمجھے نہ عطّار اور نہ تیماردار تو ایسی صورت میں ان پر عمل کیوں کر ہوگا اور کس طرح مریضوں کو صحت حاصل ہوگی۔ اگر آپ کارروائی اور اشاعت مقاصد کا ذریعہ زبان مادری اختیار نہ کریں گی تو یقین کیجئے کہ آپ کی رفتار ترقی بہت سُست رہے گی۔ پھر کس قدر حیرت ہے کہ ہم اس طریقہ سے خود اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ہمارے اصلاحی اور تعلیمی مسائل بھی ہماری ملکی زبان پیش نہیں کرسکتی اس کے علاوہ یہ طریقہ دیسی زبانوں میں تعلیم کے مطالبہ کا صریح رَدِّ عمل بھی ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ اپنی کارروائیوں میں مادری زبان کو ترجیح دیں گی اور جو مقصد انگریزی میں کام کرنے سے ہے وہ ترجموں کے ذریعہ سے حاصل کریں گی۔"

اُردو زبان کی ترقی کا یہی جذبہ تھا کہ انجمن ترقی اُردو کی امداد کے لئے بروقت آمادہ رہتی تھیں۔

اس کو نہ صرف ایک بیش قرار رقم یکمشت امداد میں عطا کی بلکہ سالانہ امداد بھی جاری فرمائی اور مولوی عبد الحق سکریٹری کی درخواست پر انجمن کی مجوزہ کتاب "ہمارا ملک"[۱] میں ایک باب تعلیم نسواں کے متعلق تحریر فرمانے کا وعدہ فرمایا۔

سرپرستیٔ تعلیم غربا

سرکار عالیہ تعلیم غربا کی سرپرست تھیں اور چاہتی تھیں کہ جہاں تک ممکن ہو تعلیم یافتہ نوجوان ایثار سے کام کریں اور قوم میں تعلیم کی روشنی پھیلائیں۔ چنانچہ جب ایسے اصحاب کی جانب سے ایک کالج کی اسکیم ملاحظہ اقدس میں پیش کی گئی، اور عرض کیا گیا کہ یہ کالج اصولِ کفایت شعاری و ایثار پر ہوگا تو بہت مسرور ہوئیں متعدد مرتبہ تبادلہ خیالات کیا، تجویز سے ہمدردی فرمائی۔ اور جب کمیٹی کی باقاعدہ درخواست پیش ہوئی تو نہایت حوصلہ افزا اور شفقت آمیز جواب مرحمت کیا، اور بغیر استدعا کے چار لاکھ روپے کا عطیہ منظور کیا، لیکن اس اسکیم کے روحِ رواں ڈاکٹر عبد الرحمن بجنوری کا ۱۹۱۸ء میں انتقال ہوگیا اور اُن کے رفیقان کار تعلیم کو چھوڑ کر سیاسیات میں مشغول ہو گئے اس لئے یہ اسکیم بروئے کار نہ آسکی۔

۱۹۲۶ء میں تعلیم غربا میں امداد کی غرض سے مسلم یونیورسٹی کو نصر اللہ خاں ہوسٹل کی تعمیر کے لئے اسّی ہزار روپیہ مرحمت کیا اور اس کی افتتاحی تقریر میں اپنے اس خیال کو ظاہر بھی فرمایا کہ :-

> حضرات! میں اپنی قوم کی اقتصادی حالت سے بخوبی واقف ہوں اور یہ بات بھی جانتی ہوں کہ تعلیمی اخراجات روز بروز بڑھتے جارہے ہیں اور محض اسی وجہ سے ہماری قوم کے بہت سے بہترین دماغ نشو و نما حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں اور یہ ایک ایسا قومی نقصان ہے جو مسلسل طور پر جاری و ساری ہے اس لئے جن لوگوں کو منعم حقیقی نے دولت و ثروت دی ہے ان کا فرض ہے کہ مختلف شکلوں سے اس نقصان کی تلافی کے لئے فیاضی سے کام لیں۔ اسی خیال کو ملحوظ رکھکر میں نے نواب سر محمد نصر اللہ خاں مرحوم کی یہ یادگار تجویز کی کہ ایک بورڈنگ ہاؤس بنایا جائے تاکہ جس قدر بھی ممکن ہو غریب طلبہ تشنہ کام تعلیم نہ رہیں۔ مجھے یقین ہے کہ خداوند کریم اُس عالم بقا میں اُن کو اس کا ثواب عطا کرے گا۔"

---

[۱] ہنوز اس کتاب کی ترتیب کا موقع ہی نہیں آیا۔

غریبوں کے چندوں کی اہمیت

وہ قومی تعلیم و ادارات میں اُمرا اور والیان ملک کی فیاضیوں کی قدرشناس تھیں۔ لیکن غریبوں کے چندوں اور امدادوں کو قومی تعمیر کے لئے ضروری تصوّر کرتی تھیں چنانچہ مذکورۂ بالا تقریر میں ہی فرمایا کہ :۔

حضرات! آج جبکہ مسلمان والیانِ ملک اور امرائے قوم سے آپ کو لاکھوں اور ہزاروں کی امداد ملتی ہے اور آپ کے دل شکر گذاریوں سے معمور ہوتے ہیں تو اس وقت آغاز کار کے ان مخلص غربا کی اکائیوں، اور دہائیوں کی جانب بھی خیال کیجئے جو اس شاندار دارالعلوم کی خشتِ بُنیاد ہیں میں اُن سب کی خلوص دل سے معترف ہوں اور میں اس قبہ علمی پر زیادہ تر ایسی عمارتیں دیکھنے کی متمنی ہوں جو جمہور مسلمانان کی اکائیوں اور دہائیوں سے تعمیر ہوں کیوں کہ قومی تعمیر دراصل غریبوں کی ہی مدد سے ہوتی اور اسی سے قوم کی زندگی اور روح کا اندازہ ہوتا ہے اسلئے اس وقت ہمیں ان کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔

اصابت رائے و اظہار رائے

سرکار عالیہ قومی معاملات میں جو رائے ظاہر فرمایا کرتی تھیں وہ واقعات و حالات پر غور اور اخذِ نتائج کے بعد ہوتی تھی اور پھر نہایت آزادی سے اس کو پرائیوٹ ملاقاتوں اور پبلک جلسوں میں ظاہر کرنے میں تامل فرماتیں سرکار عالیہ نے ۱۹۱۴ء میں ٹرسٹیان علی گڈھ کالج کے سپاسنامے کے جواب میں اور پھر ۱۹۱۵ء میں سلطان جہاں منزل (صدر دفتر کانفرنس) کے افتتاح کے وقت کانفرنس اور کالج کے نظامِ عمل اور مسلم یونیورسٹی کے مسئلہ پر آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور جس طرح کہ نوجوانوں کو نصیحت کی اعیانِ کالج کو توجہ دلائی اسی طرح یورپین اسٹاف کے طرزِ عمل اور فرائض کے متعلق بھی صاف صاف رائے بیان کردی۔ شیعہ و سنّی کے اختلافات پر دونوں کے جذبات سے اپیل کی اور دونوں کو ہدایت فرمائی۔

قومی کارکنوں کے اختلافات اور غلط رویہ پر طریقِ عمل

سرکار عالیہ نے ان اختلافات کو جو قومی معاملات میں پیدا ہوئے ہمیشہ افسوس کے ساتھ دیکھا اور مختلف پارٹیوں کے ممبروں کو جب کبھی وہ باریاب ہوئے نصیحتیں کیں اور اتحادِ عمل پر زور دیا قومی کام کرنے والوں کے غلط طریق عمل پر تہدید و تنبیہ کی لیکن اپنی امداد بدستور

قائم رکھی باوجودیکہ کالج، کانفرنس اور زنانہ اسکول علیگڈھ پر ایک زبردست معترض کی حیثیت سے اعتراض فرمائے مگر معینہ امدادوں کے علاوہ ہر ضرورت کے وقت اخلاقی و مالی امدادوں سے بھی دریغ نہ کیا۔

البتہ ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۳ء میں دار العلوم ندوہ کے معاملات جب بد سے بدتر ہو گئے تو حضور ممدوحہ کو بہت افسوس ہوا اور اصلاحی تجاویز بروئے کار آنے تک اپنے دربار کی گراں قدر امداد کو ملتوی رکھا لیکن اصلاح ہوتے ہی بدستور جاری فرمادی اور ملتویہ رقم بھی عطا کر دی گئی۔

سفارشیں جب سرکار عالیہ کو علم ہوا کہ بعض وجوہ سے ہز ہائی نس آغاخان نے اپنی گرانٹ ان ایڈ جو علی گڈھ کالج کو دیا کرتے تھے بند کر دی ہے اور ضروریات کالج پر اس کا بڑا اثر پڑ رہا ہے تو بہ لحاظ ان عزیزانہ تعلقات کے جو ان دونوں خاندانوں میں ہیں ہز ہائینس آغاخان کو نہایت پُر زور خطوط میں توجہ دلائی اور ہز ہائی نس نے ایک معقول رقم عنایت کی۔

۱۹۱۶ء میں جب ہز اگزالٹیڈ ہائی نس حضور نظام الملک آصفجاہ سابع دہلی تشریف لے گئے تو اعیانِ کالج کی درخواست پر سرکار عالیہ نے اعلیحضرت نظام کو معائنہ کالج کے لئے ایک پُرزور سفارش لکھی۔

اسی طرح ہر موقع پر کالج اور بعدہٗ مسلم یونیورسٹی کی ترقی و استحکام کا خیال رہا۔

زنانہ انٹر کالج کے لئے بھی متعدد سفارشی خطوط تحریر کئے اور دوسری ریاستوں سے امداد دلوائی۔

غلط افواہوں کی تردید جنگِ بلقان و ٹرکی کے زمانہ میں علی گڈھ کالج کے متعلق اس کے دشمنوں نے معاندانہ افواہوں سے بہت کچھ غلط فہمیاں پھیلانے اور حکام کو بدظن کرنے کی کوششیں کیں اور اس میں شک نہیں کہ ان کارروائیوں کا کچھ اثر بھی محسوس ہونے لگا۔ اس زمانہ میں اعلیحضرت اقدس ہز ہائی نس نواب افتخار الملک بہادر بھی کالج میں تعلیم پا رہے تھے لیکن سرکار عالیہ نے ان لغو اور بے سروپا افواہوں کو حقارت سے دیکھا اور حضور ممدوح الشان بدستور کالج میں تعلیم پاتے رہے اسی قریب زمانہ میں سرکار عالیہ وزیٹر کی حیثیت سے باضابطہ طور پر کالج وزٹ کے لئے تشریف لے گئیں اور ٹرسٹیوں کا ایڈریس قبول فرمایا، اس طرح

ان افواہوں کو حقیر ثابت کیا جو کالج کے بدخواہ مختلف حلقوں میں پھیلا رہے تھے، سرکار عالیہ کا معاملاتِ کالج میں حصّہ لینا بجائے خود اس امر کی دلیل تھی کہ اس کے روایتی اعتماد میں کوئی فرق نہیں ہے اور افواہیں محض بے بنیاد اور معاندانہ ہیں۔

مصرف امداد کی نگرانی

سرکار عالیہ جن ادارات کی امداد فرماتی تھیں اُن کے حالات و رفتار پر بھی توجہ رکھتی تھیں اور ان کی سالانہ رپورٹوں کو ملاحظہ فرماتی رہتی تھیں تاکہ امداد کا مصرف صحیح رہے بعض مقامی ادارات کی بھی سالانہ امدادیں معیّن تھیں ان کے معائنہ حالات کا ذمہ دار آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر دفتر کو قرار دیا تھا جو وقتاً فوقتاً اپنی رپورٹ پیش کرے۔
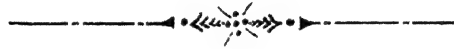
روساءِ ہند کی اعلیٰ تعلیم کی اصلاح و ترقی

سرکار عالیہ کے عظیم الشان کاموں میں روساءِ ہند کی اعلیٰ تعلیم کی ترقی و اصلاح ایک ایسی یادگار ہے جس کے احسان سے نہ صرف طبقۂ روسا بلکہ اہل ملک کا کوئی گروہ بھی کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا کیونکہ بہ لحاظ اس درجہ اور مرتبہ کے جو ہندوستان میں اس طبقہ کو حاصل ہے اس کی تعلیم و جہالت سے بالواسطہ اور بلاواسطہ سارے ہندوستان کا متاثر ہونا ایک قدرتی امر ہے۔

اس طبقہ کی تعلیم کے لئے ایک عرصہ سے اجمیر، اندور، اور لاہور میں چیفس کالج قائم کئے گئے ہیں لیکن ان کا تعلیمی معیار عام یونیورسٹیوں کے کالجوں اور اسکولوں کے برابر بھی نہ تھا اور صحیح معنوں میں وہ کچھ زیادہ مفید نہ تھے سرکار عالیہ نے ابتداءً جب اعلیحضرت اقدس کو چیفس کالج اندور کے نصاب کی تعلیم دلوائی تو چونکہ قدرت سے تعلیم کا مذاق سلیم عطا ہوا تھا اور ہر معاملہ پر طبیعت کو غور و فکر کی عادت تھی۔ اس لئے اُس نصاب و معیار کا ہندوستانی یونیورسٹیوں کے نصاب و معیار سے مقابلہ کیا اور انگلستان کے ایٹن اور ہیرو کالجوں کے طریقۂ تعلیم پر غور فرمایا، اور چیفس کالجوں کی خامیوں اور تعلیم و تربیت کے نقائص پر ذہن وقّاد نے عبور حاصل کر لیا

اور ان کی اصلاحات پر توجہ منعطف ہوئی۔

سرکار عالیہ کی طبیعت کا خاصہ تھا کہ جب کسی اصلاح کا عزم بالجزم فرما لیتیں تو ہمہ تن اُس کی طرف متوجہ ہو جاتیں چیفس کالجوں کی اصلاح کا بھی عزم مصمم فرمایا اور کوشش کی کہ ان کا نصاب و معیار بلند درجہ کا ہو۔ اور ان کو تکمیل کے اعلیٰ درجہ تک بہ اسلوب جدید پہنچایا جائے اور تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کیا جائے کہ روسا ہند کی آئندہ تمام نسلیں تعلیم یافتہ ہند میں بہ لحاظ اپنے علم و اخلاق اور ارتقا ذہنی و دماغی کے اوّلین گروہ نظر آئے۔

سرکار عالیہ نے اپنے یہ خیالات وقتاً فوقتاً متعدد رسالوں کی صورت میں امرا، و روسا، برٹش حکام اور ماہرین تعلیم کی توجہ اور غور کے لئے شایع کئے جن پر تمام ہندوستانی اور اینگلو انڈین پریس نے عرصہ تک بحثیں کیں اور ان تجاویز سے بڑی حد تک اتفاق کیا۔ بعض ماہرین فن تعلیم کی رائیں بھی شایع کیں جن کے مطالعہ سے سرکار عالیہ کی ذہنی و دماغی قابلیت، قوتِ فیصلہ، تعلیمی شغف اور اس احسان عظیم کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

پھر ان تمام جلسوں میں جو اندور و دہلی میں اس کے متعلق منعقد ہوئے شریک ہوئیں اور تمام مباحث میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔

روسا، ہند کے علاوہ قائم مقامان سلطنت بھی ان تجاویز پر ہمدردانہ اعتراف کے ساتھ متوجہ ہوئے اور سرکار عالیہ کی ان مساعی جمیلہ کو سراہا چنانچہ آنریبل میجر ہیو ڈیلی نے جن کے نامور باپ سر ہنری ڈیلی نے اندور میں ڈیلی کالج قائم کیا تھا ایک وداعی دعوت کی تقریر میں کہا تھا کہ:۔

"یور ہائی نس نے ڈیلی کالج کے متعلقہ امور کی جانب اشارہ کیا ہے لیکن جس بات کو میں پہلے کہہ چکا ہوں اُسے پھر دُہراتا ہوں کہ فی الحقیقت کالج کا انتظام اور ترمیم بالکل اُمرا کا کام ہے اور کالج کی آئندہ حالت کا دار و مدار بھی ان ہی پر رہے گا۔

میں جانتا ہوں کہ اس معاملہ میں یور ہائی نس اپنے حصہ کو پورا کرنے کے لئے کس قدر قابل ہیں یور ہائی نس کی تجویز ہے کہ ایک یونیورسٹی قائم کر کے تمام چیفس کالجوں کے باہم اتحاد و انتظام کا سنگِ بنیاد رکھا جائے یور ہائی نس سے بہتر کسی شخص نے اس بات کو محسوس نہیں کیا کہ ایسے اہم معاملہ میں نہایت احتیاط سے کارروائی کرنی چاہیئے لیکن میں جانتا ہوں کہ

گورنمنٹ ہند یور ہائینس کی تجویز پر پوری ہمدردی سے غور کرے گی اور میں امید کرتا ہوں کہ میرے ملک کو خیرباد کہنے سے پہلے اس کا اجرا ہو جانا ممکن ہے۔"

اسی طرح ہز اکسلنسی لارڈ ہارڈنگ نے ۱۹۱۲ء میں اسٹیٹ بینکوئٹ کے موقع پر جو تقریر کی تھی اس میں ارشاد کیا تھا کہ:-

"تعلیم روسا و والیانِ ملک پر جو پمفلٹ یور ہائی نس نے لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس اہم مسئلہ پر آپ نے نظرِ غائر ڈالی ہے جس سے کہ تحریک تعلیم کا ایک جوش پیدا ہو گیا ہے یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں مجھ کو ذاتی دلچسپی ہے اور میں اس میں ہر طرح مدد دینے کو طیار رہوں۔"

مارچ ۱۹۱۳ء میں بمقام دہلی اسی مقصد کے لئے جو چیفس کانفرنس منعقد ہوئی تھی اور جس میں اکثر والیانِ ملک شریک تھے ہز اکسلنسی نے فرمایا تھا کہ:-

ہر ہائی نس بیگم فرماں روا ہیں جنھوں نے چیفس کالجوں کی تعلیمی اصلاح کے معاملہ کی اہمیت محسوس کر کے ایک خاص اسکیم پیش کی ہے۔"

سرکار عالیہ کی یہ کوششیں جاری رہیں اور بتدریج اپنی تجاویز میں کامیاب ہوئیں۔ بہت سی اصلاحات عمل میں آ گئیں اور اس تعلیم کا معیار بمقابلہ پہلے کے بہت بلند ہو گیا۔

ہندو مسلم اتحاد کی سعیٔ جمیل

ہندوستان میں اگرچہ صدیوں سے ہندو مسلمان اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہتے تھے جس کا ثبوت شہروں، قصبوں اور دیہات کی قدیم آبادیوں اور ان دونوں قوموں کے مکانات و معابد کے اتصال و الحاق سے ملتا ہے لیکن جب سے کہ تعلیم میں تاریخ جدید کا عنصر شامل ہوا اور مسلمانوں کا عہدِ حکومت ظلم و جور کا زمانہ دکھلایا گیا دلوں میں تعصب پیدا ہو گیا اور پھر متعصب و خود غرض اشخاص کی جماعتوں نے اس تعصب کو اس درجہ پر پہنچا دیا کہ ہر جگہ نائرۂ فساد مشتعل ہونے

لگا تا آنکہ تعصب و فساد ملک کے امن و ترقی کے لئے خطرہ بن گیا۔

چونکہ سرکار عالیہ فطرتاً امن پسند اور شفقت و رافت کا مجسمہ تھیں۔ ناممکن تھا کہ حضور ممدوحہ کا دل اس بات پر بے چین نہ ہوتا انھوں نے ہمیشہ، رواداری اور امن و آشتی کی ہی تلقین فرمائی اور مساعی اتحاد کو عزت و قدر کی نظروں سے دیکھا۔

اس صدی کے تیسرے عشرہ میں فسادات کا جو سلسلہ جاری تھا اس سے متاثر ہو کر جب ۱۹۲۷ء میں ہندو مسلم رہنمایان ہند نے شملہ میں ایک اتحاد کانفرنس منعقد کی اور ہز اکسیلینسی لارڈ ارون نے ان رہنماؤں کے سامنے ایک نصیحت آمیز تقریر فرمائی تو سرکار عالیہ نے ہز اکسیلینسی کو حسب ذیل تار دیا:۔

آپ کی شملہ کی تقریر کا مجھ پر بہت اثر ہوا اس تقریر میں آپ نے اپنے خیالات عالیہ کا نہایت مناسب طریقہ سے اظہار فرمایا ہے۔ نیک نیتی اور خیر خواہی کے جن جذبات نے اس انسانی ہمدردی کے اور دانشمندانہ فعل کی طرف آپ کو متوجہ کیا ہے اس کی بنا پر ہندوستانیوں کو آپ کا شکر گذار ہونا چاہیئے۔ آپ کی دل ہلا دینے والی تقریر پڑھنے کے بعد مجھ جیسی ایک ضعیفہ بھی خاموش نہیں رہ سکتی اور اسی وجہ سے میں اپنی تمام خدمات آپ کے سامنے پیش کرتی ہوں تاکہ آپ ان سے جس قسم کا کام بھی ممکن ہو لیں جس شریفانہ مقصد کے حصول کے لئے آپ اس بے لوثی کے ساتھ کوشش فرما رہے ہیں اس میں ہر قسم کی امداد دینے کے لئے میں ہر وقت تیار ہوں میں اپنا وہ پیام بھی درج کرتی ہوں جو میں نے مختلف الخیال رہنمایان ہند کے نام بھیجا ہے جو آج کل شملہ میں جمع ہیں۔ مجھے قوی امید ہے اور میری خواہش ہے کہ یہ رہنمایان قوم موقع کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگائیں گے اور جناب والا نے اس مسئلہ کے حل کرنے میں جس امداد کا وعدہ فرمایا ہے اس سے پورا فائدہ اٹھانے میں پس و پیش نہ کریں گے۔

رہنمایان ہند کے نام حسب ذیل پیام تھا:۔

"کبر سنی سے فطرتاً یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ انسان گوشہ نشینی اختیار کرے اور دنیوی مشاغل سے نجات حاصل کرکے اپنا سارا وقت اپنے معبود حقیقی کی عبادت میں صرف کرے اسی خواہش نے اب سے ڈیڑھ سال قبل مجھے اس فیصلہ پر مجبور کیا کہ میں عنان حکومت اپنے عزیز فرزند یعنی موجودہ والئ ملک بھوپال کے ہاتھ میں دیدوں لیکن جس اطمینان قلب اور

تفکرات سے آزادی کی مجھے تلاش تھی وہ مجھے نصیب نہ ہوئی ملک کے ایک گوشہ سے لیکر دوسرے گوشہ تک ہندو مسلم مناقشات کی پھیلی ہوئی رو دیکھکر اور اس نے ہندوستانیوں کے برادرانہ تعلقات میں جو خرابی پیدا کر دی ہے اور آئے دن ہندوستان میں جو کشت وخون ہوتا رہتا ہے اسکی خبریں روزانہ اخبارات میں پڑھ کر مجھے جتنی تکلیف ہوئی اتنی زندگی بھر میں کبھی نہیں ہوئی تھی ۔ہماری باہمی خانہ جنگی کے دردناک نتائج کو دیکھکر مجھے سخت تکلیف ہوا کرتی تھی لیکن میں یہ خیال کرتی تھی کہ آخر مجھ جیسی ایک ضعیفہ اس پیرانہ سالی میں ان دو لڑنے والی قوموں میں صلح و اتحاد کرانے میں کیا امداد پہنچا سکتی ہے ۔لیکن ۲۹ راگست کی وائسرائے کی دل ہلا دینے والی اپیل جو انھوں نے اپنی شملہ کی تقریر میں کی اس سے اور اسی کے بعد ریاستِ بھوپال کی مجلسِ قانون ساز کے موقع پر میرے عزیز بیٹے نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے ان سے میری ہمت بندھی اور مجھ میں یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ اپنے برادرانِ وطن کی فلاح و ترقی کے لئے اس مسئلہ کے حل کرنے میں میں بھی اپنی حسبِ استطاعت حصہ لوں مجھے اِس خبر سے بہت اطمینان حاصل ہوا کہ مختلف فرقوں کے رہنما شملہ میں جمع ہو کر اس ناگوار قضیہ کے حل کی کوئی خوشگوار صورت تلاش کر رہے ہیں خدائے قدوس آپ لوگوں کی کوششوں کو وہی کامیابی عطا کرے جس کے وہ مستحق ہیں ۔

آپ حضرات کے جذبۂ وطن پرستی سے میری پُر زور درخواست ہے کہ ہماری مشترکہ مادرِ وطن کے چہرے پر سے اس بدنما دھبہ کو مٹانے کے لئے آپ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں ۔میری خواہش ہے کہ میری کمزور لیکن دل سے نکلی ہوئی صدا میرے بدنصیب برادران وطن کے کانوں تک پہنچے ۔گو میں ضعیف و ناتواں ہوں ۔پھر بھی بخوشی اس پر آمادہ ہوں کہ گوشۂ عافیت ترک کر کے اپنی خدمات خواہ وہ کتنی ہی حقیر ہوں ملک کے لئے پیش کر دوں جنھیں وہ لوگ جو دو بڑی قوموں کے جنگجو طبقہ میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنا چاہتے ہیں جس طرح چاہیں کام میں لائیں کیونکہ یہ مقدس مقصد جس طرح مجھے عزیز ہے یقیناً ہر اس شخص کو محبوب ہوگا جو ملک کا بہی خواہ ہے ۔"

تمام ہندو مسلم رہ نماؤں پر اس برقی پیغام کا بہت گہرا اثر پڑا اور ہر شخص کے دل میں جذباتِ اتحاد

کی ایک زبردست لہر پیدا ہوگئی اور کانفرنس کے پہلے اجلاس نے سرکار عالیہ کی خدمت میں یہ جواب ارسال کیا کہ :-

"وہ ہندو مسلم اور سکھ لیڈران جو ملک میں پیدا شدہ ناقابلِ برداشت صورتِ حالات پر غور کرنے اور ملک میں فرقہ وارانہ اتحاد و خوشگوار تعلقات برقرار رکھنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ یور ہائی نس کے اِس پُر اثر پیغام پر اظہار سپاس کرتے ہیں جس میں حضور عالیہ نے ابنائے وطن کی موجودہ حالت سے اظہار ہمدردی و ترحم فرمایا ہے اور یور ہائی نس کے اس ارادہ پر اظہار تشکر کرتے ہیں جس میں حضور عالیہ نے باوجود پیرانہ سالی کے اعلیٰ جذبات سے متاثر ہوکر گوشۂ عافیت ترک کرکے جس کی یور ہائی نس بجا طور پر مستحق ہیں اپنے وطن اور اہل وطن کی فلاح و بہبود کی خاطر تکالیف برداشت کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی ہے یور ہائی نس کے پیغام نے حاضرین کانفرنس کے دلوں کو بیحد متاثر کیا ہے۔ یہ کانفرنس یور ہائی نس کے اس خیال سے بالکل متفق ہے کہ ہر محب وطن کا فرضِ اوّلین یہی ہے کہ مادرِ وطن کے چہرہ سے اِس بدنما دھبہ کو دُور کرے اور ان خرابیوں کے قطعی ازالہ میں جو رکاوٹیں ہیں اُن سب کو دُور کرنے کے لئے انتہائی کوشش کرے یہ کانفرنس اپنے کو خوش قسمت تصور کرے گی اگر بوقتِ ضرورت یور ہائی نس کی امداد و اعانت حاصل کرے اور امید ظاہر کرتی ہے کہ مادرِ وطن ہند کے سچے فرزندان و دختران بلا امتیاز مذہب و ملت یور ہائی نس کی تقلید کریں گے"۔

ہز ایکسلنسی وائسرائے نے بھی حسب ذیل جواب دیا کہ :-

یور ہائی نس نے اپنے تار میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان کی وجہ سے میں آپ کا ممنون ہوں مجھے اب کسی مزید یقین دلانے کی ضرورت نہیں کہ آپ نے جس طرح .... اپنی زندگی کا بڑا حصہ اپنی رعایا کو آرام و آسایش پہنچانے میں صرف کیا ہے اسی طرح قیام امن وصلح کے لئے بھی آپ اپنے اثر سے کام لیں گی اور مجھے یقین ہے کہ آپ اور دیگر حضرات اس کام کے لئے جو کوشش کر رہے ہیں وہ کامیاب ثابت ہوگی۔

ان مساعی اتحاد نے ملک میں ایک تدریجی اثر پیدا کر دیا تا آنکہ ۱۹۲۸ء میں ہندو مسلم رہنماؤں اور ملک

کے دیگر فرقوں میں ایک ایسا سیاسی سمجھوتہ ہوگیا جس پر اتحاد ملکی و قومی کی شاندار عمارت تیار ہونے کی امید تھی لیکن بدقسمتی سے نہرو رپورٹ کے اختلافات نے پھر مطلع مکدّر کردیا اور آشتی و صلح کے امکانات اتنے بعید ہو گئے کہ ابھی برسوں تک کوئی امید نہیں۔

مسلم یونیورسٹی کی چنسلرشپ

مسلمانوں کی علمی تاریخ کے صفحات پر مختلف صورتوں میں مسلمان خواتین کا شغفِ علمی نہایت روشن اور جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔

وظائفِ طلبا، اجرائے مدارس، اوقافِ تعلیمی، کے تذکروں میں جہاں امیر اور دولتمند خواتین کے نام نظر آتے ہیں وہاں درس و تدریس اور تحصیل علوم کے سلسلہ میں غریب اور متوسط خواتین حلقۂ طلائی بنی ہوئی ہیں اور ہم اُن کو مختلف علوم کے اساتذہ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جن کے حلقۂ درس میں مرد علما اکتسابِ علم کے لئے زانوئے ادب تہ کرتے نظر آتے ہیں لیکن وہ دَور گذر گیا اور مسلمان عورتوں کی جہالت ضرب المثل بن گئی۔ عرصہ تک مسلمانوں میں ان کی تعلیم کا مسئلہ مذہبی و معاشرتی مباحث کا موضوع بنا رہا مگر بیگماتِ بھوپال کو اِس دَورِ جہالت میں بھی علم اور علم کی سرپرستی کا فخر حاصل رہا جس کی جھلک اُن کی سوانح عمریوں میں نمایاں ہے۔

جس طرح خداوند واھب العطایا نے سرکار عالیہ کے اسلافِ عظام اور اُمّہاتِ کرام کے اوصاف و فضائل کو اُن کی ذاتِ مبارک میں جمع کر دیا تھا اسی طرح علم اور علم کی سرپرستی کی فضیلت بھی علی وجہ الکمال عطا کی اپنے ملک میں تعلیم کی اشاعت، بیرونِ ملک قومی مدارس، علمی ادارات اور مصنّفین و مؤلّفین کی امداد اور مسندِ شاہی پر شغلِ تصنیف و تالیف نے وہ خاص امتیاز عطا کیا ہے جو سرکار عالیہ ہی کے لئے اب تک مخصوص ہے۔

اسی ذوق اور علمی سرپرستی کا اثر تھا کہ حضور ممدوحہ کی شاہانہ توجہ دار العلوم علی گڈھ پر مبذول ہوئی اور اپنے قرۃ العین (ہز ہائی نس نواب سکندر صولت افتخار الملک بہادر) کو اس قومی تعلیم گاہ میں

داخل کرایا اور دار العلوم کے ہر شعبہ کو مالی امدادیں عطا کیں اور علیا حضرت کا بحرِ کرم برابر آبیاری کرتا رہا تا آنکہ محمڈن اینگلو اورئینٹل کالج مسلم یونیورسٹی کے قالب میں ڈھل گیا اور سرکار عالیہ کو فضائلِ علمی کی بُنیاد پر اور مسلمانانِ ہند کے جذبات و اعترافِ احسانات کے لحاظ سے اوّلین مرتبہ ہز ایکسلنسی ویسرائے گورنر جنرل ہند نے اپنے قانونی اختیار سے اور پھر دو مرتبہ خود کورٹ نے چانسلر منتخب کیا۔

دُنیا کی یونیورسٹیوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ صرف مسلم یونیورسٹی ایک فرماں روا جلیل القدر خاتون کی امارتِ جامعہ (چانسلر شپ) کے فخر سے مفتخر ہوئی جو یقیناً عالمِ نسواں کا سب سے گرانمایہ امتیاز رہے گا۔

یونیورسٹی کے جلسہ ہائے تقسیمِ اسناد کی صدارت

سرکار عالیہ نے اس علمی عہدہ پر منتخب ہونے کے بعد یونیورسٹی کے معاملات پر کامل توجہ مبذول فرمائی اور ۱۹۲۲ء میں پہلے کانووکیشن میں تشریف لے جاکر اپنے فرائض کو حیرت انگیز خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

(۱) ۱۹۲۲ء جس طرح کہ مسلم یونیورسٹی کی چانسلر شپ عدیم المثال ہے اسی طرح کانووکیشن کا پُرعظمت نظارہ بھی ایسا دلچسپ اور جنت نگاہ تھا جس کا ایک ہلکا اور سادہ خاکہ کھینچنا بھی قدرتِ قلم سے باہر ہے۔

اس موقع پر مقامی اصحاب عہدہ داران و ممبرانِ کورٹ پروفیسر اور طلبا کے علاوہ بکثرت مہمان باہر سے آئے تھے اسٹریچی ہال کی عمارت حاضرین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور ہر شخص چانسلر کی تشریف آوری کے لئے چشم براہ تھا۔

وقتِ مُعیّنہ پر سرکار عالیہ تاجِ شاہی اور چانسلر کی زرّین گون زیبِ تن کئے ہوئے عہدہ داران یونیورسٹی کے جلوس کے ساتھ اسٹریچی ہال میں رونق افروز ہوکر طلائی شامیانہ کے نیچے زرنگار کرسی پر متمکّن ہوئیں، حاضرین کے دلوں میں اس وقت عظمت و محبت کا جو جذبہ موجزن تھا وہ اُن کے بشاش چہروں، مسرت و شادمانی کے غلغلوں، اور پُرجوش چیرز سے ظاہر ہو رہا تھا۔

کرسی پر رونق افروز ہونے کے بعد اجلاس کی کارروائی کا آغاز قرآنِ مجید کے ایک رکوع کی تلاوت سے ہوا پھر پرو وائس چانسلر کی رپورٹ کے بعد چانسلر کے شفیق و مقدس ہاتھوں سے ڈگریاں اور تمغے عطا کئے جانے کی رسم ادا ہوئی۔ اس رسم کو انجام دے کر سرکار عالیہ نے ایک فصیح اور معنی خیز ایڈریس پڑھا۔

اس ایڈریس میں مرحوم موسسین یونیورسٹی کی پُر حسرت یاد اور ان کی کوششوں کی شکر گذاری، موجودہ بانیوں کی مساعی کا اعتراف اور بعض کی عدم موجودگی پر افسوس، مُعطیان کے شکریے اور ہمدرد اصحاب کی مزید امداد پر یقین ظاہر کرنے کے بعد حقِ الحاق کے متعلق جس کی نسبت تمام قوم کے دل میں ایک بے چینی تھی ارشاد فرمایا کہ:۔

اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہماری یونیورسٹی کو الحاق کا حق نہ ملنے کی وجہ سے اکثر اصحاب کو سخت مایوسی ہوئی اور یہ مایوسی اس لئے اور بھی بڑھ گئی کہ ہندو یونیورسٹی کو تو یہ حق مل گیا اور مسلم یونیورسٹی اس سے محروم رہ گئی حالانکہ ہماری تحریک اس سے بہت پہلے کی تھی اور اس تحریک کی کامیابی زیادہ تر اسی مسئلہ الحاق پر تھی جس سے قومی تعلیم کے ایک مکمّل نظام کا سب کو یقین تھا لیکن میرے خیال میں مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی شکایت نہیں ہے جو لاعلاج ہو۔ اگر اب بھی کوشش کی جائے اور گورنمنٹ کو دلائل و براہین سے توجہ دلائی جائے تو انشاء اللہ یہ حق حاصل ہو سکتا ہے ہم کو گورنمنٹ کی نصفت شعاری اور حق پسندی پر اعتماد رکھنا چاہیئے۔

پھر یونیورسٹی کے سرمایہ کے متعلق قوم کو توجہ دلائی اور یونیورسٹی کی اقتصادی حالت دُرست رکھنے اور اخراجات باندازۂ آمدنی کی نصیحت فرما کر مذہبی تعلیم کے متعلق ارشاد کیا کہ:۔

اس امر کی تمام عالم اسلامی کو مسرّت ہوگی کہ ہماری یونیورسٹی میں ہر امتحان کے ساتھ مذہبی تعلیم لازمی ہے لیکن یہ ضروری امر ہے کہ اس تعلیم کا معیار ایسا اعلیٰ اور مکمل ہونا چاہیئے کہ واقعی طور پر یہاں کا گراجویٹ مذہبی تعلیم میں بھی اتنی ہی دستگاہ رکھتا ہو جتنی کہ اور علوم عامہ میں اس کو حاصل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ عملی طور پر بھی اپنے سچّے مذہب کا سچّا نمائندہ ہو۔"

پھر یونیورسٹی میں ہندو طلبا کی معقول تعداد پر اظہار مسرت کرکے یونیورسٹی کے شعبۂ تعلیم نسواں پر اس طرح توجہ دلائی :۔

حدید شعبوں میں تعلیم نسواں خاص طور پر توجہ کے قابل ہے کیونکہ اس سے آپ کی قوم کی نصف آبادی کا تعلق ہے اور گذشتہ زمانہ میں اس کی جانب سے سخت غفلت برتی گئی ہے اب جبکہ تعلیم کا انتظام آپ کے ہاتھوں میں ہے اور یونیورسٹی کو اختیار ہے کہ اپنی ضروریات کے مطابق نصاب بنائیے اور طریقۂ امتحان میں ترمیم کرے تو آپ کو اس معاملہ میں ایک لمحہ کیلئے غفلت نہیں کرنی چاہیئے آپ کے پاس ایک اچھا اسکول موجود ہے اور آپ اس کو اپنی یونیورسٹی کے شعبۂ تعلیم نسواں کا عمدہ نمونہ بنا سکتے ہیں اگر اب بھی اس شعبہ پر پوری توجہ نہ کی گئی تو یہ ایک ناقابلِ تلافی غلطی ہوگی لیکن اس موقع پر یہ کہنا نہایت ضروری ہے کہ اس شعبۂ خاص میں دیگر اقوام کی تقلید اور اپنی خاص معاشرتی خصوصیات اور قومی روایات سے انحراف کسی طرح گوارا نہ ہونا چاہیئے اور جو کچھ کیا جائے اس میں ہر ایک پہلو سے کامل اسلامی شان کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔"

اس کے بعد نتائج و معیارِ تعلیم پر بحث فرماکر ارشاد کیا کہ :۔

ہمارا نقطۂ نظر ہمیشہ یہی رہنا چاہیئے کہ ہم اپنی یونیورسٹی کی عزت و شہرت کی حفاظت اُس کے معیارِ تعلیم سے کریں کیونکہ وہی یونیورسٹی باوقار اور نیک نام سمجھی جاتی ہے جو طلبا کو اپنی عمدہ تعلیم کی وجہ سے اپنی طرف راغب کرے نہ کہ ارزاں ڈگریوں کی وجہ سے۔"

اور اس حفاظت کو صرف اسٹاف کی قابلیت و انہماک پر منحصر کرکے اس کو اپنے اسلاف کا نمونہ بننے اور ایثار کی صفت پیدا کرنے پر متوجہ کیا۔

اِس کے بعد طلبا کو خطاب کرکے فرمایا کہ :۔

"اے عزیزانِ قوم آپ کی جماعت وہ جماعت ہے جس کا نام اس یونیورسٹی کے آغاز کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی تقویم میں سب سے پہلے آپ ہی کے نام نظر آئیں گے۔ ہم سب کو آپ سے یہ قومی امید ہے کہ آپ اپنی یونیورسٹی کی ڈگریوں کے وقار کو ہر طریقہ سے قائم رکھیں گے اور جن مقاصد کی تکمیل کے لئے یہ یونیورسٹی قائم کی گئی ہے ان کا عملی نمونہ بنیں گے۔ آپ

پر اپنے مذہب کے، اپنے گھر کے۔ اپنی قوم و وطن کے، اپنی ذات، اور اپنی حکومت کے جو فرائض ہیں ان کو آپ بخوبی سمجھتے ہیں اور آپ پر آپ کی تمام ابنائے قوم کی نظریں لگی رہیں گی کہ آپ ان کو کس طریقہ سے ادا کرتے ہیں۔

آپ کو ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ علم و اخلاق دو بڑی قوتیں ہیں جو خالق ذوالجلال نے انسان کو عطا کی ہیں اور دین و دنیا کی کامیابی ان دونوں قوتوں میں مضمر رکھی ہے لیکن ان دونوں قوتوں میں اخلاق کی قوت بہت زبردست ہے اور جو علم مُصلحِ اخلاق نہیں ہے وہ حقیقت میں اس نام کے شایاں ہی نہیں۔

ایک مسلمان کے لئے تو مکارمِ اخلاق جوہرِ انسانیت و اسلام ہیں، ہمارے نبی کریمؐ نے اپنی بعثت کا منشا ہی مکارمِ اخلاق کی تکمیل قرار دیا ہے، اور کلامِ مجید میں آپ کی تعریف یہی کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ اخلاق کے ساتھ آپ کی زندگی کا اصول یہ ہونا چاہیئے کہ "ہم دُنیا کو اس سے بہتر حالت میں چھوڑیں جس میں کہ ہم نے اُسے پایا تھا۔

اس ہمدردانہ نصیحت کے بعد میں فرداً فرداً ہر طالب علم کو مبارک باد دیتی ہوں اور یہ بھی ہوں کہ جب آپ اپنے گھروں پر پہنچیں تو اپنے بزرگوں اور مربیوں کو بھی میری طرف سے اپنی کامیابی پر دلی مبارکباد کا ہدیہ پہنچائیں۔

پھر ارشاد فرمایا کہ :-

اب میں چند لفظ موجودہ طلبا سے کہنا چاہتی ہوں جو ابھی زیر تعلیم ہیں، صاحبو! یاد رکھو کہ آپ کی کامیابی کامل شوق و محنت، حسنِ اخلاق، اور کفایت شعارانہ زندگی پر منحصر ہے ان باتوں کے ساتھ ہر طالب علم کو ایک خاص بات اور بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے اور وہ استادوں کا ادب اور ان کے ساتھ محبت تحصیلِ علوم کے سلسلہ میں ہماری معاشرتی اور اسلامی روایات میں یہ ادب اور محبّت بہت ہی ضروری اور اہم چیز ہے اور جب آپ اسلامی تاریخ پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ امرا و سلاطین اور خلفا تک نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں استادوں کا کیسا ادب ملحوظ رکھا ہے حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول لوحِ دل پر نقش کرنے کے قابل ہے کہ "جس نے مجھے ایک لفظ سکھایا اُس نے مجھے اپنا بندہ بنالیا۔"

اخیر میں آپ سب طلبا کو میری یہی نصیحت ہے کہ آپ اپنے مذہب کے ساتھ صادق العمل اور وفادار رہو جس میں ہر ایک صداقت اور ہر ایک وفاداری اور دین و دُنیا کی ہر ایک بھلائی موجود ہے۔

حضرت لقمان کے نصائح میں جن کا قرآن پاک میں ذکر ہے کس قدر اخلاقِ مجسّم کی تعلیم ہے جس میں دیانت، محبّت، ایثار نفسی بھری ہوئی ہے۔"

آخر میں کارکنانِ یونیورسٹی کو اس جامعۂ مسلم کی خصوصیات اور پیشروؤں کے نقطۂ نظر اور نصب العین کو پیشِ نظر رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد کیا کہ:-

اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے ہم کو نہایت سرگرم کوششوں کی ضرورت ہے تاکہ ہماری یہ یونیورسٹی قوم و ملک میں ایک قابلِ قدر تعلیمی فضا پیدا کر دے سائنس اور صنعت کی تعلیم ہمارے لئے حقیقی طور پر نتیجہ خیز ہو یہاں تحقیقاتِ علمی کا سلسلہ قائم ہو اور ہمارے دارالعلوم میں سے ایسے طلبا نکلیں جو اپنی زندگی کو علم کے لئے وقف کر دیں نہ کہ صرف ملازمت کے واسطے ....

مسلمانوں میں اسلامی اخلاق کی آراستگی اسلامی روایات پر عمل پیرائی اسلامی معاشرت اور تمدن کے تحفظ کا خیال اور قومیّت کا احساس اُسی دارالعلوم میں پیدا ہو سکتا ہے جس میں علام تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم و تربیت جزو اوّلیں ہو اور یہاں سے جو طالب علم نکلے وہ ایک صحیح مفہوم میں تعلیم یافتہ مسلمان ہو جس کی صفات میں مذہب کی استواری اور ارکانِ مذہب کی پابندی ممتاز درجہ رکھتی ہو۔

صاحبان! جب اس قسم کا دارالعلوم ہمارے ہاتھ میں ہو گا تو ہم اس وقت امید کر سکیں گے کہ پھر ہماری قوم میں ابنِ رُشد، بوعلی، سعدی، وغزالی، بنوموسیٰ، اور ابومعشر فلکی اور دَورِ آخر کے شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور حالی و شبلی پیدا ہوں گے اور ہندوستان میں بغداد و قرطبہ کی عظمت ہم کو دوبارہ حاصل ہو جائے گی۔"

(۲) سنہ ۱۹۲۵ء | اس کانووکیشن کے بعد پھر جنوری سنہ ۱۹۲۵ء کے کانووکیشن میں تشریف لے گئیں۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ حضور ممدوحہ خانگی حادثوں سے بہت ہی دل شکستہ اور مضمحل تھیں۔ اس

موقع پر یونیورسٹی کے لارڈ ریکٹر ہز اکسلنسی لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند بھی تشریف لائے تھے صبح کے وقت حضور ممدوح کو یونیورسٹی کی طرف سے ایڈریس پیش کیا گیا اور ہز اکسلنسی کے خیر مقدم میں کارِ عالی نے بحیثیت چانسلر کے ایک پُرمعنی تقریر کی جس میں ہز اکسلنسی کی تشریف آوری اور گورنمنٹ کی پیہم فیاضانہ اعانت و دستگیری کا شکریہ اور صلح کانفرنس میں مسئلہ ٹرکی کے متعلق ہز اکسلنسی نے مسلمانانِ ہند کی جو ترجمانی کی اس کا اظہار احسان مندی، سرسید اور ان کے رفقاءِ کار کی مساعیٔ جمیلہ اور اس عظیم الشان ادارہ تعلیمی کے بنیادی مقاصد کا تذکرہ تھا۔

سہ پہر کو کانووکیشن کا اجلاس تھا اور اس اجلاس میں بھی سرکار عالیہ نے ایک پُرمغز ایڈریس پڑھا جس میں اس دار العلوم کے دَورِ اوّل کا اور موجودہ ترقی کا تذکرہ کرکے ابتدائی مشکلات پر غالب آنے کے لئے حوصلہ افزائی فرمائی اور دار العلوم کی کامیابی کے متعلق فرمایا کہ :۔

البتہ یہ دُرست ہے کہ موقع جس قدر نازک اور مشکل جتنی زیادہ سخت ہوگی کام کرنے والوں کو اسی قدر زیادہ حزم و احتیاط اور خلوص و ایثار سے کام کرنا ہوگا۔ یہی کامیابی کا اصلی راز ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہماری یونیورسٹی میں بھی اِسے ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے گا۔

لیکن کسی دار العلوم کی کامیابی کا معیار محض اس کے شرکاءِ امتحان کی کثرت یا اس کی عمارتوں کی وسعت و شوکت نہیں بلکہ ہماری تمام جد و جہد کا مقصدِ اصلی یہ ہونا چاہیئے کہ ہم ایسے ماحول بنائیں اور ایسی فضا پیدا کریں کہ ہمارا دار العلوم حقیقی طور پر علم و فضل کا گھر بن جائے اور اس کے طلبہ صحیح معنوں میں طالبانِ علم ہوں اور ان کا اخلاق ایسے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو کہ جب وہ زندگی کے عملی میدان میں داخل ہوں تو اہلِ کمال کے حلقوں میں اپنے لئے ممتاز جگہ حاصل کرسکیں اور ملک و قوم کے بہترین خدمت گزار بن سکیں مگر یہ منشاء و مدعا اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ اُن کے اُستاد اُن کے سامنے علمی، اخلاقی، اور روحانی زندگی کا ایسا نمونہ پیش کریں جو اُن کا بہترین نصب العین ہو اور وہ اس نصب العین کو اپنا مطمحِ نظر بناکر ہمیشہ ایسے مشاغلِ علمیہ میں منہمک رہیں جو اُن کے دل میں حصولِ علم کا سچا اور دائمی ذوق و شوق پیدا کریں۔

یورپ کی گوناگوں ترقیاں جو اہلِ مشرق کو ششدر کئے ہوئے ہیں در اصل وہاں

کی یونیورسٹیوں ہی کی رہینِ منت ہیں اور ان کے عروج کا تمام رازان ہی درسگاہوں کے طریق کار میں مضمر ہے کیونکہ یہیں کے طلبا رہیں جنھوں نے اپنی علمی قابلیتوں اور دماغی قوتوں سے اپنے ملکوں کے لئے ایک طرف روئے زمین کو مسخر کرلیا ہے اور دوسری طرف قدرت کی غیر محدود طاقتوں کو اپنا مطیع اور فرماں بردار بنا دیا ہے۔"

اس کے بعد دارالعلوم کے اصلی مقصد کی یاد تازہ کی اور یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کی ترقی کے لئے اربابِ ہمت کو اور بالخصوص فرزندانِ دارالعلوم کو فیاضی پر مائل کیا۔ صنعت وحرفت کے شعبوں کی ضرورت ظاہر کی۔ السنۂ مشرقی اور زنانہ تعلیم کے متعلق فرمایا کہ :-

"اس یونیورسٹی کے قیام میں یونیورسٹی کے بانیوں کا یہ مقصد بھی شامل رہا ہے کہ السنۂ مشرقی کی تعلیم وتعلّم کا زیادہ بہتر انتظام کیا جاسکے اور ان کی جانب سے مسلمانوں کی روز افزوں بے اعتنائی کا سدِ باب ہو سکے۔ یقیناً یہ مقصد نہایت اہم اور قابل قدر ہے اور اُسے ایک لمحہ کے لئے بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارا تمدّن، ہماری معاشرت، ہماری تہذیب اور ہمارا مذہب، ہماری قومی زبانوں کے ساتھ وابستہ ہے اور اگر ہم اِن کو بھول گئے تو چند دن بعد یقیناً ہم اُن کو بھی کھو بیٹھیں گے اس لئے السنۂ مشرقی اور بالخصوص عربی فارسی کی اعلیٰ اور بہتر تعلیم پر یونیورسٹی کی اکاڈمک (تعلیمی) کونسل کو زیادہ توجّہ مبذول کرنی چاہیے یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ شعبۂ سنسکرت کے اجرا سے ہمارے دارالعلوم کی یہ ایک بدنما کمی پوری ہوگئی ہے۔

زنانہ تعلیم کے متعلق بھی ہمارے دارالعلوم کو ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے اگرچہ مدرسۂ نسواں علی گڑھ کو ملحق کرلیا گیا ہے لیکن تعیّن وانتخاب کا اصلی کام ابھی توجہ کا محتاج ہے اور جب تک وہ طے نہ ہو جائے تب تک یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس دشوار گذار راستہ کی پہلی منزل بھی طے نہیں ہوئی، یہ سچ ہے کہ بی۔اے کے کامیاب طلبہ کی فہرست میں ایک مسلمان خاتون کا نام دیکھکر مجھے بڑی خوشی ہوئی لیکن اس کا سبب صرف اس کی ندرت ونایابی ہے کیونکہ علم وکمال کے میدان میں عورتوں کا مردوں کے دوش بدوش چلنا ہمارے لئے کچھ عجیب اور غیر معمولی بات نہیں ہے ہمارے مُخبرِ صادق صلعم نے شروع ہی سے نوع انسان کی ان

دونوں صنفوں کو اُن کی قلبی، دماغی اور روحانی قابلیتوں کے لحاظ سے ہر معاملہ میں بالکل برابر رکھا ہے اور ہماری تاریخ کے صفحے صنفِ ضعیف کے مردانہ کارناموں سے بھرے پڑے ہیں اب البتہ اس عالمِ پستی اور انحطاط کے دور میں ایسی مثالیں کمیاب ہوگئی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتگان کے زمرہ میں ایک مُسلم خاتون کا نام موجب استعجاب معلوم ہوتا ہے اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ یہ استعجاب تعلیمِ اُناث کی جانب سے خود ہمارے طبقۂ مذکور کی لاپروائی اور غفلت کی دلیل ہے لیکن صاحبان! میرے نزدیک اس ایک لڑکی یا بالفرض بہت سی لڑکیوں کے بھی بی ۔ اے، ہوجانے سے اصل مسئلہ حل نہیں ہوتا ابھی تک تو ہمارے ملک کے اربابِ رائے اسی پر متفق نہیں ہیں کہ یہ موجودہ طرزِ تعلیم و امتحان ہمارے لڑکوں کے لئے کہاں تک مفید ہے تو پھر کیوں کر اطمینان سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہماری لڑکیوں کے لئے بلا اختلاف مفید ہوگا جبکہ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہماری معاشرت میں دونوں فرقوں کے دائرۂ عمل الگ الگ اور ان کی ضروریاتِ زندگی جُدا جُدا ہیں ۔

میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر اس کو دُہراتی ہوں کہ اس خاص شعبے میں دیگر اقوام کی تقلید میں اپنی معاشرتی خصوصیات اور قومی روایات سے انحراف کسی طرح روا نہ رکھا جائے "

پھر شعبۂ علومِ اسلامیہ سے بے پروائی پر اظہارِ افسوس فرما کر طلبا کو خطاب کیا کہ :-

"عزیزانِ من! اس موقع پر طلبا سے خطاب کرنا ایک رسمی بات ہے لیکن میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ میرا مقصود محض کسی رسم کا ادا کرنا نہیں ہے بلکہ میں اُس فرض کو پورا کرنا چاہتی ہوں جو ایک ایسے فردِ قوم پر عائد ہوتا ہے جس کو اپنی قوم کی تعلیمی ترقی سے حقیقی دل بستگی ہے ۔

تم اب یونیورسٹی کے محدود دائرہ سے نکل کر زندگی کے غیر محدود اور وسیع میدان میں داخل ہورہے ہو جہاں تم پر بے شمار فرائض کا بار ہوگا اگر تم نے ان فرائض کو صداقت اور قابلیت کے ساتھ ادا کیا تو دنیا و عقبیٰ کی کامیابیاں تمہارے ہم قدم ہوں گی اور ہر وقت اور ہر لحظہ تم کو سکونِ خاطر اور اطمینانِ قلب حاصل رہے گا ۔ تم ایک ایسی تعلیم گاہ کے طالبِ علم ہو جو حکومت و رعیت اور ابنائے وطن کے اشتراکِ عمل کا نتیجہ ہے تمہاری تعلیم گاہ کی سوسائٹیاں اس کی عمارتیں اس کی امدادیں، اس کے تمغے، اور وظیفے غرض اس کی ہر ایک چیز جس پر تم نظر ڈالو گے اس میں

اسی اشتراکِ عمل کو جلوہ گر پاؤ گے۔ اس لئے اس کے مطابق حکومت اور اہلِ وطن کے ساتھ تمہارا مخلصانہ اشتراکِ عمل تمہارا طغرائے امتیاز ہونا چاہیئے اسی غرض سے تمہارے دارالعلوم کا دروازہ بلا لحاظ قوم و مذہب ہر ایک طالب علم کے لئے کھُلا ہوا ہے اور مجھے یہ دیکھکر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ اصحابِ ہنود بھی اس سے فائدہ اُٹھانے میں تامل نہیں کرتے۔

اس وقت ملک میں جو سیاسی فضا موجود ہے اس کے اقتضا سے نوجوان تعلیم یافتہ جماعت کے قلوب متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور یقیناً ہر ایک غور و فکر کرنے والے دل و دماغ کو اپنے ماحول کے متعلق سوچنے اور سمجھنے کا حق حاصل ہے اس لئے مجھے اپنا یہ اہم فرض محسوس ہوتا ہے کہ اس موقع پر میں تم کو چند مختصر الفاظ میں یہ جتادوں کہ تم جس پاک اور مقدس مذہب کے پیرو ہو وہ ایک ایسا عملی مذہب ہے جس نے روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ عملی زندگی کے لئے بھی گھر کے حجرہ سے لے کر لامعلوم وسعتِ کائنات تک ہر ایک مرحلہ کا طریق کار بتادیا ہے اور جس میں سیاسی اور اقتصادی معاملات، تمدنی اور معاشرتی مسائل اور حکومت و رعیت کے باہمی تعلقات پر بہترین ہدایتیں موجود ہیں پس اگر تم اسی طریق کار کو پیش نظر رکھو گے اور انھیں ہدایتوں پر عامل رہو گے تو زندگی کا مبہم سے مبہم مسئلہ اور مشکل سے مشکل عقدہ بھی تمہارے لئے آسان ہو جائے گا اور دنیا کے پیچیدہ سے پیچیدہ راستے اور کٹھن سی کٹھن گھاٹی میں بھی تمہارا قدم نہ ڈگمگائے گا۔ تم ہر ایک معاملہ کے متعلق صحیح رائے قائم کرسکو گے اور ہر ایک مرحلہ میں صحیح طرزِ عمل اختیار کرسکو گے۔ ہم کو اپنے منعمِ حقیقی سے ہمیشہ یہی دعا مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم ؕ

فرزندانِ ملت! اگرچہ ظاہر میں تم کتابی اور کاغذی امتحانات کی تیاری میں مصروف ہو لیکن حقیقت میں تم ایک ایسے میدانِ مقابلہ میں داخل ہونے کے لئے تیار ہو رہے ہو جہاں روحانی اخلاقی دماغی اور جسمانی قوتوں کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی تمہاری تعلیم کا سب سے بڑا مقصد انھیں تمام قوتوں کا نشو و نما تھا اگر یہ شروع ہوگیا ہے تو اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ کا سچا وعدہ تمہارے ساتھ ہے اور دُنیا اور آخرت کی کامیابی کی کنجی تمہارے ہاتھ ہے خدا مبارک کرے، لیکن اگر تم نے ان مواقع سے استفادہ کرنے میں تساہُل

کیا ہے اور تم میں خامیاں باقی رہ گئی ہیں تو اس کی تلافی زمانہ کے تلخ تجربات اور ناخوشگوار تادیب کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔ کسی نے سچ کہا ہے "زمانہ بڑا سخت گیر استاد ہے"۔

بہرحال اس وعدۂ ربّانی میں ذرا بھی شائبۂ شک نہیں ہو سکتا کہ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی ثُمَّ یُجْزٰہُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی۔

سرکار عالیہ نے اِس موقع پر اَسّی ہزار روپیہ اپنے مرحوم فرزند اکبر کے نام پر ایک ہاسٹل تعمیر کرنے کے لئے اور دس ہزار روپیہ نصاب تعلیم نسواں کی ترتیب ۱۰ ہزار لائبریری اور ۲۰ ہزار مدرسہ نسواں کیلئے مرحمت فرمایا۔

(۳) ۱۹۲۶ء ان دونوں اجلاسوں میں سرکار عالیہ ایک فرمانروا اور چانسلر کی مجتمع خصوصیات سے شریک ہوئیں تھیں۔

مگر نومبر ۱۹۲۶ء کے کانووکیشن میں صرف چانسلر کی حیثیت سے شرکت کی لیکن اس وقت ایک نئی شان تھی اور یہ نظارہ[۱] بہ چشم حقیقت پہلے دو نظاروں سے زیادہ پُرعظمت تھا۔

نصر اللہ خاں ہاسٹل کا افتتاح اسی زمانہ میں سرکار عالیہ نے "نصر اللہ خاں ہاسٹل" کا افتتاح فرمایا افتتاح سے قبل ایڈریس پیش کیا گیا۔

چونکہ موقع افتتاح کے لحاظ سے سرکار عالیہ کے لئے یہ نہایت درد آمیز اور الم ناک وقت تھا اور احتمال تھا کہ مبادا قلب مبارک پر اپنے مرحوم فرزند کی یاد کا کوئی ایسا اثر پڑے جس کا تحمل حضور ممدوحہ نہ کر سکیں۔ اس وجہ سے سرکار عالیہ کی جوابی تقریر گورنمنٹ بھوپال کے فنانس ممبر عالی مرتبت راجہ اودھ نرائن بسریا بی۔ اے نے سنائی جس میں ہز ہائی نس کے زمانۂ تعلیم علی گڈھ کا تذکرہ کر کے اُس کو تائید غیبی سے تعبیر کیا اور فیاض معطیوں کا شکریہ ادا کر کے دار العلوم کی اصلی رفعت و شان اور امتیاز کی تمنا یوں ظاہر کی کہ :۔

حضرات! میں اس موقع پر ایک خاص امر کی جانب بھی توجہ دلانا چاہتی ہوں، اینٹ

---

[۱] اسٹیشن پر شایان شان استقبال ہوا سرکار عالیہ اور اعلیحضرت فرماں روائے بھوپال خلد اللہ ملکہٗ "منٹو پیلس" میں مقیم ہوئے اعلیحضرت نے اُسی دن سہ پہر کو اپنے دستِ مبارک سے سائنس کالج کا سنگِ بنیاد رکھا اور دو لاکھ روپیہ بھی عطا فرمایا۔

اور گارے چونے، اور پتھر کی رفیع الشان عمارتیں بلاشبہ جاذب نظر ہوتی ہیں لیکن ان کی حقیقی شان اُس وقت نمایاں ہوتی ہے جب اُن کے کاموں کے شاندار نتائج ظاہر ہوں دنیا کی کوئی عمارت حجرۂ نبوی کی خام دیوار اور نیچی چھت سے زیادہ شاندار نہیں ہے یہ وہ مقدس عمارت تھی جہاں سے علم و عمل کے دریا موج زن ہوئے اور ان سے وہ برقی قوت حاصل ہوئی کہ بحر و بر منور ہو گیا۔ آپ دیکھئے کہ مدرسہ نظامیہ بغداد اور مثل اس کے بہت سے مدارس کی عمارتوں کا باوجود اس کے کہ وہ بہت شاندار تھیں کوئی وجود موجود نہیں ہے لیکن اس کی علمی نہریں آج بھی جاری ہیں اگرچہ وہ منبع سے جُدا ہو چکی ہیں۔

مجھے عمر کی ستّرویں منزل پر پہنچ کر سب سے بڑی تمنا اور سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ میں اس دار العلوم کو نہ صرف ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں ممتاز دیکھوں بلکہ وہ دنیا کی یونیورسٹیوں میں خاص امتیاز رکھتی ہو۔

حضرات! ہماری قوم نے انتہائی جد و جہد کے بعد یہ یونیورسٹی قائم کی ہے اور اس کو مسلم یونیورسٹی کے مبارک نام سے موسوم کیا ہے تو قدرتی طور پر ہم اس دار العلوم میں مسلم کی نسبت سے جو برکت ہونی چاہیئے اس کے آرزو مند ہوتے ہیں۔

اس کے بعد طلبا میں حقیقی اسلامی روح پیدا کرنے پر زور دیا سرسید کی جماعت اور ان کے جانشینوں کے خلوص و اوصاف کی پیروی کی ہدایت کی اسی سلسلہ میں یاد دلایا کہ سرسید کے اوصاف، مادرانہ تربیت کے نتائج تھے۔

ایک مؤثر نظارہ

بقول خان بہادر مولوی بشیر الدین صاحب منیجر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ و ممبر کورٹ مسلم یونیورسٹی :-

اس موقع پر سب سے زیادہ مؤثر سین وہ تھا جبکہ رسم افتتاح ہونے کے بعد سرکار عالیہ کو معلوم ہوا کہ ان کے نامور فرزند فرماں روائے بھوپال نے مسلم یونیورسٹی کو دو لاکھ روپیہ عطا فرمایا ہے یہ سُن کر سرکار عالیہ نے اپنے سعادت مند فرزند سے اپنی خوشنودیٔ مزاج کا اظہار فرمایا اور آئندہ کے لئے قومی کاموں میں دلچسپی لینے کی نصیحت فرمائی۔

جس وقت سرکار عالیہ اپنے سعادت مند اور نامور فرزند دل بند کو نصیحت فرما رہی

تھیں ہز ہائی نس نہایت مؤدبانہ طریقہ سے کھڑے ہوئے تھے جب سرکار عالیہ نصیحت فرما چکیں تو ہز ہائی نس نواب صاحب بہادر نے اپنی مادر مہربان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور بعد ازاں سرکار عالیہ نے فرزند رشید کی پیشانی کو۔"

کانووکیشن ایڈریس کا اقتباس

۱۵ر نومبر کو کانووکیشن کا جلسہ تھا معمولی مراسم کے بعد سرکار عالیہ نے اپنا ایڈریس پڑھا جس میں ابتدائی زمانہ کی مشکلات و مبادیات کی طرف اشارہ کرکے طلبا و پروفیسروں کی تعداد کے اضافہ پر اظہار مسرت کیا۔ یہاں کے طلبا کی فرض شناسی کی تعریف فرمائی۔ لڑکیوں کی تدریجی ترقی پر حامیانِ تعلیم نسواں کو مبارکباد دیتے ہوئے کامل مسرت کو مناسب حال ترقی تعلیم پر محوّل کیا۔ گذشتہ جوبلی[1] کے معطیان اور بالخصوص ہز ہائی نس مہاراجہ الور کی دلچسپی و فیاضی کا شکریہ ادا کیا اور مزید فیاضانہ اعانتوں پر توجہ دلائی اور جدید شعبوں کے اضافوں پر اپنی مسرت ظاہر کرتے ہوئے ہز ہائی نس سکندر صولت فرمانروائے بھوپال کی فیاضی کو موسم بہار کی آمد آمد سے تعبیر کیا اور صنعت و حرفت پر زور دے کر قوم کی اقتصادی حالت اور اخراجات تعلیم کے متعلق فرمایا کہ:۔

حضرات! انتظاماتِ تعلیم میں فیاضی کے ساتھ ہی ساتھ ہم کو اخراجاتِ تعلیم میں قوم کی اقتصادی حالت بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے تاکہ علم امیروں اور دولتمندوں ہی کے لئے مخصوص نہ ہو جائے اس لئے ضرورت ہے کہ ہمارے دار العلوم کے احاطہ میں سادگی اور کفایت شعاری کا عملی درس دیا جائے ہماری بہت سی قومی ضرورتیں ہیں جو بغیر روپیہ کے پوری نہیں ہو سکتیں اور روپیہ سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ زندگی بسر کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ یورپ سے قطع نظر کرکے خود ہمارے ملک میں وہی اشخاص ہر سال ہزاروں اور لاکھوں روپیہ قومی کاموں میں عطا کرتے ہیں جن کی زندگی میں یہی دو چیزیں خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہوتی ہیں اس لئے اس احاطہ میں داخل ہوتے ہی ہر طالب علم کو پہلا سبق سادگی و کفایت شعاری کا ملنا چاہیئے تاکہ جب وہ اِس احاطہ سے باہر جائے تو اسی زندگی کا خوگر رہے اور ایسے ہی طالبِ علم سے

---

[1] دسمبر ۱۹۲۵ء میں اس دار العلوم کی جوبلی منائی گئی تھی۔

امید ہوسکتی ہے کہ وہ اس مادرِ علمی کی ترقی یا اپنی قومی ضرورتوں کے لئے فیاضی کا اظہار کرسکے گا۔

پھر مذہبی تعلیم اور شعبۂ علومِ اسلامیہ سے بے توجہی پر نہایت صاف طریقہ سے ارشاد کیا کہ:۔

حضرات! اس موقع پر میں اپنے اس افسوس کو ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ جداگانہ قومی یونیورسٹی کا جو مقصد اولین تھا وہ مؤخر ہوتا جاتا ہے یعنی اس کے شعبۂ علوم اسلامیہ دینیات اور اسلامی تاریخ میں کوئی ترقی نہیں ہوئی اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ کوئی خاص کوشش بھی اس کی ترقی کے متعلق عمل میں نہیں آئی۔ میں نے تیسرے کانووکیشن کے موقع پر بھی اس کی نسبت توجہ دلائی تھی اور آج میں کسی قدر صفائی کے ساتھ یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر اس شعبہ پر فوری توجہ نہ کی گئی تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہمارے متقدم جانشینوں نے جو وعدے قوم سے کئے تھے ہم ان کے ایفا کے لئے تیار نہیں ہیں اس کے علاوہ مجھے تعلیم دینیات میں اخلاق اور اسلامی تاریخ وسیر کی کمی اور بے اصولی پر توجہ دلانی ہے کیا یہ افسوسناک کمی نہیں ہے کہ یونیورسٹی نے ہائی اسکول اگزامینیشن سے ڈگری کورس تک تاریخ وسیر میں عہدِ رسالت کو صرف آغاز اسلام کے چند صفحات میں محدود کردیا ہے اور عہدِ صحابہ کو مطلقاً نظر انداز کیا ہے حالانکہ یہی وہ چیز ہے جس سے مسلمانوں کو سب سے پہلے واقف ہونا چاہیئے۔ اور اسی سے اُن کے کیرکٹر اور سیرت کو جلا ہوسکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکارمِ اخلاق کی تکمیل کو اپنی بعثت کا منشا قرار دیتے ہیں اور خداوند کریم آپ کی زندگی کو ہمارے لئے اسوۂ حسنہ فرماتا ہے۔

ہماری قومی تاریخ میں زیادہ تر عباسی اور اموی خلفاء کے متمدن زمانہ کی تاریخ ہے اور بلاشبہ وہ دل کش، دلچسپ اور باعثِ فخر ہے لیکن عہد رسالت اور عہدِ صحابہ کی تاریخ اس سے زیادہ مفتخر اور مفید وشاندار ہے جس سے دلوں میں ایمان تازہ ہوتا ہے جذبات اسلامی کی نشو ونما ہوتی ہے اور انسانی ترقی کا راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے اس لئے ہمارے دارالعلوم میں اسلامی تاریخ وسیر کو تدریجی منازل کے ساتھ اس معیار پر ہونا چاہیئے کہ جب آخیر ڈگری تک نوبت پہنچے تو ہمارے طلبا اس سے کم از کم اس قدر تو واقف ہوں کہ جتنا کہ قدیم وجدید ہندوستان، و یورپ کی تاریخ سے واقف ہوتے ہیں۔

میں اس خاص امر پر زور دوں گی کہ قرآن مجید کا ترجمہ لازمی رکھا جائے اور جس طرح

کہ ابتدائی درجہ (ب) سے قرآن مجید شروع کرایا جاتا ہے اسی طرح ڈگری کورس تک ترجمہ ختم کرا دینا چاہیئے تاکہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ مسلمان مذہب اور اس کی حقیقت سے باخبر رہیں۔

ہم کو اسلامی تاریخ اور سیر کے متعلق نہ صرف تعلیم ہی کا انتظام کرنا ہے بلکہ مستقل طور پر تحقیقات جدیدہ کے انتظام کی ضرورت ہے اور میں متمنّی ہوں کہ جس طرح کالج کے دَورِ اوّل نے علّامہ شبلی جیسا زبردست مؤرخ پیدا کیا اسی طرح آپ کی یونیورسٹی کا دَورِ اوّلین متعدد شبلی پیدا کرے۔"

اسی سلسلہ میں تحقیقات علمی، اور مادری زبان کی ترقی کے متعلق یہ آرزو ظاہر کی کہ :۔

اسی طرح میرا دل اس بات کا بھی متمنی ہے کہ علومِ اسلامیہ کے متعلق جو کام کہ آج یورپ میں علمائے علومِ مشرقی کر رہے ہیں، وہ کام ہماری یونیورسٹی کے پروفیسران و طلبا کریں۔

میری یہ دلی تمنّا ہے خدا اسے پورا کرے کہ ہماری یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں جو اسلامی اور مغربی علوم میں اعلیٰ قابلیت رکھتے ہوں کچھ ایسے نوجوان بھی ہوں جو پورے ایثار کے ساتھ اور محض جوشِ اسلامی اور جذبۂ قومی کی بنیاد پر یہ خدمات انجام دیں ایک طرف ایک گروہ ایسا بھی ہو جو اپنی مادری زبان میں اپنی تحقیقات کے نتیجہ کو شائع کرتا رہے تاکہ اس دارالعلوم کے احاطہ کے باہر بھی شائقینِ علوم فیض یاب اور بہرہ مند ہوں اور اس طرح وہ تمام قوم اور ملک کو اپنے دارالعلوم کا شاگرد بنا لیں۔"

پھر اس ضرورت کی تکمیل کے لئے شاندار لائبریری کو لازمی قرار دیتے ہوئے پرائیوٹ کتب خانوں کے مالکوں کو توجہ دلائی کہ وہ اپنے ذخیرے اس دارالعلوم میں جمع کر دیں اور مولوی سبحان اللہ خاں رئیس گورکھپور کی اس فیاّضی کا کہ انھوں نے قیمتی کتب خانہ یونیورسٹی کو عطا کر دیا پرجوش شکریہ ادا کیا۔

اِس کے بعد پروفیسروں اور طالبانِ علم کو نصیحت کی کہ وہ یونیورسٹی کو مطلع العلوم بنائیں فضلا و علمائے قوم کو متوجہ کیا کہ کبھی کبھی یونیورسٹی میں لیکچر دیا کریں آخر میں طلبا کو نصیحت فرمائی کہ :۔

"آج کی تقریب حقیقت میں ایسی تقریب ہے جبکہ تم یونیورسٹی کی بارگوں سے میدانِ زندگی میں علمی کمالات ظاہر کرنے کے لئے رخصت کئے جاتے ہو۔ اور ہم کو تمہارے ساتھی اور تمہارے رخصت کرنے والے دونوں ان امیدوں کے ساتھ رخصت کرتے ہیں کہ تم اپنے کمالات سے

اس مادرِ علمی کی عزت و شہرت اور وقعت و عظمت میں چار چاند لگاؤ گے۔ تم کو یہاں سے ایسے جذبات کے ساتھ جانا چاہیئے جن کی قوت سے تم زندگی کی صف آرائیوں میں فتح و نصرت کا پرچم اڑاؤ۔ تم اپنے ملک کو اور اپنی قوم کو اپنی قابلیت و مدنیت سے ممتاز و کامیاب بناؤ۔ تمہارا ہر عمل تمہارے علم و فضل کا آئینہ ہو۔ تم تہذیب و تمدن اور ملک کی ترقی میں وہ حصہ لو جو تمہارے زمانہ کی یادگار رہو۔ تم کو اپنا نصب العین بلند رکھنا چاہیئے۔ تمھارا ملک اپنی ترقی کے لئے تمھاری قابلیتوں، محنتوں، اور تمھاری ہمتوں کا حاجت مند ہے اس کے پہاڑوں اور جنگلوں میں اس کی نہروں اور دریاؤں میں اور کھیتوں اور بنجروں میں ایسے ایسے خزانے موجود ہیں کہ اگر تم ہمت کروگے تو وہ تم کو مالا مال کر دے گا۔ تم نے قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے فلسفہ کا کتابوں میں مطالعہ کیا ہے لیکن اب تم کو عملی زندگی میں ان امور کا تجربہ کرنا ہے اور جس طرح کہ تم نے یونیورسٹی کے کمروں میں محنتیں کرکے علمی سندیں حاصل کی ہیں اسی طرح تم کو اس وسیع دنیا میں ایک دوسرے امتحان کی تیاری میں مصروف ہونا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس میں بھی تم ایسی ہی کامیابی حاصل کروگے:۔

اے میرے کامیاب عزیزو!

تم میں سے جو متبع اسلام ہیں ان کو میری خاص نصیحت ہے کہ تمہاری تعلیم اور تمہاری سیرت قوم کے لئے سرمایۂ فخر ہو۔ تم ہمیشہ اس بات کو ذہن نشین رکھو کہ تم اسلام کے فرزند ہو۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو دنیا کے لئے پیغامِ امن لے کر آیا ہے۔ اس کے ہر حکم میں انسانی زندگی کے ہر ایک مرحلہ کے لئے ایک سلامتی ہے۔ اس نے غیر مسلم اقوام کے ساتھ اس رواداری کا سبق دیا ہے کہ جس سے گھر کی چار دیواری سے لے کر دنیا کے وسیع حدود تک امن قائم رہتا ہے۔ تم ایک ایسے ملک میں زندگی بسر کر رہے ہو جہاں مختلف مذاہب کے متبعین کی ہمسائگی ہے ان کی اور تمہاری زندگی اور ملکی ترقی و تنزل ایک ہی دائرے کے اندر محدود ہے تم ایک محکومانہ حالت میں ہو اور تمہارے اوپر اس حکومت کے فرائض بھی ہیں جس میں تم امن و امان کے ساتھ رہتے ہو اس لئے تم کو تمام تر غیر مسلم اقوام اور حکومت کے ساتھ

وہ اتحاد وہ رواداری اور وہ طرزِ عمل اور اطاعت اختیار کرنی چاہیئے جس کا سبق تم کو قرآن حکیم سے حاصل ہوا ہے تم کو فرقہ وارانہ تعصبات کی مکدر فضا سے ہمیشہ بچنا چاہیئے بلکہ تمہاری تعلیم کا اقتضاء اور تمہارے مذہب کا حکم یہی ہے کہ صلح و آشتی کی زندگی بسر ہو۔ تم کو اپنے ملک میں متحدہ قومیت کا علم بردار بننا چاہیئے اور اپنی اخلاقی طاقتوں کو ہمیشہ اتحاد پیدا کرنے اور اتحاد رکھنے میں صرف کرنا چاہیئے تم کو ہرگز ایسے راستے اختیار نہ کرنا چاہئیں کہ جن کے واسطے یہ آیت نازل ہوئی ہے وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا۔

سب سے آخر میں میں تم کو ان نصیحتوں کی جانب متوجہ کرتے ہوئے جو حضرت لقمان جیسے حکیم دانا نے اپنے فرزند کو فرمائی تھیں اور ان کے متعلق چند آیاتِ قرانی تم کو سُنا کر میں اپنی تقریر کو ختم کرتی ہوں خداوند عزّوجل تم کو ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔"

تحقیقاتی کمیشن کا تقرر

یونیورسٹی کی بنیاد ایک ایسے زمانہ میں قائم ہوئی تھی جو کہ قومی اختلال کا زمانہ تھا، اسی سبب سے جس وقت کہ مجلس واضع قوانین میں یونیورسٹی کا بل پیش ہو رہا تھا اُس کے آئین و قواعد پر کچھ زیادہ تنقید نہ ہو سکی اور ایک ایسا بل پاس ہو گیا جس میں بہت سی اساسی خرابیاں رہ گئیں۔ اسی طرح یونیورسٹی کے مصارف کے تعیّن میں اقتصادی حالت اور آئندہ ضرورتوں کا اندازہ نہیں کیا گیا جس کے باعث پہلے ہی سال تخفیف مصارف کا ایک کمیشن مقرر کرنا پڑا۔

ان اصولی و اساسی خرابیوں اور ارکانِ یونیورسٹی کے غیر مال اندیشانہ کارروائیوں نے بعض مقتدر اصحاب کی پارٹی فیلنگ کے ساتھ مل کر یونیورسٹی کی شہرت و عزت پر خراب اثر ڈالا اور یہ اندیشہ قوی ہو گیا کہ لارڈ ریڈنگ کو مجبوراً دست اندازی کرنا پڑے۔

سرکار عالیہ کا خیال مبارک اگرچہ بہت پہلے اصلاح کی طرف رجوع تھا لیکن نہایت اہم مصروفیتوں کی وجہ سے وہ عملی شکل میں نہ آسکا۔ اب اولین فرصت میں حضور ممدوحہ نے اس طرف توجہ کی اور ماہرین تعلیم کا ایک مقتدر کمیشن مقرر کیا جس کے تمام مصارف خود عنایت فرمائے اور علی گڈھ کے دوران قیام میں اس کو اپنا مہمان بنایا۔ اس کمیشن کے ارکان آنریبل سرابراہیم رحمۃ اللہ کے، سی، ایس، آئی سی، آئی، ای سرفلپ جوزف ہارٹوگ سی، آئی، ای، ایم، اے، ایل، ایل، ڈی ممبر آف دی انڈین پبلک سروس کمیشن اور سرجارج انڈرسن سی، آئی، ای ایم، اے ڈائرکٹر تعلیمات صوبۂ پنجاب نامزد کئے گئے جنھوں نے تحقیقات کرکے ایک مفصل رپورٹ سرکار عالیہ کے ملاحظہ میں پیش کی اور حضور ممدوحہ نے اس کو اپنے نوٹ کے ساتھ ممبران کورٹ کے پاس ارسال فرمایا جس میں یونیورسٹی کے درجہ، اختلافات، ڈسپلن وغیرہ کا تذکرہ کرکے اپنے فرض اور اختیارات کو ظاہر کیا اور کمیشن کی سفارشوں پر توجہ دلائی۔ اس کے بعد کورٹ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۹ / فروری ۱۹۲۹ء کی صدارت کے لئے تشریف لے گئیں جو نہایت مہتم بالشان تھا جس میں جدید وائس چانسلر کے انتخاب کا مسئلہ بھی طے ہوا۔ اور بجائے نواب سرمحمد مزمل اللہ خاں صاحب کے، سی، ایس، آئی کے ڈاکٹر سرسید راس مسعود (نواب مسعود جنگ) کا تقرر عمل میں آیا۔

سرکار عالیہ نے جن اصلاحات کے مقصد سے اس کمیشن کا تقرر فرمایا تھا الحمدللہ کہ وہ بروئے کار آئیں۔

زنانہ تحریکات اور تعلیمی و معاشرتی امور میں کوشش

سرکار عالیہ کو اپنی صنف کے مسائلِ تعلیم و ترقی میں جو شغف تھا اور گذشتہ ۳۰ سال میں ہر موقع پر بھوپال میں اور بھوپال کے باہر سفر و حضر میں والیانِ ملک و اکابرینِ قوم، گورنمنٹ کے اعلیٰ افسروں، اور با اثر لیڈیز، مہارانیوں اور بیگمات اور معزز خواتین کی ملاقاتوں میں۔ قوم و ملک کے زنانہ و مردانہ جلسوں میں جس طرح اس شغف کا اظہار ہوا ہے اور جن گوناگوں طریقوں سے اپنے اثر کا استعمال کیا ہے وہ زمانہ حاضرہ کی تحریکات اور مسائلِ نسواں کی ایک مستقل تاریخ ہے۔

ہندوستان میں آغاز تعلیم نسواں اور تحریکِ ترقی نسواں کو تقریباً ایک صدی کا زمانہ گذرتا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ ہندو، پارسی اور عیسائی قوموں کی عورتوں نے اس سے کم و بیش فائدہ اٹھایا بہت سی اصلاحات کے لئے ان قوموں میں انجمنیں جاری ہوئیں اور ان انجمنوں نے سرگرم کوششیں کیں اور وہ کہیں کم اور کہیں زیادہ کامیاب ہوئیں مگر مسلمان عورتوں کے تعصبات کو خواہ خود ان میں ہوں یا مردوں میں تین چار نسلیں گذر گئیں اور اس طرح نہ تو ان میں قدیم طریقہ سے تعلیم باقی رہی اور نہ جدید طریقوں سے اس کا اجرا ہوا اس لئے علیا حضرت کی توجہ کو بھوپال سے باہر سب سے پہلے اسی طبقہ کی اصلاح کی طرف فطرتاً مبذول ہونا چاہیئے تھا۔

علی گڈھ میں تحریک نسواں کی امداد

چنانچہ مہمات امور ریاست سے قدرے اطمینان ہوتے ہی سرکار عالیہ نے اس حالت پر نظرِ غائر ڈالی اور قومی مرکز کو تقویت پہنچائی جہاں تعلیم و تحریک نسواں کے بڑے بڑے خلکے ماہرین تعلیم کے دل و دماغ تیار کر رہے تھے یعنی محمڈن گرلس اسکول علی گڈھ جو بے یار و مددگار تھا اس کو گرانقدر عطیہ سے مستحکم فرمایا اور چونکہ سرکاری نصاب مسلمان عورتوں کے لئے مفید و حسب حال نہ تھا قوم میں ایک مخصوص نصاب کی طلب و خواہش تھی لیکن سرمایہ نہ تھا سرکار عالیہ بھی اس ضرورت کو محسوس فرما رہی تھیں مطلوبہ سرمایہ مرحمت فرمادیا اور پھر بہ نفس نفیس مسئلہ نصاب پر توجہ فرما کر قوم کے سامنے خود ایک خاکہ مرتب کر کے پیش کیا۔

سرکارِ عالیہ کی اس امداد نے حامیانِ تعلیم نسواں کے حوصلوں اور ارادوں میں ایسی تقویت پیدا کر دی کہ اس کو تائیدِ غیبی کا نشان سمجھا گیا جس کو مولانا حالیؔ نے اپنی مشہور نظم "چپ کی داد" میں یوں ادا کیا ہے ؎

جو حق کے جانب دار ہیں بس ان کے بیڑے پار ہیں

بھوپال کی جانب سے یہ ہاتف کی آواز آئی ہے

ہے جو مہم در پیش، دستِ غیب ہے اس میں نہاں

تائیدِ حق کا ہے، نشاں امدادِ سلطانِ جہاں،

صدارت شعبۂ تعلیمِ نسواں سلافاعہ میں دربار شاہنشاہی کے موقع پر آل انڈیا کانفرنس کے شعبۂ تعلیم نسواں کی صدارت فرمائی اور اپنے مرتبہ خاکۂ نصاب کو بھی پیش کیا۔

۵ ردسمبر ۱۹۱۱ء کی رات مسلمانوں کی شب برات اور شب قدر سے کم نہ تھی۔ وہ لوگ جو ایک ربع صدی سے اپنی ناچیز کوششیں اور قوتیں قوم کی بہتری کے لئے استعمال میں لا رہے تھے اور جن کو ہر وقت یہ فکر دامنگیر تھی کہ امتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہندوستان میں عزت اور عظمت کے ساتھ قائم رہے ایسے افسردہ اور غریب لوگوں کی مجلس میں حضور سرکار عالیہ کا تشریف لانا اور دستگیری و امداد کے لئے ہاتھ بڑھانا اور بھرے مجمع میں عالی خیالات، اور حکیمانہ ارشادات کا ظاہر کرنا جو قومی مرض کے لئے نسخۂ شفا اور اکسیر کی خاصیت رکھتا ہو ایک ایسا نادر واقعہ اور ایسا دل کش منظر تھا جو دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتا تھا اور قومی کام کرنے والوں کے دل محسوس کر رہے تھے کہ ہمارے ارادے پست اور ہماری قوت کمزور نہیں ہے بلکہ ہمارے ساتھ ایسی قوت موجود ہے جو ہر مشکل میں ہماری مدد کرنے والی اور ہماری امیدوں کی حوصلہ افزا ہے اور کانفرنس کی مجلس شکستہ دلوں کی مجلس نہیں ہے بلکہ یہ مجلس ان لوگوں کی مجلس ہے جن کے ارادے بلند اور ہمتیں وسیع ہیں اور جن کی نظر کے سامنے امیدوں اور کامیابیوں کا وسیع میدان موجود ہے اور جن کی خدمتِ قومی سے ملک اور قوم کو فخر ہے۔

سرکار عالیہ دام اقبالہا کی تشریف آوری کا وقت ۸ بجے شب کو پروگرام کے ذریعہ سے

مشتہر ہو چکا تھا۔ اور سرِ شام ہی سے کیمپ کانفرنس میں عجیب چہل پہل اور رونق شروع ہو گئی تھی۔ پنڈال کے وسیع اور فراخ اسٹیج پر خواتین اسلام کی نشست کے لئے پورے پردہ کی حفاظت کے ساتھ نہایت خوشنما اور معقول انتظام کیا گیا اور مغرب کے وقت سے ہی ڈولیوں گاڑیوں اور موٹروں کی آمد کا تانتا بندھ گیا تھا کانفرنس کیمپ کی ترتیب، پنڈال کی آرائش، روشنی کی پرلطف کیفیت اور حاضرین کی کثرت اور ہجوم سے پنڈال میں شاہانہ دربار کی کیفیت نظر آتی تھی۔ جس قدر اصحاب جمع تھے بقول معزز اخبار البشیر "عوام الناس نہ تھے بلکہ معزز اصحاب تھے اور علاوہ معززین کے نامور اور مقتدر اصحاب کی کافی تعداد موجود تھی"۔ اور بقول البشیر "یہ اجلاس اس مرتبہ کی کانفرنس کی گویا جان تھا"۔

الغرض آٹھ بجتے بجتے تمام ہال حاضرین اور اسٹیج کا زنانہ حصہ خواتینِ اسلام سے جن کی تعداد دو سو کے قریب تھی بھر گیا۔

سرکار عالیہ وقت مقررہ پر بغیر کسی قسم کی نمائش کے نہایت سادہ طریقے سے بہ سواری موٹر تشریف فرمائے کیمپ کانفرنس ہوئیں۔

اس موقع پر سرکار عالیہ نے جس طریقہ سے اپنی صنفی تعلیم کے مسائل پر بحث فرمائی اور جس طرح قومی مجمع سے اپنے ایڈریس میں اپیل کی اُس کی مثال کسی فرمانروا اور والیٔ ملک کی زندگی میں نہیں مل سکتی۔ ہر ہائی نس اس وقت اپنے درجۂ اقتدار شاہانہ کو فراموش کر گئی تھیں اور ایک سادہ مسلمان خاتون کی طرح اس عظیم الشان اجتماع قومی میں اپنی صنف کی وکالت فرما رہی تھیں۔ اور قوم کو ان خطروں سے تنبیہہ اور اُن فوائد سے آگاہ کر رہی تھیں جو عورتوں کی جہالت و تعلیم کا نتیجۂ لازمی ہیں۔

(رپورٹ کانفرنس ۱۹۱۱ء)

مسلم زنانہ کانفرنس کا افتتاح

۱۹۱۵ء میں سرکار عالیہ نے علیگڈھ تشریف لے جا کر زنانہ اسکول کا افتتاح فرمایا اور ایک بورڈنگ ہاؤس کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اس موقع پر اپنے خطبۂ جوابی میں پھر قوم کو غیرت و ہمت دلائی اور عام مسائل نسواں پر بحث فرما کر اپنے خیالات عالی سے رہبری کی۔

اس خطبہ میں مشکلات تعلیم اناث کا تذکرہ اُن پر بحث اور اُن کا حل تعلیم یافتہ طبقہ سے توقعات کی وابستگی لڑکیوں کی تعلیم سے بے توجہی اور ضرورت کے عدم احساس پر افسوس، تعلیمی وسائل کی کمی

اور اُن کی تکمیل کی ضرورت مسائل نصاب پر بحث، سررشتۂ تعلیم کے مروجہ نصابوں میں سے انتخاب اور تراجم کے ذریعہ سے جلد از جلد اُس کی تکمیل پر زور، انگریزی کی تعلیم اور اس کے داخل نصاب ہونے کی بحث اور اعلیٰ مدارجِ تعلیم میں اس کے داخل کئے جانے کی تحریک، طریقۂ تعلیم، استانیوں اور قومی مدرسوں کی ضرورتیں، پردہ کے انتظام کی تاکید، یوربین اور نیٹو کرسچین لیڈیز سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب، قوم کو علمی قوم بننے کی ہدایت، مدرسہ کی حالت پر ریمارک، ۱۱-۱۲ برس کی لڑکیوں کو مدرسہ سے اُٹھائے جانے پر افسوس، لیڈی پورٹر[۵۱] کا شکریہ غرض تمام مسائل حاضرہ زیر بحث لائے گئے تھے اور اُن پر اپنی رائے ظاہر فرمائی تھی۔

اسی زمانہ میں مسلم لیڈیز کانفرنس کا ابتدائی اجلاس بھی اسکول کی عمارت میں ہوا۔ سرکار عالیہ صدرِ جلسہ منتخب ہوئیں اور گویا یکم مارچ ۱۹۱۴ء کو مسلمان عورتوں کے ایک خاص اور خالص اجتماعِ صنفی کی بنیاد سرکار عالیہ کے دستِ مبارک سے قائم کی گئی۔

سرکار عالیہ نے اس موقع پر افتتاحی تقریر ارشاد فرمائی اور اس میں جن جذباتِ ہمدردی کا اظہار کیا اور جس طرح خواتین اسلام کو غیرت دلائی اور ان کو اجتماعی و انفرادی طور پر قومی و صنفی کام کرنے کی نصیحتیں کیں وہ بار بار خواتین اسلام کے مطالعہ کے قابل ہیں۔

یہ اجلاس اگرچہ ایک ہی دن ہوا لیکن تقریباً تمام دن اسی میں صرف ہوا اور ۱۰ بجے صبح سے ۵ بجے شام تک خواتین اسلام اپنے صنفی مسائل کی بحث میں مشغول رہیں جب اجلاس ختم ہولیا ہے تو سرکار عالیہ نے ارشاد فرمایا کہ:-

"خواتین! آج کے دن اِس زمانہ کے مسلمانوں کی تاریخ میں ایک نئے دَور کا آغاز ہوا ہے اور جب کبھی آئندہ زمانہ میں اس دَور کی تاریخ لکھی جائے گی تو اس میں ہمارے اس جلسہ کا انعقاد ایک روشن باب ہوگا۔ چار سال قبل جب کہ میں یہاں آئی تھی اور اس روارہ ی کے قیام میں جن جن خواتین سے مجھ کو موقع ملاقات ملا تھا اور اس وقت جب کہ میں نے ان کو دیکھا تو مجھ کو ان کے خیالات میں بیّن فرق معلوم ہوا۔ ہر ایک کا تعلیم

---

[۵۱] آنریبل مسٹر پورٹر قائم مقام لفٹنٹ گورنر کی لیڈی صاحبہ جنھوں نے اس مدرسہ کے لئے نہایت دلچسپی و ہمدردی کا ثبوت دیا تھا۔

کی طرف رجحان ہے ہر ایک اپنی اور اپنی اولاد کی تعلیم پر دلدادہ ہے یہی آثار ہیں جو ہماری قوم کے اقبال کو نمایاں کر رہے ہیں۔

اے خواتین! میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ تمہاری تعلیم و تربیت تمام مسلمانوں کی بہبودی کا باعث ہوگی۔

میں نہیں بیان کر سکتی کہ مجھے آج کے دلچسپ مباحثوں اور سرگرمی سے کس قدر مسرت ہوئی ہے میری دعا ہے کہ تمام مسلمان عورتیں تعلیم کی حقیقی مسرت حاصل کریں، ان کی تعلیم ان کی خوشیوں کا ذریعہ بنے اور یہ کانفرنس بہت سی برکتوں کا باعث ہو مجھے یقین ہے کہ آج جو خواتین اس کانفرنس کی رکن اور عہدہ دار منتخب ہوئی ہیں وہ اور بھی زیادہ استقلال سے کام کریں گی۔

خواتین! اب میں آپ سب کی اس تکلیف سفر برداشت کرنے پر شکریہ ادا کر کے اس دعا کے ساتھ تقریر ختم کرتی ہوں کہ خداوند کریم اس ضعیف طبقہ کی کوششوں میں مدد دے تاکہ وہ اتحاد و اتفاق کے ساتھ اپنی صنف کی خدمتیں بجالائے اور اس کا دل علم کی روشنی سے منوّر ہو۔"

تیاری نصاب تعلیم نسواں کی مساعی

آج کل ہندوستان میں جس قدر زنانہ تعلیم کے نصاب جاری ہیں اُن کے نقائص اس قدر زباں زد ہیں کہ کسی بیان کی حاجت نہیں اور اس تعلیم سے عورتیں ان خوبیوں سے محروم رہ جاتی ہیں جن کا ذاتِ نسواں میں موجود ہونا از حد ضروری ہے۔

سرکار عالیہ نے اس مسئلہ پر ابتدا ہی سے غور فرمایا۔ اور تقریباً اپنی تمام تقریروں میں اس کا اظہار کیا۔ مسلمان لڑکیوں کے لئے ایک جداگانہ نصاب بنانے کے واسطے علی گڈھ میں نہ صرف مالی امداد عطا کی بلکہ جب اس نصاب کی چند کتابیں ملاحظۂ اقدس میں پیش کی گئیں تو ان پر نہایت گہری تنقید فرمائی۔ پھر ایک کمیٹی نے جو ۱۹۱۵ء میں بمقام اٹاوہ منعقد ہوئی تھی اور جس میں مسلمانوں کے علاوہ وہ یوروپین لیڈیز بھی شریک تھیں جن کو تعلیم نسواں کا تجربہ حاصل ہے اور سررشتہ تعلیم میں عہدہ دار ہیں ایک کریکولم تیار کیا اس پر بھی حضور ممدوحہ نے اپنی رائے ظاہر فرمائی۔

۱۹۱۸ء میں گذشتہ تجربوں اور انگلستان وہندوستان کے نصابوں پر غور کرنے کے بعد ایک جدید نصاب عام مدارس نسواں کے لئے بذات خاص تیار کیا جو ہندوستان کے تمام ڈائرکٹران سررشتۂ تعلیم اور دیگر اہل الرائے کے پاس بغرض تنقید بھیجا گیا۔ اس نصاب میں جس مضمون پر زیادہ زور دیا گیا وہ اخلاقی مضمون تھا اور یہ مضامین اس طریقہ سے ترتیب دیئے گئے کہ ابتدا سے لیکر اخیر جماعتوں کی طالبات کی فہم وفراست کے مطابق ہوں۔ ان میں اخلاقی جوش پیدا ہو۔ اور سبق کا اثر ان کے جذبات، ان کے عادات اور قوتِ ارادہ پر بھی پڑے۔

مسلمان لڑکیوں کی خانگی تعلیم کے لئے کتابیں

اس نصاب کے علاوہ سرکار عالیہ نے اس ضرورت کو بھی محسوس کیا کہ ابھی تک بعض مسلمان خاندان مدارس کی موجودہ تعلیم کو پسند نہیں کرتے اور نہ اُن میں لڑکیوں کو بھیجنا گوارا کرتے ہیں، تعلیم چاہتے ہیں لیکن گھر کے اندر، اس لئے ایک ایسے نصاب کی بنیاد ڈالی جو لڑکیوں کے لئے خانگی تعلیم میں مفید ہو۔

حضور ممدوحہ نے اس کریکولم کو جو اٹاوہ میں تیار ہوا تھا پیش نظر رکھ کر ضروری کتابوں کی تصنیف وتالیف کا انتظام کیا اور کثرت سے مسلمان طلباء وطالبات کے افادہ کے لئے تقسیم فرمائی گئیں۔

اس سلسلہ کی پہلی کتاب ہرہائی نس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ نے ذکرِ مُبارک کے نام سے تیار کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا بیان ہے۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ متعدد مدارس اسلامی میں لڑکوں کے لئے بھی منظور کی گئی۔

اس کے بعد پھر ۱۹۲۶ء میں جیب خاص سے دس ہزار روپیہ عطا کئے کہ اس سے عورتوں کے مناسب حال تعلیمی کتابیں تیار کی جائیں لیکن یہ ایک ایسی مہم ہے کہ جب تک من اولہ الی آخرہ تعلیم قوم کے ہاتھوں میں نہ ہو اور اس کے تمام مدارج کا تعین قوم کے ماہرین تعلیم نہ کریں اس مہم کا سَر ہونا ممکن نہیں اس سبب سے اس قسم کی کوششیں ناکام رہیں۔

تلافی فقدان نصاب

اگر یہ ناکامی سرکار عالیہ کے حوصلہ اور ہمت پر کوئی اثر نہ ڈال سکی اور اُس کی تلافی کے لئے کہ جس سے زنانہ تعلیم کا مقصدِ اصلی حاصل ہوتا تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع فرما دیا تاکہ عورتوں کو مطالعہ کے لئے وہ لٹریچر مہیا ہو جائے جو

ان کی تعلیم کا مقصود اصلی ہے۔

اس موضوع اور ان اصول پر سب سے پہلی کتاب تندرستی ہے جو ۱۹۱۳ء میں شایع ہوئی اس کے بعد آخر وقت تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ سرکار عالیہ نے ان کتابوں کے دیباچوں میں اپنی قوم اور ملک کے مصنفین و مؤلفین کو بھی قومی ضرورت جتا کر اور غیرت دلا کر ایسی تصانیف و تالیفات کے لئے دعوتِ عمل دی ہے۔

چنانچہ اپنی پہلی کتاب تندرستی کے دیباچہ میں تحریر فرماتی ہیں کہ:۔

"ہندوستان میں تعلیم کی اشاعت ہوئے ایک صدی گذر گئی اور ایک حد تک کامیابی بھی ہو رہی ہے لیکن عورتوں کی تعلیم میں وہ دلچسپی و کوشش نہیں جس کی ضرورت ہے خصوصاً مسلمانوں میں تو تعلیم نسواں کے ابتدائی مرحلے بھی ہنوز طے نہیں ہوئے اور ہماری قوم ابھی تک معیار و نصاب ہی کے مباحث عالیہ میں مصروف ہے اور اس وقت تک مسلمان عورتوں کی تعلیم کا آخری درجہ صرف اردو کی معمولی کتابیں پڑھ لینا اور خط لکھ لینا ہے۔

یہ بھی کچھ کم نہ ہوتا اگر قوم کے ذی علم اہلِ قلم ان کے لئے اس قدر تکلیف گوارا کرتے کہ اُن کے فرائض کے متعلق کچھ کتابیں تصنیف و تالیف کر دیتے جن سے وہ اپنی معلومات میں ترقی کرتیں اور ان کو ضروریاتِ زندگی میں مدد ملتی۔

وہ قوم کیونکر زندہ قوم کہلانے کی مستحق ہے جس کی نصف تعداد جاہل ہو اور اس قوم کے ذی علم اور قابل افراد کیونکر فخر کر سکتے ہیں جبکہ وہ اپنے علم اور اپنی قابلیت سے فائدہ نہ پہنچائیں؟ ہماری قوم کے مصنفین کی اس بے توجہی کا کیا ٹھکانا ہے کہ کچھ سال میں باوجود سرمایہ ہونے کے وہ ابتدائی نصاب بھی تیار نہ کر سکے ....

میں نے نہایت غور اور تجربہ کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ مسلمان عورتوں کے لئے مذہبی تعلیم کے بعد سب سے زیادہ ضروری تعلیم حفظان صحت، خانہ داری، نرسری اور مڈوائفری کی تعلیم ہے اور اسی تعلیم پر ہماری قوم کی جسمانی تربیت اور جملہ ترقیوں کا دار و مدار ہے اور تعلیم بھی اپنی مادری زبان میں ہونا ضروری ہے کیونکہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی حاصل

نہیں کرسکتی جب تک اس کی مادری زبان میں علمی ذخیرہ نہ ہو اور یہ وہ کلیہ ہے جس کو ہم مغرب اور مشرق دونوں جگہ مشاہدہ کر رہے ہیں غرض یہ مضامین ایسے ضروری اور اہم ہیں کہ عورت کو کسی نہ کسی وقت مراحل زندگی میں ان کی واقفیت کی ضرورت پیش آتی ہے اس لئے ہر تعلیم یافتہ خاندان کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے خاندان کی لڑکیوں کو ان مضامین کی تعلیم دلائے اسی خیال سے میں نے اہم معاملاتِ ملکی اور مشاغل ضروری سے وقت بچاکر انگریزی کی چند بہترین کتابوں سے ان مضامین کو منتخب کرکے اور تجربات اور معلومات کو بڑھا کر چند رسالے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے جن میں سے پہلا رسالہ جو حفظانِ صحت امراض متعدی سے حفاظت اور تیمارداری کے مضامین پر مشتمل ہے بحدِ امکان مکمل ہوگیا ہے اور باقی زیرِ ترتیب ہیں۔

چونکہ میں اپنے ملک اور اپنی قوم میں تعلیم نسواں کی بدل وجان حامی ہوں اور میری عین تمنا اور آرزو یہ ہے کہ میں عورتوں کو اس تعلیم سے بہرہ ور دیکھوں جو اُن کے لئے سخت ضروری ہے اس لئے میں اس رسالے کو طبع کراکر شایع کرتی ہوں۔

میں خود سمجھتی ہوں کہ یہ رسالہ مکمل حیثیت میں نہیں ہے اور ابھی بہت کچھ اس میں اصلاح کی ضرورت ہے مگر یہ کمی ایسے ہی شخص کی محنت اور ہمت سے پوری ہوسکتی ہے جو ان مضامین میں ماہر ہو اور اس کے دل میں ہمدردی ہو۔

ممکن ہے کہ اس رسالہ کے معائنہ کے بعد کچھ عبرت حاصل ہو اور چند ذی علم اور لائق اصحاب اس قسم کی کتابیں تیار کرنے کی طرف متوجہ ہو جائیں اور ایک مکمل سلسلۂ نصاب تیار کر دیں۔

میں اسی سلسلۂ بیان میں صاف طور پر اعلان کرتی ہوں کہ دربار بھوپال ہمیشہ ایسی مفید تصنیفات وتالیفات کی امداد کے لئے آمادہ ہے۔

پھر خانہ داری حصہ اول کے دیباچہ میں یوں دعوت دی جاتی ہے:۔

"میں جب انگریزی میں اس قسم کی کتابوں کو دیکھتی ہوں تو اُس وقت میری یہ حسرت بہت بڑھ جاتی ہے ان ہی کتابوں کے سلسلہ میں میری نظر سے ایک کتاب گذری جس کا

نام "بک آف دی ہوم" ہے جو ۶ جلدوں میں شایع کی گئی ہے اور قریباً دو ہزار صفحے ہیں
اس کتاب میں کسی بات کو جو خانہ داری کے متعلق ہو خواہ وہ کیسی ہی جزئیات میں کیوں داخل
ہو نہیں چھوڑا گیا میں نے اس کا ترجمہ کرایا اور پھر ترجمہ کو بالاستیعاب دیکھا، جوں جوں میں
ترجمہ دیکھتی تھی میرا شوق بڑھتا جاتا تھا اور بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ایسی ہی کتاب اُردو
میں بھی ہو جس سے اُردو داں خواتین فائدہ حاصل کر سکیں لیکن اس کام کو میں نے اپنی طاقت
سے باہر پایا کیونکہ مجھے اپنے فرائض حکومت سے جو احکم الحاکمین کی طرف سے میرے
ذمہ عائد کئے گئے ہیں اتنی فرصت ملنی دشوار کہ میں اپنی توجہ ایسی تصنیف و تالیف کی
طرف مبذول کر کے نئے نئے اصول قائم کروں مگر چونکہ میں نے اس امر کو بھی اپنا قومی
اور ملکی فرض سمجھا ہے کہ جب تک مجھے ذرا بھی فرصت ملے کچھ نہ کچھ ملک و قوم کے لئے
اور خصوصاً خواتین کے لئے وقت صرف کروں۔ اس بنا پر میں نے "بک آف دی ہوم"
اور مثل اس کے دوسری کتابوں کو پیش نظر رکھکر اس کام کو شروع کر دیا ہے مجھے امید
ہے کہ اس سے خواتین فائدہ حاصل کریں گی اور قابل و عالم اصحاب کے لئے یہ کتاب
ایک نمونہ ہوگی کہ وہ اس قسم کی تصنیفات و تالیفات میں مصروف ہوں اور اس سے
بہتر و مکمل چیز ملک و قوم کے سامنے پیش کریں۔"

اسی کے ساتھ سرکار عالیہ نے اشاعت کتب کی مالی امداد یا مطبوعہ کتابوں کے کثیر نسخے
خرید فرما کر یا نقد انعام عطا کر کے مصنفین و مؤلفین کی حوصلہ افزائی کی اور خصوصاً مُصنّف خواتین
اس فیاضی سے زیادہ اور ہمیشہ متمتع ہوئیں۔

سرکار عالیہ کی یہ کوشش مشکور ہوئی اور آج ۱۹۱۳ء کے مقابلہ میں ہم اس موضوع پر
کثیر لٹریچر پاتے ہیں جو اس سے پہلے بہت ہی کم نظر آتا تھا۔

سرکار عالیہ نے اس سلسلہ کے ساتھ بچوں کے لئے بھی اخلاقی اسباق کا ایک سلسلۂ
کتب شائع فرمایا اس سلسلہ میں باغِ عجیب اور اخلاق کی چار ریڈریں نہایت دل چسپ ہیں
اور جس ضرورت سے کہ یہ کتابیں تیار ہوئی ہیں اس کو اخلاق کی پہلی کتاب کے دیباچہ میں سرکار عالیہ
نے یوں ظاہر فرمایا ہے کہ:۔

"اگرچہ اخلاقی سبقوں کا یہ سلسلہ میں نے اپنے خاندان کے بچوں کے لئے شائع کیا ہے لیکن میرا یہ مُدعا ہے کہ اور بچوں کو بھی اس سے فائدہ پہنچے۔

اُردو میں اس موضوع پر بہت کم کتابیں ہیں جو نصاب کے طور پر کام آئیں حالانکہ ضرورت ہے کہ بہ کثرت ایسے سلسلہ ہوں جو مسلمانوں کے مدرسوں کی ابتدائی جماعتوں میں پڑھائے جائیں اور جہاں ایسے مدرسے نہ ہوں وہاں گھروں پر التزام رکھا جائے۔

مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ عام طور پر ایسے اخلاقی اسباق تعلیم کا جزوِ اعظم ہونے چاہئیں۔

میں نے اس کتاب میں سبقوں کو خالص مذہبی نقطۂ نظر سے لکھا ہے کیوں کہ انسان کے دل پر وہ بات جلد اثر کرتی ہے جو مذہب کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہو اسی لئے میں نے جا بجا آیات واحادیث سے کتاب کو زینت دی ہے اور مغال کے لئے مسلمانوں کے صحیح اور تاریخی واقعات لکھے ہیں۔

میری رائے میں ابتداء سے بچوں کو چھوٹی چھوٹی آیتیں اور حدیثیں بر زبان ہونی چاہئیں تاکہ وہ موقع بہ موقع ان کو استعمال کریں جس سے تقریر تحریر میں زور پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے ان کو اپنی مقدس کتابیں زیادہ دیکھنے اور یاد کرنے کا شوق پیدا ہوگا۔

اسی طرح اسلامی روایات وحکایات سے دل میں جوش اور اتباع کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔

بہرحال میں نے ان مقاصد کو ملحوظ رکھ کر یہ خاکہ تیار کیا ہے اور مجھے اس سے زیادہ کوئی خوشی نہ ہوگی کہ اپنی قوم کے قابل ترین اشخاص کے قلم سے قوم کے بچوں کے لئے ایسی کتابیں دیکھوں

امید ہے کہ میرا یہ ناچیز تحفہ میری قوم کے بچوں کے لئے کارآمد ہوگا اور انکے والدین اسکو دیکھ کر مجھے دُعائے خیر سے یاد کرتے رہیں۔ میں خدا سے دعا کرتی ہوں کہ میرے خاندان اور قوم کے بچوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق ہو۔"

آخری زمانہ میں سرکارعالیہ کی توجہ ڈومیسٹک سائنس (اصول خانہ داری) پر زیادہ مبذول تھی وہ انگلستان سے ایک بہت بڑا ذخیرۂ کتب ساتھ لائی تھیں اُن میں سے بعض کتابیں منتخب کرکے ان کا بہ صرفِ کثیر ترجمہ کرایا اور چونکہ دست برداری حکومت کے بعد وقت میں ایک حد تک گنجائش ہوگئی تھی۔ اس لئے بعض کا خود بھی ترجمہ کرتی رہیں۔ ترجمہ کی یہ محنت و زحمت جو سرکارعالیہ نے بہ نفسِ نفیس برداشت کی اس کی وجہ یہ تھی کہ ترجمہ کرتے وقت جو خیالات کہ ہندوستانی معاشرت و ضروریات کے متعلق پیدا ہوں ساتھ ہی ساتھ ان کو بھی قلم بند فرمائیں۔

سرکارعالیہ نے مسلمان عورتوں میں کمی تعلیم اور ان کے خیالات میں جمود کا ایک سبب یہ بھی محسوس کیا کہ اخبارات و رسائل کی صورت میں کوئی محرک چیز نہیں ہے اس بنا پر انھوں نے لاہور کے قدیم اور مشہور اخبار "تہذیب نسواں" کی سرپرستی کی اور اس کی ۱۴۴ سو روپیہ سالانہ امداد مقرر فرمائی ساتھ ہی دارالریاست سے ایک رسالہ "ظل السلطان"[ك۷] شاہانہ سرپرستی میں شایع کرایا۔

اُس وقت اُردو میں دو تین زنانہ رسالہ تھے جو کبھی وقت پر شایع نہ ہوتے تھے اِس طرح بالواسطہ زنانہ لٹریچر کی اشاعت بھی سرکارعالیہ کی رہین منت ہے۔

ایک پیغام

سرکارعالیہ نے اگرچہ زنانہ تعلیم کے متعلق امداد و کوشش میں بجدِ امکان پورا حصّہ لیا۔ امدادیں مقرر کیں عطیات دیئے۔ قومی کارکنوں کو پرائیوٹ ملاقاتوں میں غیرت اور پبلک اسپیچوں میں توجہ دلائی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک کوئی تنظیم نہیں ہوئی اور جن مسلمانوں کو خدا نے تنظیم تعلیم نسواں کی قابلیت عطا کی ہے اور انھوں نے اس ذمہ واری کو بھی قبول کیا ہے انھوں نے افسوس ایک بڑا نادر موقع ہاتھ سے کھو دیا۔

آخر زمانہ میں سرکارعالیہ اس غفلت و جمود سے سخت متاثر تھیں۔ ۱۹۲۶ء میں انھوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ دہلی کے ممبروں کو ایک پیغام کے ذریعہ سے مسلمان عورتوں میں ابتدائی تعلیم کی اشاعت و توسیع پر خاص توجہ دلائی اور اس مجرمانہ غفلت سے چونکانا چاہا اور جدید و قدیم تعلیم کے حامیوں میں اس ضروری فرض کی طرف سے جو بے پروائی برتی گئی تھی اس سے

ك۷ یہ رسالہ مؤلف سوانح کی ادارت میں شایع ہوتا تھا۔

انھیں ہشیار کیا اس پیغام میں صاف طور پر اُنکے جذبۂ مذہب سے یوں اپیل کی کہ :-

"یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آزادی کے اس پر شور زمانہ میں مذہب کی محافظت کے فرائض صرف وہی انجام دے سکتے ہیں جو مذہب سے واقف ہوں۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اس لئے علم و شائستگی اور مذہب کی خاطر عورتوں کی ابتدائی تعلیم کا مسئلہ اور اس کا نصاب و نظام جلد طے ہو جانا چاہیئے تاکہ مردوں کی حالت بھی درست ہو سکے اور اسلام اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ قوم اسلام میں قائم رہے۔"

ایک زنانہ کالج کی تحریک

۱۹۱۲ء میں سرکار عالیہ نے ملک کے سامنے ایک تجویز پیش کی کہ ہر امپیریل مجسٹی کوئن میری کی تشریف آوری کی یادگار میں دارالسلطنت میں تمام اقوام ہند کا ایک زنانہ کالج بنایا جائے اور اس تجویز کو تنقید اور اہل ملک کی رائے معلوم کرنے کے لئے بہ کثرت شایع کیا والیانِ ملک اور مہارانیوں اور بیگمات کے پاس پرائیویٹ خطوط کے ساتھ بھیجا ملک کے تمام اخبارات اور تمام اقوام نے برمحل اور ضروری تصور کیا۔ اور ہر طرف سے اس کی تائید کی گئی۔ کچھ اعتراضات بھی ہوئے اور اُن کے جوابات بھی شایع کئے گئے۔

اکثر والیانِ ملک، مہارانیوں اور بیگمات نے بہت پسند کیا۔ ہز اگزالٹیڈ نظام الملک آصفجاہ سابع اور ہز ہائینس مہاراجہ کشمیر و گوالیار، راجگڈھ، نرسنگڈھ، دھار کی مہارانی صاحبات اور بیگم صاحبہ جنجیرہ نے اور خود سرکار عالیہ اور خاندان کی بیگماتِ محترم نے گراں قدر چندے اس متحدہ مقصد کے لئے عطا کئے لیکن کچھ تو جنگِ عظیم کی وجہ سے اور کچھ اس لئے کہ دہلی میں زنانہ میڈیکل کالج ضروری سمجھا گیا اس اسکیم پر عمل نہ ہو سکا اور چندے واپس کئے گئے۔

آل انڈیا لیڈیز ایسوسی ایشن

اس میں شک نہیں کہ بیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان کی عورتوں میں اپنی تعلیم کی جانب خود توجہ شروع ہو گئی حتیٰ کہ ہز اکسلنسی[۱] وئیسرائے و گورنر جنرل کشورِ ہند کو اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ عورتوں کے تعلیمی معاملات میں عورتوں کی امداد حاصل کی جائے سرکار عالیہ نے بھی اس ضرورت کو محسوس فرمایا کہ

---

[۱] تقریر جنوری ۱۹۱۷ء کانفرنس ڈائرکٹران سررشتۂ تعلیم ۱۲

نہ صرف تعلیم میں بلکہ ان مسائل نسواں میں بھی جن میں اختلاف مذہبی نہ ہو ہندوستان کی جملہ اقوام کی عورتیں متفقاً کوشش کریں۔ چنانچہ سرکار عالیہ نے ایک ایسی انجمن کے قیام کی تجویز کی جس میں کل اقوام ہند کی عورتیں شریک ہو کر اپنی ترقی و تعلیم و حفظِ صحت کے ذرائع اور دیگر مسائل پر تبادلہ خیالات اور غور و بحث کریں۔

اس تجویز کو ہر ہائی نس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ نے سرکار عالیہ کے معاون کی حیثیت سے عام طور پر شایع کیا اور خاص طور پر مہارانی صاحبات، بیگمات اور ملک کی تمام تعلیم یافتہ خواتین کے پاس بہ طلب رائے و حصول ہمدردی ارسال کیا۔

اس تجویز کے شایع ہوتے ہی اکثر مہارانیوں بیگموں اور جلیل القدر تعلیم یافتہ خواتین نے اتفاق ظاہر کیا بعض کو مختلف وجوہ سے اس کے کامیاب ہونے میں شک پیدا ہوا کہیں کہیں اس کو یورپین تقلید کے نام سے موسوم کر کے قطعی اختلاف کیا گیا لیکن یہ تجویز روز بروز عملی شکل اختیار کرتی رہی۔

ہر اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ نے اس کا پیٹرن ہونا منظور کیا۔ ہر اکسلنسی لیڈی ولنگڈن (بمبئی) ہر اکسلنسی لیڈی پینٹلینڈ (مدراس) ہر اکسلنسی لیڈی رونلڈشے (کلکتہ) لیڈی اوڈوائر (پنجاب) نے اس کو بہت پسند کیا۔

آخر مارچ ۱۹۱۸ء میں اس کا ایک ابتدائی جلسہ بمقام بھوپال ایوان صدر منزل میں آل انڈیا لیڈیز ایسوسی ایشن کے نام سے منعقد ہوا جس میں ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی اقوام کی خواتین اور یورپین لیڈیز شریک تھیں۔ ۲۶ مارچ سے ۲۹ مارچ تک برابر اجلاس ہوئے اور مختلف مسائل اور رزولیوشنوں پر بحثیں ہوئیں۔

سرکار عالیہ نے اس ایسوسی ایشن کے اجلاسِ اوّلیں کا اپنی صدارت سے افتتاح فرمایا اور ایک نہایت زوردار اور پُر از معلومات خطبہ صدارت ارشاد کیا یہ ایڈریس بجائے خود مسائلِ نسواں میں ایک وسیع مرتبہ رکھتا ہے اور زنانہ لٹریچر کا طرۂ امتیاز ہے۔

اس تقریر میں مشترکہ انجمن کی ضرورت و فوائد کو بیان کر کے زنانہ ملکی انجمنوں کے کاموں کا اعتراف کیا گیا تھا پھر ہمدردانِ وطن اور حکومت کے مابین تقسیم عمل کے اصول پر اپنے فرائض کو سرگرمی کے ساتھ ادا کرنے کی ترغیب دلاتے ہوئے انگلستان اور دیگر ممالک کی خواتین کے کارناموں

کو بطورِ مثال کے پیش کیا اس کے بعد اس درجہ کا جو خواتین کو تہذیب و تمدن میں حاصل ہے احساس تازہ کرکے قدیم و جدید زمانہ کی مسلمان۔ ہندو اور پارسی اقوام کے عملی شوق اور کارناموں کا تذکرہ تھا اس کے بعد زنانہ سوسائیٹیوں اور مدرسوں وغیرہ کی طرف اشارہ تھا اور ان کو ہندوستان کی آبادی کے لحاظ سے ناکافی ظاہر کرکے باقاعدہ اور مسلسل کوشش کی تحریک تھی اسی سلسلہ میں حکومت سے فیاضانہ امداد کی توقع کے ساتھ ہز اکسلنسی لارڈ چیمسفورڈ کی اس تقریر کو جو انھوں نے ۱۹۱۷ء میں عورتوں کے ڈیپوٹیشن کے جواب میں کی تھی "نسوانِ ہند کے آئندہ مستقبل کے لئے فالِ نیک اور ان کی سرگرم کوششوں کے لئے خاص قوت و اثر قرار دیا تھا۔ اس کے بعد تعلیم اور طبی امداد کی کمی کو دکھا کر تلافیٔ مافات کی طرف توجہ دلائی تھی اور اپنی کوششوں میں انگلش لیڈیز سے اعانت و ہمدردی حاصل کرنے کو ضروری قرار دیتے ہوئے اعلیٰ حکام کی لیڈیز کے اُن کاموں کی جو نسوانِ ہند کے لئے وہ کرتی رہتی ہیں شکرگذاری تھی اور اس پیغامِ شاہانہ کا جو ملکہ معظمہ کوئن میری قیصرۂ ہند نے لیڈی چیمسفورڈ کے ذریعہ سے ہندوستانی عورتوں کو بھیجا تھا حوالہ دیتے ہوئے اس سے گراں قدر نتائج و اثرات ظاہر ہونے کی امید کی تھی اس کے بعد زنانہ و مردانہ تعلیم کے فرق کو دکھلا کر مذہبی تعلیم پر بہت زور تھا۔ مادری زبان میں کورس اور استانیوں کے متعلق بھی خیالات ظاہر فرمائے تھے۔

پونہ میں پروفیسر کاروے کی زنانہ یونیورسٹی پر اظہار مسرت تھا اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے امید ظاہر کی تھی کہ وہ ملک کی عام مشترکہ زبان میں عورتوں کی تعلیم کے لئے بھی کوشش کرے گی اس کے بعد عام ترغیب و تحریص کے سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ مسلمان عورتوں کے اُن حقوق کی جانب جو وہ اپنے گھروں میں رکھتی ہیں اشارہ کرتے ہوئے تعلیم کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اس تقریر کا یہ آخری جملہ نہایت ہی پُر زور تھا کہ :-

> "خواتین! آپ سب قوت مشترکہ سے کام لے کر اس مقصدِ عظیم میں کامیابی حاصل کریں ہم کو اپنی کمزوری اور ضعفِ تخلیق کا خیال نہ کرنا چاہیئے کیوں کہ تاریخ شاہد ہے کہ ان ہی ضعیف ہاتھوں نے دُنیا میں بڑی بڑی مُہمیں سر کی ہیں"۔

مگر بعض وجوہ سے پھر اس کے اجلاس منعقد نہ ہو سکے تاہم اس ضرورت کا احساس تعلیم یافتہ خواتین کے عام طبقہ میں پیدا ہو گیا چنانچہ اس کے بعد کلکتہ میں اس قسم کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی مگر اس کا

بھی پہلا ہی اجلاس ہو کر رہ گیا۔

شعبۂ تعلیم مجلس خواتین ہند

البتہ ۱۹۱۸ء میں بمقام ادیار (مدراس) خواتین ہند کی مجلس (آل انڈیا وومنیس ایسوسی ایشن) کے نام سے سیاسی و معاشری حقوق کے تحفظ کے لئے قائم کی گئی وہ نہایت کامیابی کے ساتھ اپنے مقاصد کی تکمیل میں مصروف عمل تھی۔ اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر اس کی شاخیں قائم ہوئیں لیکن اس انجمن کی کارکن خواتین نے یہ محسوس کر کے کہ جب تک عورتوں میں تعلیم کی اشاعت کافی طور پر نہ ہوگی وہ اپنا حقیقی اور فطری درجہ حاصل نہیں کر سکتیں اس لئے کانفرنس کے ساتھ ایک مستقل جداگانہ شعبۂ تعلیم نسواں کے متعلق قائم کیا جس کا پہلا اجلاس ۱۹۲۶ء میں بمقام پونہ منعقد ہوا اور دوسرے اجلاس کا انعقاد فروری ۱۹۲۸ء میں بمقام دہلی ہوا۔

صدارت اجلاسِ دوم

اس اجلاس کی صدارت سرکار عالیہ نے فرمائی جس میں بہت بڑا حصّہ ہندو عیسائی اور سکھ خواتین کا تھا جو مختلف اقطاعِ ہند سے مجتمع ہوئی تھیں۔ ایک کافی تعداد یورپین لیڈیز کی بھی تھی مسلمان خواتین بحیثیت نمائندہ برائے نام تھیں لیکن مقامی خواتین کا معقول حصّہ تھا۔

۸ر فروری کی صبح کو ۹ بجے سرسوتی بھون میں جو ایک وسیع پردہ دار عمارت ہے کانفرنس کا اجلاس شروع ہوا حاضرین نے نہایت جوش و مسرت کے ساتھ سرکار عالیہ کا استقبال کیا اور سرکار عالیہ نے ایک نہایت جامع خطبۂ صدارت اردو میں ارشاد فرمایا جس کی مطبوعہ کاپیاں اُردو انگریزی میں اسی وقت تقسیم کی گئیں۔

سرکار عالیہ نے شکریۂ صدارت کے سلسلے میں زنانہ تعلیم کی اہمیت کا اظہار کر کے اقطاعِ ہند کی مختلف المذاہب خواتین کا ایک مقصد کے لئے جمع ہونے کو ایک نعمت قرار دیا اور اس ضرورت پر زور دیا کہ عورتیں ہی صنفی تعلیم کی مشکلات کا حل کریں۔ پھر ملک کے عام افلاس اور قدیم رسم و رواج کی پابندی کا تذکرہ فرماتے ہوئے تعلیم اور اس کے متعلقہ لوازم و اسباب اور بیرونی اثرات و خارجی حالات سے جو مشکلات ہیں ان پر اشارہ کر کے اجمالی تبصرہ فرمایا۔ عام افلاس کے متعلق ارشاد کیا کہ:۔

"تعلیم اناث کے راستہ میں سب سے بڑا حائل ہمارے ملک کا عام افلاس ہے۔ افلاس کے مضر اثرات سے ہمارے لڑکوں کی تعلیم بھی پاک نہیں ہے اور اس بارہ میں جو آسانی اور فراوانی آج کل دنیا کے ہر مہذب اور متمدن ملک میں موجود ہے اس کا عشر عشیر بھی یہاں مہیا نہیں۔ ظاہر ہے کہ جس ملک میں فی کس ماہانہ آمدنی کا اوسط ڈہائی روپیہ ہو وہاں کے عوام سے اشاعت تعلیم میں کافی حصہ لینے کی کیا امید ہو سکتی ہے یہ آمدنی تو اتنی قلیل ہے کہ اس عالمگیر گرانی کے زمانہ میں ایک آدمی دونوں وقت سیر ہو کر روکھی روٹی بھی نہیں کھا سکتا چہ جائیکہ وہ تمدنی اور تعلیمی ضروریات میں امداد کرے۔"

پھر لڑکیوں کی تعلیمی نسبت کو بیان کر کے رفع افلاس کے لئے فضول و بیجا مصارف کے انسداد، خانہ داری کے اصول حفظ صحت، دستکاری اور بالخصوص قدیم سادگی معاشرت پر خواتین کی توجہ مبذول کی اور کم سنی کی شادی کے شدید نقصانات پر فرمایا کہ :-

"لڑکیوں کی تعلیم میں ایک اور بہت بڑی روک کم سنی کی شادی ہے یہ بُری رسم ملک کے ہر فرقہ میں کم و بیش موجود ہے اور اس کی وجہ سے لڑکیوں کی جسمانی، دماغی اور اخلاقی نشو و نما کا بہترین زمانہ بیکار ہو جاتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے سبب سے وہ اور گوناگوں آلام و افکار میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور ان میں امراض و اموات کی کثرت اوسط عمر کا انحطاط کمزور اور ناقص بچوں کی افزائش اور آئندہ نسلوں کی خلقی پست خیالی اور طبعی دوں ہمتی یہ سب براہ راست اسی رواج کے نتائج ہیں لیکن میری عزیز بہنو! میرا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں کوئی رسم جاری ہوئی ہے اس میں ضرور کچھ نہ کچھ فائدے اور مصلحتیں بھی ہوتی ہیں اس لئے ہم کو لازم ہے کہ ہم جس بات پر بحث کریں اس میں تصویر کے دوسرے رُخ پر بھی نظر ڈالیں تا کہ ہم بے سوچے سمجھے اپنے بزرگوں کو بُرا بھلا نہ کہنے لگیں اور اس میں جو بُرائیاں ہوں اُن کو چھوڑ کر اس کی خوبیوں کو اختیار کر سکیں میں کم سنی کی شادی کو بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں سمجھتی ہمارے ملک کی حالت یورپ اور امریکہ سے مختلف ہے اور ہمارا طرز معاشرت بھی اُن سے جدا ہے سرد ملکوں میں جو عمر عورتوں اور مردوں کے شباب کی ہوتی ہے اس عمر میں ہمارے یہاں کے

آدمی ادھیڑ سمجھے جاتے ہیں غالباً یہ اور اسی قسم کے اور اسباب یہاں اس رسم کے موجب ہوئے ہوں گے جو بتدریج بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی کہ اب وہ بلاشبہ ہمارے ملک کے لئے ایک کلفت اور ہماری کروڑوں بہنوں کے واسطے ایک مصیبت بن گئی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس میں جو افراط پیدا ہو گئی ہے اُسے کم کر کے اس کو اعتدال پر لایا جائے کیوں کہ بہترین کام وہی ہے جو اعتدال کے ساتھ ہو لوگ خود بھی اب اس کی خرابیوں کو سمجھنے لگے ہیں۔ ہندوستان کی مختلف حکومتوں کو بھی اس کے سدِّ باب کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے مجھے یقین ہے کہ انشاءاللہ قریب زمانہ میں اس میں ایسی مناسب روش اختیار کر لی جائے گی جو سب کے لئے مفید و موزوں ہوگی گذشتہ سال بھی آپ کی کانفرنس نے اس پر کافی روشنی ڈالی تھی اور اس کے متعلق رزولیوشن بھی پاس ہوئے تھے لیکن یہ اس قدر ضروری اور اہم معاملہ ہے کہ جب تک اس کا قرار واقعی انسداد نہ ہو جائے تب تک ملک کے ہر گوشہ سے اس کے خلاف صدا بلند کی جائے اور رائے عامہ کی اصلاح میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جائے۔"

پھر دیگر معاشرتی خرابیوں کی اصلاحات اور حصولِ حقوق وغیرہ کا ذریعہ محض تعلیم ہی کو قرار دے کر مسئلۂ نصاب پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

"انتخاب مضامین کے وقت مذہب کی طرف خاص توجہ ہونی چاہیئے اور ہماری صنفی خصوصیات کو فراموش نہ کرنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خیال رکھا جائے کہ عام طور پر ہمارے ملک کی لڑکیاں اپنی تعلیم کے لئے غیر محدود وقت نہیں دے سکتیں اس لئے ان کا نصاب تعلیم ایسا مختصر اور جامع ہونا چاہیئے جسے وہ ایک معیّن مدت میں پورا کر سکیں اور اس کے بعد اگر وہ مزید ترقی کرنا چاہیں یا اُن کو کسی خاص شعبۂ فن میں تکمیل کرنے کا شوق ہو تو وہ اس میں جا سکیں محض حصولِ معاش کی نیت سے علم تو کسی کے واسطے بھی قابلِ تعریف نہیں ہو سکتا اور بالخصوص لڑکیوں کی تعلیم کی غایت وغرض تو اس سے بہت اعلیٰ و ارفع ہونی چاہیئے کیوں کہ میرے نزدیک ان کا فریضۂ زندگی یہ نہیں ہے کہ وہ کشاکشِ ہستی کے میدان میں مَردوں کے مدمقابل ہو کر اُن سے آگے

بڑھنے کی کوشش کریں بلکہ ہمارے خیال میں ان کا مقصد حیات یہ ہے کہ وہ بجا آوریٔ فرائض کے امتحان میں مردوں کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو کر باہم ایک دوسرے کے روحانی سکون اور قلبی اطمینان کا باعث ہوں۔ ہمارے ملک کے مردانہ نصاب میں فنون لطیفہ کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے لیکن صنفِ لطیف کو ان سے محروم رکھنا فطرتِ نسوانی کے ساتھ بڑا ظلم ہے۔

اس کے ساتھ اُن کی جسمانی تربیت کا بھی کافی انتظام ہونا چاہیئے کیوں کہ یقیناً کوئی ایسا نظامِ تعلیم مکمل اور صحیح نہیں کہا جاسکتا جو دماغی نشو و نما کا تو مدعی ہو لیکن روحانی ترقی اور جسمانی تربیت کو نظر انداز کر دے یہ تمام قوائے انسانی یکساں توجہ کے محتاج ہیں اور جو طریقۂ تعلیم ان میں سے کسی ایک کو بھی بیکار چھوڑ دے وہ بلاشبہ ناقص و قابلِ اصلاح ہے۔"

اسی سلسلہ میں موجودہ طریقہ و معیار امتحان میں جو غیر ضروری بار طلبا کے دماغ و ذہن اور حافظہ پر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے صحت کو نقصان پہنچتا ہے اس کی اصلاح کی ضرورت واضح فرمائی اور ان تمام مشکلات کے حل کی جانب قومی یونیورسٹیوں کو توجہ دلائی معلمات کی ضرورت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

تعلیم اناث کی ترقی و اشاعت کے لئے لائق معلمات کی ضرورت ناگزیر ہے۔ اس لئے میں طبقہ شرفا کی خواتین سے یہ استدعا کروں گی کہ وہ اپنے ملک کی خستہ حالی کو محسوس کر کے اپنی بچیوں کی تعلیم کے انتظام میں حسب استطاعت اعانت کریں اور اگر اتنا ایثار کریں کہ اپنے خالی وقت کا کچھ حصہ اپنے محلہ کی بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے دیدیں تو بلاشبہ ایک بڑی حد تک یہ دقّت رفع ہوسکتی ہے اور میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ جس طرح بعض خواتین ملکی و شہری خدمات مثلاً آنریری مجسٹریٹی اور میونسپل کمشنری کے لئے وقت نکال سکتی ہیں۔ اسی طرح وہ اپنی جنس کی تعلیمی خدمت بھی انجام دے سکتی ہیں بہر حال یہ ضرورت عارضی اور چند روزہ ہے جب ملک میں تعلیم عام ہو جائے گی تو معلمات کی یہ کمیابی نہیں رہے گی۔ اور زیادہ آسانی سے اس کا انتظام ہوسکے گا۔"

پھر کانفرنس کو ان الفاظ کے ساتھ عملی بننے کی ہدایت کرتے ہوئے اپنا خطبہ صدارت ختم کیا کہ:۔

"ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس بات کا عزم مصمم کریں کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر عمل بھی کرنے کی کوشش کریں گے اور جن تجاویز کو ہم اس جلسہ میں پاس کر رہے ہیں ان کو واقعیت کا جامہ پہنانے میں بھی کوتاہی نہ کریں گے کیونکہ یہی ترقی کا راز ہے ہماری اس کانفرنس میں گذشتہ سال بھی بہت سی تجویزیں ہوئی تھیں اور مجھے اس کی بڑی خوشی ہے کہ ان ہی تجویزوں کے تحت میں ملک کے متعدد حصّوں میں جلسے ہوئے اور ہماری مجوزہ تحریکات کی پرجوش تائید کی گئی اور ایک حد تک ان پر عمل پیرا ہونے کی سعی بھی ہوئی اس سے مجھے امید ہوتی ہے کہ انشاء اللہ آئندہ بھی تعلیم نسواں کی اشاعت اور اصلاح میں ہماری یہ کانفرنس ایک زندہ اور پایندہ محرک ثابت ہوگی اور یہ مجلس ملک کے لئے اتفاق واتحاد کا ایک نمونہ بنے گی جس پر آئندہ کی تمام ترقیوں اور کامیابیوں کا انحصار ہے۔"

سرکار عالیہ کا یہ خطبہ نہ صرف لٹریچر کے اعتبار سے فصیح و بلیغ ہے بلکہ باعتبار غور و فکر و تجربہ اور معنوی پہلو سے ہر مسئلۂ تعلیم کے متعلق جو اس وقت تک زیر بحث ہے حد درجہ بصیرت افروز ہے۔

یہ کانفرنس تین دن جاری رہی اور ۱۹ رزولیوشن پیش اور پاس ہوئے اجلاس سے قبل جو رزولیوشن اسٹینڈنگ کمیٹی میں پیش ہوئے تھے ان میں بعض اس قسم کے بھی تھے جیسے کہ مذہبی تعلیم کو نصاب تعلیم سے اس لئے خارج کرنا کہ اس سے تعصب و منافرت پیدا ہوتی ہے یا ڈرائنگ کو تعلیم کے ساتھ لازمی قرار دینا۔ مختص القوم تعلیم گاہوں میں طلبا و طالبات کو نہ بھیجنا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے رزولیوشن جو ایسی کانفرنس میں پیش ہوتے جہاں مختلف المذاہب اور مختلف القوم خواتین جمع تھیں اور جن میں مذہبی و قومی احساس بھی کامل طور پر موجود تھا تو لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ اس کانفرنس کی بنیادیں متزلزل ہو جاتیں سرکار عالیہ نے اپنے دلائل و اثر سے ان کو خارج کرایا اور حضور ممدوحہ کو اس میں وقت کا بہت زیادہ حصّہ صرف کرنا پڑا کانفرنس کی کارروائی میں ایک اہم سوال تقریروں اور رزولیوشنوں کی زبان کا تھا علی العموم تمام تقریریں انگریزی میں ہوتی تھیں اور رزولیوشن بھی انگریزی میں پیش ہوتے تھے اور وہ خواتین جو انگریزی سے ناواقف تھیں بحث میں حصہ لینا تو کجا رزولیوشن

کا مطلب سمجھنے تک سے مجبور تھیں۔

کارروائی اجلاس پر سرکار عالیہ کا تبصرہ

سرکار عالیہ نے ان تمام دقتوں کو محسوس فرما کر اپنی اختتامی تقریر میں ایک جامع تبصرہ کیا اور جن رزولیوشنوں کا تعلق پرائیوٹ کوششوں سے ہے ان کے متعلق سرگرم کوشش جاری کرنے پر توجہ دلائی خصوصاً کم سنی کی شادی کے انسداد پر پرائیوٹ کوششوں کے تذکرہ میں فرمایا کہ:۔

"کم عمری کی شادی کے انسداد پر کانفرنس نے جو کوشش شروع کی ہے اس کی کامیابی حقیقتہً ملک کے لئے ایک بڑی رحمت ہوگی لیکن اس میں ہماری ہی کوششوں سے کامیابی ہوگی۔ مسلمانوں میں یہ رواج کم ہے تاہم جو کچھ ہے چند مستثنیٰ حالات کے ماسوا زیادہ تر افلاس اور محتاجی کے سبب سے ہے اگرچہ شرعی قانون نے بالغ ہونے کے بعد اس رشتہ کے توڑنے کا عورت کو اختیار دیا ہے لیکن علی العموم یہ اختیار بہت کم عملی صورت اختیار کرتا ہے اور عورتیں صبر و تحمل کے ساتھ اپنی قسمت پر قانع ہو جاتی ہیں اگرچہ وہ تکلیفاتِ زندگی میں مبتلا رہتی ہیں اسلئے ہماری جماعت کو کسی بل کی منظوری اور نفاذ پذیر ہونے کے انتظار کئے بغیر اپنے ذاتی اثر سے اس قبیح رسم کو روکنا چاہیئے کیونکہ بل خواہ کسی صورت میں پاس ہو سوسائٹی کی عملی کوششوں کا محتاج رہے گا۔"

جلسوں کی کارروائیوں میں ملکی زبان استعمال کرنے کی ہدایت کے بعد مسائل مذہبی کو معرض بحث میں لانے کے متعلق فرمایا کہ:۔

"بعض مسائل ایسے ہیں جن میں مذہب کا تعلق ہو جاتا ہے اب ہم انکو رزولیوشنوں کی شکل میں لاکر بحث و مباحثہ کریں تو یہ طریقہ محفوظ نہیں ہے ہندوستان میں مختلف اور متعدد مذاہب کے پیرو ہیں اسلئے کوئی رزولیوشن اس قسم کا نہ ہو جس میں کوئی مذہبی پہلو نمایاں ہو اور مذہبی حیثیت سے اس پر بحثیں شروع ہو جائیں اس سے لازمی طور پر اختلاف پیدا ہوگا اور متحدہ مقصد کو نقصان پہنچے گا ہماری کانفرنس کے قیام کو ابھی دو ہی سال ہوئے ہیں اور اگر تیز روی کی جائے تو اندیشہ ہے کہ ہم ٹھوکر کھائیں گے اور دوسروں کو ہنسی کا موقع ملے گا۔"

آل انڈیا فنڈ قائم کرنے کی تحریک

جو رزولیوشن کہ اس کانفرنس میں پاس ہوئے ان میں حسب ذیل ایک اہم رزولیوشن یہ تھا کہ جس کو خود جلیل القدر صدر کانفرنس نے چیر سے پیش کیا:-

"تعلیم نسواں کی ترقی کے لئے ایک آل انڈیا فنڈ قائم کیا جائے اور ایک سب کمیٹی مقرر کی جائے جو اس کے لئے روپیہ جمع کرے اور اس کے مصرف کے متعلق اپنی تجاویز اسٹینڈنگ کمیٹی کے سامنے پیش کرے۔"

درحقیقت کانفرنس کے تمام عمل کا دارومدار اسی رزولیوشن پر اور تمام مقاصد کا انحصار ایسے ہی فنڈ پر ہو سکتا ہے جس کے متعلق عین موقع پر حضور ممدوحہ نے توجہ دلائی اور نہ صرف توجہ دلائی بلکہ اسی وقت پانچہزار روپے کے عطیہ کا اعلان بھی فرمایا اور فہرست عطیات کھلوادی اور اسی جلسہ میں تقریباً ۲۵ ہزار روپیہ کے چندے لکھے گئے۔

اس فنڈ کے جمع کرنے کے لئے جو کوششیں عمل میں آئیں اور اپیل شایع کی گئی اس میں بھی سرکار عالیہ نے حصہ لیا اور اس کے علاوہ بھی کانفرنس کی مالی امداد کی۔ فروری سنہ ۱۹۲۸ء سے جنوری سنہ ۱۹۲۹ء تک جو سرکار عالیہ کی صدارت کا زمانہ ہے کانفرنس کی تمام کارروائیوں میں دلچسپی لی اور اسکی کوششوں اور کامیابیوں کو ہمیشہ عمیق دلچسپی کے ساتھ ملاحظہ فرماتی رہیں۔

مختلف مساعی اور فیاضیاں

ان مساعی جمیلہ کے علاوہ سرکار عالیہ نے متعدد زنانہ مدارس انسٹیٹیوشن، انجمنوں وغیرہ کو بھی امدادیں عطا فرمائیں۔

چنانچہ مدرسہ طبیہ دہلی کی شاخ تعلیم دائیاں کلکتہ کا مدرسہ نسواں الہ آباد اور لکھنؤ کے زنانہ کلب، سداسیون بمبئی لیڈی رڈنگ کالج دہلی اور دیگر ادارات وغیرہ حضور ممدوحہ کی فیاضی سے بہرہ ور رہیں۔

انجمن بہبودی زچگان واطفال کے افتتاح میں شرکت اور اظہار خیالات

سنہ ۱۹۱۸ء میں ہز اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ نے ملکہ معظمہ کوئن میری قیصرۂ ہند کی سرپرستی میں ہندوستانی ماؤں اور بچوں کی بہبودی کے لئے ایک لیگ قائم کی جس کی ہندوستان کو اشد ضرورت ہے لیکن اس سے قبل لیڈی ولینگڈن نے بھی اس قسم کی تجویز

کی تھی اور سرکار عالیہ سے اس میں مشورہ کیا تھا۔

تجویز فی نفسہ نہایت مفید اور ضروری تھی حضور ممدوحہ نے اس میں بہ لحاظ ضروریات مقامی ترمیم کر کے بھوپال میں اس کا عمل درآمد شروع کر دیا تھا لیکن وہ صرف ایک مقامی تجویز تھی اور اب لیڈی چیمسفورڈ نے تمام ہندوستان میں اعلیٰ پیمانہ پر اس کو رائج کرنا چاہا۔ اسی سلسلہ میں بمقام دہلی آخر ہفتہ فروری ۱۹۲۲ء میں زنانہ طبی ایسوسی ایشن نے زچگی اور بہبودی اطفال کے علمی تجربات اور تدابیر کے متعلق ایک نمائش منعقد کی جس میں سینما اور میجک لالٹینوں اور مصنوعی حالات سے بہت سے مفید تجربات دکھائے گئے، اور تقریروں کا بھی ایک سلسلہ قائم کیا گیا ماہرین فن کے علاوہ چند ذی مرتبت قابل مردوں اور عورتوں نے بھی تقریریں کی تھیں۔

سرکار عالیہ کی تقریر کا اقتباس

سرکار عالیہ بھی نمائش کی شرکت کی غرض سے دہلی تشریف لے گئیں اور ایک معرکۃ الآرا تقریر بھی فرمائی جس میں نہ صرف غربا بلکہ امرا کے گھروں میں بھی اصول حفظان صحت سے بے پروائی برتنے پر افسوس تھا۔ ماؤں کی صحت اور اس کی ضرورت پر قیمتی خیالات تھے اور اس کی بے پروائی سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں ان کا نہایت دردناک الفاظ میں تذکرہ تھا۔ نیک دل کوئن وکٹوریہ کے زمانہ سے اس قسم کی نیکی کے کاموں اور امدادوں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اس کا تشکر آمیز بیان تھا مگر اُسی کے ساتھ یہ شکوہ بھی تھا کہ:۔

> "لیکن جب عورتوں کی ضروریات اور کثرت آبادی کے لحاظ سے ان امدادوں کو دیکھا جاتا ہے تو وہ بہت کم نظر آتی ہیں اور ان میں ابھی بہت زیادہ وسعت کی ضرورت معلوم ہوتی ہے خصوصاً وہ پہلی امداد جو زچگی کے وقت ہر ایک عورت کو ملنی چاہیئے بہت ہی کم حاصل ہوتی ہے۔"

ساتھ ہی باشندگان ملک کو اس انتظام اور عمل میں دلچسپی لینے پر متوجہ کرتے ہوئے زمانۂ قدیم کی دائیوں کی قابلیتوں کا تذکرہ کر کے ان کی روز افزوں کمی پر افسوس تھا۔

اسی سلسلہ میں عورتوں کے لئے حفظان صحت کی لازمی تعلیم پر بھی بحث کی تھی اور ساتھ ہی مادری زبان کے ذریعہ سے اس تعلیم کی وسعت پر زور دیا تھا اور طبیہ کالج کے زنانہ مدرسہ دائیاں کی تمثیل پیش کی تھی جس میں ڈاکٹری اور یونانی اصول کو ملا کر تعلیم کا ارزاں اور کامیاب انتظام کیا گیا

ہے - پھر خواتین ہند سے اپیل کی تھی کہ وہ خود مستعد ہوں - ایسی تعلیم کا انتظام کریں اور اس لیگ کے فیض و اثر کو ہر جگہ پہنچائیں اس کے بعد فرمایا کہ :-

اب ایک اور رنج و غم کی حالت ہے جو ان بچوں کی نسبت ہر جگہ طاری ہے جن کو عالمِ وجود میں آتے ہی غذا کے لئے احتیاج ہوتی ہے - اکثر ماؤں کا دودھ ناکافی غذا کی وجہ سے سوکھ جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے یا بیماری کی وجہ سے خراب ہو جاتا ہے جس کے خراب اثر کا فوراً ہی اندیشہ ہوتا ہے لیکن ان کو خالص اور اچھا دودھ بازار میں بھی میسر نہیں آتا یا اگر غریب و مفلس ہیں تو وہ اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتے پھر ان غریب عورتوں کو روزی کمانے کے لئے مزدوری کی سخت محنت کرنی پڑتی ہے اور بچہ کے پیدا ہونے کے قبل و بعد دونوں زمانے نہایت تکلیف و پریشانی اور مشقت میں گذرتے ہیں -

کیوں کر امید ہو سکتی ہے کہ ان ماؤں کی اولاد مضبوط صحت مند اور طاقتور ہو گی - اسی طرح سرزمینِ ہند کے بہت سے بہترین دماغ ابتدائی مصیبتوں سے بدترین جاتے ہیں اس لئے بچوں کی حالت بھی خاص توجہ کی محتاج ہے -

تھوڑا ہی عرصہ گذرا کہ لندن کی ایک کانفرنس نے جو ان ہی تکلیفوں کے دور کرنے کے لئے قائم ہوئی تھی ایسی عورتوں اور بچوں کے لئے جو انتظام تجویز کیا تھا وہ کسی قدر ترمیم کے ساتھ ہر جگہ قابلِ عمل ہو سکتا ہے یعنی ہر جگہ بچوں کے لئے قابل اطمینان اور صاف دودھ مہیّا کرنے والے ڈپو یا دکانیں ہوں اور عورتوں کو ولادت و رضاعت کے ایسے زمانہ میں جس میں راحت و سکون کی اشد ضرورت ہے اس قسم کی مدد دی جائے کہ وہ چند دن کے لئے مزدوری اور محنت سے بے فکر ہو جائیں، اگر دولت مند عورتوں کی فیاضی کا رُخ اس طرف ہو جائے تو یہ دونوں کام کچھ مشکل نہیں اور ہر جگہ آسانی سے اس کا انتظام ہو سکتا ہے غرض ایسی بہت سی تدابیر ہیں جن پر عمل کرنے سے عورتوں اور بچوں کو اس قسم کی بہت سی امدادیں مل سکتی ہیں مگر ان تمام باتوں کا انحصار پبلک کی فیاضی اور خود باشندگانِ ہند کے احساس پر ہے -

آخر میں سرکار عالیہ نے پھر حفظانِ صحت وغیرہ کی تعلیم پر زور دیتے ہوئے تمدنی و معاشرتی ترقیات کے ساتھ امراض کی ترقیات پر بھی اشارہ کر کے ہندوستانی معاشرت کے لحاظ سے لڑکوں کے مدارس میں بھی اس تعلیم کے لزوم پر توجہ دلائی تاکہ مرد اور عورتیں دونوں اشتراکِ عمل سے قوم کی نگہداشت کر سکیں۔ بہ لحاظ مطالب و معانی اور ملکی ضروریات کے حضور ممدوحہ کی یہ مبسوط تقریر خاص قسم کی تھی جس کو سامعین نے نہایت توجہ سے سُنا۔

سرکار عالیہ کا ایک مضمون

اس کے بعد حضور ممدوحہ نے اسی لیگ کے آرگن میٹرنٹی اینڈ چائلڈ ویلفران انڈیا کے نمبر ۴ اشاعت دسمبر ۱۹۲۱ء میں ایک معرکۃ الآرا مضمون شایع کرایا جس میں ان ہی مقاصد کی تکمیل اور حصول کے مطابق زمانہ امن میں انحطاط آبادی کے اسباب، بچوں کی کثرتِ اموات عورتوں پر حفاظتِ بچگان کی ذمہ داری وغیرہ پر بحث کر کے اور جہالت اور ذرائع معاش کی کمی و پست حالت کو تمام خرابیوں کی بناء قرار دے کر متوسط اور آسودہ حال طبقے کو ہمدردی اور گورنمنٹ کو امداد پر توجہ دلائی تھی اور پھر طبقۂ متوسط کے لئے طبی جماعتوں کو اس طرح متوجہ کیا کہ :-

"ہمارے اس میڈیکل گروہ کو جو شب و روز انسانی ہمدردی کے کاموں میں مصروف ہے آبادی کے موروثی میلانات غیر صحت بخش ماحول قدیم رسوم اور ذات برادری کے تعصبات کو مدنظر رکھکر اس حصہ کے لئے بھی سادہ اور سہل العمل اور کم خرچ اصول وضع کرنے پر اپنی توجہ مائل کرنی چاہیئے اور تبلیغ و اشاعت کے ذرائع ایسے اختیار کرنے چاہئیں جو مؤثر و مقبول ہوں۔ اس ملک میں صدیوں سے ویدک اور بعدہٗ یونانی طریقہ کے علاج و معالجے جاری ہیں اور ہر حصّہ ملک کی کثیر آبادی کا حصّہ ان ہی سے مانوس ہے پس ہمارے یہ اصول ان ہی طریقوں پر زیادہ مبنی ہونے چاہئیں تاکہ وہ قبولیت عام حاصل کر سکیں۔

اس وسیع ملک کے حصص میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں اور مختلف رسم الخط جاری ہیں۔ جہاں تک کہ تحریری اور تقریری ذرائع کا تعلق ہے وہاں تک مقامی رسم الخط کو ذریعہ بنانا چاہیئے اور ملک میں بکثرت ایسا لٹریچر شایع کرنا چاہیئے۔

جن چیزوں کو کہ ان کے سامنے پیش کیا جائے وہ ایسی ہوں جو ارزاں اور بآسانی مہیا ہو سکیں اور لوگ اُن سے کچھ واقفیت بھی رکھتے ہوں جو لوگ اس کام پر مقرر کئے جائیں وہ غیر مانوس نہ ہوں خصوصاً ہندوستانی عورتوں سے زیادہ کام لینا چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو ان کاموں کے لئے مقامی عورتیں ہی آمادہ کی جائیں کیونکہ وہ ہر حیثیت سے بمقابلہ اجنبی عورتوں کے بہت اچھی طرح [illegible] سکیں گی۔ مقامی کام کرنے والی عورتیں اگرچہ ابتدا میں بمشکل مہیا ہوں گی۔ لیکن یہ مشکل کچھ زیادہ نہیں مختلف قسم کی ترغیبات اس مشکل کا حل ہیں ان ترغیبوں میں اس انسانی ہمدردی کی جزا ہے جو یقیناً مشرقی عورت کے لئے جس میں بڑی حد تک روحانیت کا اثر موجود ہے سب سے بڑی ترغیب ہوگی۔

مجھے امید ہے کہ اگر ان طریقوں پر جو اجمالاً بیان کئے گئے ہیں عمل کیا جائے گا تو ہماری ایسوسی ایشن کا مقصد یقیناً بہت جلد پورا ہوگا اور جس ہمدردی انسانی کے جذبہ سے اس کو قائم کیا گیا ہے اس کے نتائج اطمینان بخش اور جلد حاصل ہوں گے۔ ہماری ایسوسی ایشن کی اسکیم کی جس قدر کثرت سے تبلیغ ہوگی اُسی قدر اس کا اثر قوی اور دائرہ وسیع ہوگا کیونکہ اس کی بنیاد ہی ایسے انسانوں کی خالص ہمدردی پر ہے جو بے بس اور مجبور محض ہوتے ہیں لیکن پھر وہی قصرِ انسانیت اور ایوانِ مدنیت کو تعمیر کرتے ہیں قوموں کو بناتے اور آبادیوں کو بساتے ہیں اور وہی ماؤں کا سرمایہ مسرت ہوتے ہیں۔"

مغربی تقلید اور غیر معتدل آزادی کی مخالفت

سرکار عالیہ کو اپنے ہم جنس طبقہ سے جو ہمدردی اور مسائلِ ترقی سے جو دلچسپی اور شغف تھا اس کا اندازہ ان مساعی اہم سے ہوتا ہے جس کا ایک مجملاً تذکرہ ان اوراق میں موجود ہے لیکن اسی کے ساتھ تعلیم و آزادی نسواں کی جن اصول کے ماتحت اور جن شرائط و قیود کے ساتھ حامی تھیں وہ بھی حضورِ ممدوحہ کی متعدد تقریروں[1] سے نمایاں ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو سلکِ شہوار (مجموعہ تقاریر متعلق مسائلِ صنفی)

سرکار عالیہ جہاں مردوں کے تعصبات اور صدیوں کے مسلسل جابرانہ رویہ پر ہمیشہ افسوس فرماتی اور عورتوں کی ترقی میں ساعی رہیں وہاں اُن کی غیر معتدل آزادی کی بھی سخت مخالف تھیں وہ عورتوں کو صرف آزادی اور حقوق کے اس سطح پر لانا چاہتی تھیں جو مذہب اسلام نے اُن کے لئے تجویز کی ہے وہ ہندوستان اور یورپ دونوں کو افراط و تفریط میں دیکھ کر ایک نئی شاہراہِ اعتدال بنانا چاہتی تھیں اور خود ان کی زندگی اسی اعتدال کا نمونۂ کامل تھی۔

انھوں نے بارہا صاف صاف فرمادیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے حقوق و فرائض کی سطح کو ایک کر دینا مقصود نہیں اور ان دونوں جنسوں میں ایک حدِ فاصل قائم رکھنا چاہیئے جسے بہ لحاظ قدرتی فرائض کے خود خدا تعالیٰ نے قائم کر دیا ہے اس نکتہ کو شاید اُن سے بہتر کوئی نہیں سمجھتا تھا کہ عورتوں کا اصلی فرضِ زندگی خانہ داری کو انجام دینا ہے اولاد کی تربیت و تعلیم اُن کے فرائض کے اہم الامور ہیں پس وہ اگر عورتوں کو اُن کی جاہلانہ زندگی سے نکال کر تعلیم و تہذیب کی سطح پر لانا چاہتی تھیں تو اس کا مقصد یہ تھا کہ بذریعہ تعلیم و تربیت کے عورت کو اس کے فرائض منزلی کے لئے زیادہ مستعد اور تیار بنایا جائے اور قدرت کا اس کی تخلیق سے جو مقصود حقیقی ہے وہ حاصل ہو۔

سرکار عالیہ نے اس مسئلہ کو بہ کرات و مرات اپنی تقاریر میں بیان فرمادیا ہے اور ترغیبِ تعلیم کے ساتھ ہی اس مقصد کو بھی واضح طور سے سمجھایا ہے۔

یورپ سے مراجعت کے بعد ۱۹۱۲ء میں حالاتِ سفر پر لیڈیز کلب میں جو تقریر کی تھی اس میں یورپین خواتین کی تعلیم وغیرہ کے حالات اور اُن کے دیگر اوصاف کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ:-

"لیکن میں اس تعلیم کے ساتھ اُس آزادی کو پسند نہیں کرتی جو اعتدال سے متجاوز ہو چکی ہے اور ہمارے یہاں کی پردہ نشین ناخواندہ بلکہ خواندہ عورتوں کو کبھی اس کا خیال نہیں گذر سکتا ممکن ہے کہ یہ آزادی جو سرزمین یورپ میں ہے وہاں کے مناسب ہو یا یہ آزادی مذہب عیسوی کی تلقین و ہدایت کے مطابق ہو مگر ہندوستان اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے کسی طرح اور کسی زمانہ میں میرے خیال میں نہ موزوں ہوگی اور نہ خدا تعالیٰ کے احکام کبھی غیر مفید ہو سکتے ہیں پس ہم کو اس مقولہ پر عمل کرنا چاہیئے خذ ما صفا و دع ما کدر، اچھی چیزوں کو لے لو اور بری چیزیں کو چھوڑ دو۔ مسلمان عورتوں کو بھی ان

آزادی سے زیادہ کی خواہش نہیں کرنی چاہیے جو مذہب اسلام نے ان کو عطا کی ہے اور وہ آزادی ایسی آزادی ہے جو عورت کو اپنے حقوق سے مستفید ہونے اور تمام خرابیوں سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے۔

ہماری قومی تاریخ ہم کو بتا رہی ہے کہ مسلمان عورتوں نے اسلام اور شعائر اسلام کا پابند رہ کر دنیا میں کیسے کیسے کارہائے نمایاں کئے کیسے کیسے علوم و فنون میں دستگاہ حاصل کی۔ ان کی تربیت و تعلیم نے کیسے کیسے اولوالعزم اور مشہور اشخاص پیدا کئے دور کیوں جاؤ خود بھوپال میں اسی نتیجہ تعلیم پر نظر ڈالو اور گذشتہ دونوں فرماں روا بیگمات کے حالات دیکھو جو تعلیم کے اعلیٰ نتائج ہیں۔

غرض تعلیم حاصل کرو اور پابند طریقۂ اسلام رہو تاکہ تمھاری قومی ترقی ہو اور تم کو ہر قسم کی کامیابیاں حاصل ہوں۔

سرکار عالیہ نے عورتوں اور مردوں کی مساوات کے متعلق ایک تقریر میں اپنی رائے یوں ظاہر کی تھی کہ:۔

"خواتین! میں سمجھتی ہوں کہ یہ ایک بڑی غلطی ہوگی کہ عورتیں تمام ملکی اور تمدنی امور میں مردوں کی مساوات کا دعویٰ کریں ان کو اس دائرہ سے باہر نہیں جانا چاہیے جو دستِ قدرت نے ان کے چاروں طرف کھینچ دیا ہے نہ اس معاملہ میں ان منطقی دلیلوں کی پیروی کرنی چاہیے جو اس مساوات کے متعلق کی جاتی ہیں۔ مستثنےٰ اور خاص مثالیں سب پر حاوی نہیں ہوتیں۔ ہر عورت چاند سلطانہ، رضیہ بیگم اور نواب سکندر بیگم نہیں ہوسکتی۔ صدہا سال میں تاریخ کوئی ایسی مثال پیدا کرتی ہے جو خداوند کریم کی قدرت کا محض ایک ثبوت ہوتی ہے ایسی مساوات سے گھر کی خوشیاں برباد ہوجاتی ہیں اور خانہ داری کا لطف جاتا رہتا ہے۔ ہاں جو حقوق خدا نے ایک دوسرے کے مقرر کردیئے ہیں ان کو مانگنا اور دینا چاہیے۔"

اسی سلسلہ میں سرکار عالیہ کی ایک معرکۃ الآرا تقریر مسلم گرلز انٹرمیڈیٹ کالج علیگڈھ کے ایک ایڈریس کے جواب میں ہوئی تھی جس میں حسب ذیل مضامین پر بحث کی ہے۔

(۱) تعلیم نسواں کے متعلق عام طور سے قومی توجہ نہ ہونے کا تاریخی سبب۔

(۲) عہدِ رسالت میں مردوں کے ساتھ ساتھ زنانہ تعلیم کا آغاز۔

(۳) زمانہ حال میں عورتوں کی تعلیمی ضرورت کا احساس۔

(۴) نصابِ تعلیم کے متعلق اختلاف اور اس کے سہ گانہ حصص۔

(۵) مخصوص اور قومی مدارس کی ضرورت۔

(۶) مخلوط مدارس میں اسلامی تعلیم و تربیت کا فقدان۔

(۷) ایسے نصاب اور معیارِ تعلیم کی ضرورت جس سے لڑکیاں پرائیوٹ طور پر استفادہ حاصل کرکے مسلم یونیورسٹی کے پرائیوٹ امتحانات میں شریک ہوسکیں۔

(۸) علمی سند کی ضرورت۔

(۹) قومی نصابِ تعلیم تیار نہ ہوسکنے پر افسوس۔

(۱۰) مادری زبان ذریعۂ توسیع تعلیم۔

(۱۱) تربیتِ اخلاق ذریعہ کتب و امثال۔

(۱۲) تعلیم یافتہ لڑکیوں میں آزادی اور تقلیدِ غیر کا رجحان۔

(۱۳) آزادیِ نسواں۔

(۱۴) مسلمان کی حیثیت سے احکامِ اسلام کی پابندی کا لزوم۔

(۱۵) آزادی کا صحیح مفہوم۔

(۱۶) تقلید اور آزادی کا فرق اور معیارِ تہذیب۔

(۱۷) مردوں سے تصادم و مقابلہ کا خطرہ اور اس کا مشتبہ نتیجہ۔

(۱۸) قرآنِ مجید سے ترقی و فلاح کے اسباب۔

(۱۹) عورت کا مقصدِ آفرینش۔

(۲۰) تحفظِ وقار و ناموس کے طریقے اور پردہ۔

(۲۱) تبرج جاہلیت اور زمانہ موجودہ کا فیشن

(۲۲) حجاب ستر کی تکلیف شرعی اور حیا کی تعریف۔

(۲۳) تمدنی۔ معاشرتی اور علمی ترقیوں میں عورتوں کا حق اور حصہ۔

(۲۴) عورتوں کی مذہبی تعلیم اور اس کی ضرورت۔

ان مباحث کی ابتدا میں اپنے استحقاقِ نصیحت کو یوں ظاہر کیا ہے کہ :-

خواتین! میری عمر ستّر سے زیادہ ہے گو میری قابلیت محدود ہو لیکن میرا تجربہ وسیع ہے اسلئے میں اپنی صنف اور بالخصوص مسلمان عورتوں کی حالت پر کچھ کہنے کا منصب و استحقاق رکھتی ہوں اور اس لئے آزادی اور تقلید پر اپنے خیالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ ظاہر کروں گی۔

پھر آخر تقریر میں نہایت حسرت کے ساتھ فرمایا ہے :-

"خواتین! میں نے جو کچھ آپ کے سامنے کہا ہے اس کو اپنا فرض سمجھا ہے اور ممکن ہے کہ پھر ایسا موقع نہ ملے کہ میں آپ سے خطاب کروں اس لئے یہ درخواست بھی کرتی ہوں کہ آپ میری اس تقریر کو از اوّل تا آخر اپنے اوقاتِ فرصت میں غور کے ساتھ مطالعہ کریں اور اپنی مخلصہ اور سچّی مخلصہ کی نصیحت پر دل سے غور و خوض کرتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ اسلامی احکام کی پابندی اور قوانینِ اسلام پر چلنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائے تاکہ مذہب اسلام کی شمع تقلید کی بادِ تند سے جھلملا نہ جائے۔

اب میں آپ سے دُعا کی طالب ہوں اور خود خداوند کریم سے یہ دعا کرتی ہوں کہ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ"

کوئی شک نہیں کہ عورتوں کی جس قدر مختلف حالتوں کا مشاہدہ اور یورپ، مصر، حجاز، ٹرکی اور ہندوستان کی عورتوں اور بالخصوص مسلمان عورتوں کی نسبت جو تجربہ تھا اور عام مسائلِ نسواں پر اس تجربہ اور غور و مشاہدہ کی بناء پر جو عبور تھا وہ آج بسیطِ دُنیا میں شاید ہی کسی اور خاتون کو حاصل ہو۔

اس تقریر میں تقلید و آزادی کے متعلق جو کچھ ارشاد کیا ہے وہ حقیقتاً ایسا مضمون ہے جس کو بار بار پڑھنا چاہیئے اور یورپ کی تقلید میں دیگر ممالک اور خاصتہً ہندوستان میں رفتارِ ترقی اور اس کے نتائج کو مدنظر رکھکر پھر اس نصیحت پر غور کرنا چاہیئے۔

بھوپال سے باہر سرکار عالیہ کی ۱۹۲۶ء میں یہ آخری تقریر تھی لیکن بھوپال میں ایک اور موقع پر بھی

تیز رو جماعت کی ذہنیت اور اعتدال سے تجاوز پر اپنی ایک تقریر میں حسب ذیل خیالات ظاہر فرمائے ہیں۔

"یہ ایک قانون قدرت ہے کہ جن قوموں بلکہ جن افراد میں اپنی حق تلفیوں کا احساس اور ان کے حصول کا ولولہ پیدا ہو جاتا ہے یا ایک حال سے نکل کر دوسری حالت اختیار کرنے پر آمادگی ہو جاتی ہے جس کو ہم انقلاب سے تعبیر کرتے ہیں تو اس وقت طبیعتوں میں ایک ایسا جوش پیدا ہو جاتا ہے جس سے علی العموم انسان اعتدال پر قائم نہیں رہتا یہ دَور قوموں اور انسانوں کی زندگی میں نہایت سخت سمجھا جاتا ہے۔ بعض اوقات اصلاح ہو جاتی ہے اور بعض اوقات ان خرابیوں اور برائیوں کی جگہ دوسری برائیاں اور خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں یہی حالت اس وقت خواتین اسلام کی ہے وہ ایک دَورِ انقلاب سے گذر رہی ہیں اور ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے جو گذشتہ چند صدیوں تک ان میں رہیں آمادہ و کمربستہ ہیں مگر اس نازک موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ انسان ایک ایسے جسم کا نام ہے جس میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو رُوح سے موسوم ہے اور ہر انسان اچھی طرح یہ بات جانتا ہے کہ اس قوت کے نکلتے ہی جسد انسانی لاش یعنی "کچھ نہیں" رہ جاتا۔ اس لئے مقدم امر یہ ہے کہ پہلے توجہ ایسے علم کی جانب ہو جس کا تعلق رُوح سے ہے یعنی مذہب کی ضروری تعلیم حاصل کی جائے اپنے اور اپنے خالق کے تعلقات سمجھ لئے جائیں اور وہ اخلاقِ حسنہ پیدا ہوں جن سے روحانی نجات حاصل ہو سکے۔ اسی خیال کو بپیشِ نظر رکھ کر میں نے مدرسہ حمیدیہ کی بنیاد ڈالی اور آپ کے عزیز فرماں روا نے اپنے نام سے موسوم کرنے کی اجازت دی اور اس کے لئے معقول اخراجات عطا کئے اسی تعلیم کو میں ہر جگہ اور ہر ملک میں تمام خواتین اسلام کی زندگی کا سب سے پہلا فرض سمجھتی ہوں اس کے بعد دُنیاوی زندگی ہے جس کے لئے تمدن و معاشرت لازمی و ضروری اور اب عالم اسلامی میں جو خوابیدہ قوتیں بیدار ہو رہی ہیں اور جو احساس دلوں میں پیدا ہو گیا ہے اس کا لازمی نتیجہ تمدنی و معاشرتی رسوم و حالات میں عظیم الشان تغیر و تبدیلی بھی ہے لیکن ہمارا مطمحِ نظر یہ ہونا چاہیئے کہ ایک بُرائی سے نکل کر دوسری برائی میں مبتلا نہ ہو جائیں اور وہ اعتدال

قائم رہے جس سے تلف شدہ حقوق بھی حاصل ہوں اور عورتیں تمدن و معاشرت اور علوم و فنون میں بھی عروج حاصل کریں جنسیت قائم رکھیں فطری فرائض ادا کرنے کے قابل رہیں اور یہی وہ مطمح نظر ہے جس سے ہمیشہ روحانی پاکیزگی اور روحانی سکون حاصل رہے گا۔

خالق کائنات نے عورتوں کی ذات سراسر سکینہ یعنی تسلّی بنائی ہے اور جب عورت ان مشاغل کو اختیار کریگی جو اس سکینہ کے متضاد ہوں گے تو وہ گویا فطرت سے متقابل اور متصادم ہوگی اور وہ یقیناً پاش پاش ہوجائے گی۔

موجودہ زمانہ سے قبل بھی مختلف قوموں نے تمدن میں عروج و کمال حاصل کیا ہے روم و یونان کا تمدن آج تک ضرب المثل ہے۔ ایرانی و ہندوستانی تمدن کی داستانیں بھی موجود ہیں۔ عربی تمدن آج تک آثار و تاریخ کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے اور پھر آج یورپ کا ترقی یافتہ تمدن بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ عورت عروج تمدن کے ہر دور میں ایک زبردست ہستی رہی ہے اس نے قدیم و جدید تمدن میں حصہ لیا ہے لیکن اس امر پر ہم کو غور کرنا چاہیئے کہ اس نے اس تمدن میں شریک ہوکر کس قسم کے نتائج پیدا کئے اگر وہ نتائج فطرت جنسی کے مطابق ہیں اور عورت کا شرف و عزت اور ناموس و وقار باقی رہتا ہے تو بلاشبہ وہ قابل قبول ہیں اور اگر حالت برعکس ہے تو یقیناً وہ تمدن ہمارے مناسب حال نہیں۔

موجودہ تمدن جو یورپ کی پیداوار ہے اس حالت کا انقلابی نتیجہ ہے جو سولہویں صدی تک علی العموم یورپ میں عورتوں کے حقوق انسانیت و مدنیت کے متعلق رونما تھی جب یہ تمدنی انقلاب شروع ہوا تو عورتوں نے زبردست حصہ لیا اور وہ کامیاب ہوگئیں لیکن ساتھ ہی حدود و اعتدال پر قائم نہ رہ سکیں اور آج آزادیٔ نسواں کا مسئلہ پھر حکماء اور عقلاء یورپ کے ذہنوں اور دماغوں میں ہیجان برپا کئے ہوئے ہے۔

اے خواتین اسلام! شریعتِ اسلام کے احکام بہت صاف ہیں آپ سب ان کو دیکھ سکتی ہیں اور جہاں کہیں کچھ تذبذب اور اطمینانِ قلب کی ضرورت ہو وہاں روشن خیال اور غیر متعصب علماء سے مدد لے سکتی ہیں۔ آپ کے سامنے تاریخ اور سیر میں ان احکام کا بکثرت اور واضح نمونۂ عمل بھی موجود ہے اس لئے بہ حیثیت مسلمان کے آپ

پہلے ان واجب التعمیل احکام کا مطالعہ کریں اور پھر آپ خود ہی بہتر فیصلہ کریں گی تاہم اس قدر نصیحت ضرور کروں گی کہ اس انقلابی حالت میں اس وقت تک کوئی راستہ اختیار نہ کریں جب تک غور کامل اور معلومات کافی حاصل نہ کرلیں"۔

لیکن سرکار عالیہ مسلمان عورتوں کو چھوئی موئی کی پتّی بنانا نہیں چاہتی تھیں۔ ان کی دلی آرزو تھی کہ مسلمان عورت میں علم کے ساتھ ہی بہادری اور ہمت کی وہ حقیقی رُوح موجود ہو جو عہد عروج اسلام کی خواتین میں تھی اور اسی بنیاد پر انھوں نے اپنے ملک میں گرل گائڈ کی تحریک کو قبول کیا اور اس کو نمائشی نہیں بلکہ اصلی رنگ میں لانے کی کوشش فرمائی۔

سرکار عالیہ نے اس تحریک کا اجرا اور اس کی حمایت جس اصول پر کی وہ ان کی تقریروں سے نمایاں ہے اور کون اس بدیہی امر سے انکار کرسکتا ہے کہ قومی زندگی کے لئے عورتوں میں ایسی اسپرٹ پیدا ہونے کی اشد ضرورت ہے۔
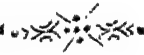
خواتین کے نام پیغامِ آخریں

۱۹۳۰ء میں پرنس آف ویلز لیڈیز کلب میں نہایت اعلیٰ انتظامات کے ساتھ ہفتۂ اطفال منایا گیا تھا جس کا افتتاح سرکار عالیہ کے دستِ مبارک سے ہونے والا تھا لیکن دو تین دن قبل مزاج گرامی ناساز ہوگیا اس لئے بذاتِ خاص تشریف نہ لاسکیں تاہم اس موقع کے لئے پیغام شفقت تحریر فرما کر بھیجا[۱] جو سرکار عالیہ کے شفیقانہ و ہمدردانہ خطبات عالیہ میں سب سے آخری مخاطبت ہے۔ اس کی مخاطب اگرچہ خواتین بھوپال تھیں لیکن بالواسطہ تمام خواتین ہندوستان اس کی مخاطب ہیں۔

"میں اپنی اس مسرت کو بیان نہیں کرسکتی جو مجھے ان کوششوں کو دیکھ کر ہوئی ہے جو

---

[۱] اس نمائش کا افتتاح علیا حضرت جناب ہر ہائی نس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ دام اقبالہا نے فرما کر حضور ممدوحہ کے اس پیغام عطوفت کو سنایا۔

اعلیٰحضرت نواب سکندر صولت افتخار الملک بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ اور ان کی گورنمنٹ کے ارکان و عہدہ داران رعایائے بھوپال کی ترقی کے متعلق عمل میں لارہے ہیں میں آج کے پُرمسرت جلسہ میں ضرور شریک ہوتی لیکن میری عدم شرکت کی وجہ محض اصول حفظ صحت ہی کی پابندی ہے جس کے متعلق میں ہر فرد انسانی کے لئے متمنی ہوں۔

آپ یقین کریں کہ میں اس وقت چشم تصور سے آپ کے جلسہ اور آپ کے جوش و انہماک کو دیکھ رہی ہوں اور اپنے دل میں ایسی مسرت کا احساس پاتی ہوں جو غیر محدود مستقبل کی اصلی تمناؤں سے لبریز ہے ساتھ ہی میں اس دُعا میں مصروف ہوں کہ خداوند جل و علیٰ آپ کے فیاض و عزیز فرمانروا کے سایۂ عاطفت میں آپ کو ہر قسم کی مسرتیں عطا کرے اور اُن تمام ترقیوں میں جو ایک متمدن ملک کے باشندوں کو حاصل ہوتی ہیں روز افزوں اضافہ کرے۔

آج جس غرض اور جس مقصد کے لئے آپ سب جمع ہیں وہ ایسا اہم مقصد اور ایسی عظیم الشان غرض ہے کہ جس کی تکمیل کے لئے تمام دُنیا کے باشندے خواہ وہ کسی ملک و ملت سے متعلق ہوں آرزومند رہتے ہیں آفرینش کی ابتدا سے انسان کی رُوح کی گہرائیوں میں اس کا جذبہ ودیعت کیا گیا ہے اور انسانی ارتقا کے ہر دَور میں اس کے ساتھ وابستہ رہتا ہے ہم اس مقصد و غرض کو "تندرستی اطفال" یا اصولِ حفظان صحت کے مطابق بچوں کی غور و پرداخت کے دو مختصر جملوں میں بیان کر سکتے ہیں اس کا نہ صرف قوموں اور ملکوں کی ترقی و تنزل اور آزادی و غلامی سے تعلق ہے بلکہ وہ انسانی انفرادی زندگی کے ہر مرحلہ سے بھی تعلق رکھتا ہے اور اس لئے ہر اُس گھر میں جہاں کوئی بچہ ہے ہم اس کو محبت کے پاکیزہ جذبہ کے ساتھ نمایاں طور پر دیکھتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی ناقابل تردید ہے کہ اس کے حصول کی تدابیر میں عموماً غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور جب وہ غلطیاں مسلسل اور متواتر ہوتی ہیں تو انفرادی نقصان کا مجموعی اثر اقوام و ملل تک پہنچتا ہے اس بنا پر متمدن قوموں نے زنانہ تعلیم کی اشاعت اور تربیت اطفال کے باقاعدہ طریقوں کو رائج کرکے ان غلطیوں اور ان کے مہلک اثرات کو دُور کرنے کی کوشش کی ہے اور کامل اصولِ حفظِ صحت پر بچوں کی تربیت کے لئے وسیع پیمانہ پر انتظامات کئے ہیں

بھوپال میں بھی آپ کے بیدار مغز اور فیاض فرمانروا نے ایسے انتظامات کی وسعت و تکمیل پر اپنی توجہات کو فیاضانہ طور پر مبذول کیا ہے اور آپ کی خوش قسمتی سے ان انتظامات کا تعلق ہز ہائی نس کی گورنمنٹ کے ایک ایسے رکن حکومت سے ہے جو علوم حفظان صحت میں مستند اور ماہر شخصیت[1] ہے اور جو نہایت جوش و انہماک کے ساتھ اعلیحضرت کے مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہے تو اب تمام رعایائے بھوپال کا یہ کام ہے کہ وہ ان انتظامات سے فائدہ حاصل کرے۔ مجھے یقین ہے کہ رعایائے بھوپال ان انتظامات سے بہرہ کافی حاصل کر کے اپنی اور اپنی نسلوں کی صحت و تندرستی کی حفاظت کرے گی۔

رعایائے بھوپال کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ وہ بہت سی بہترین روایات کی حامل ہے ایک صدی سے کچھ ہی زیادہ عرصہ گذرا کہ جب بھوپال کی رعایا نے شہر کی فصیلوں کے اندر و باہر دو زبردست حملہ آوروں کے مقابلہ میں جو ان سے دس یا دگنا زیادہ تھے مدافعانہ جنگ میں نہ صرف اپنی ہستی کو فنا ہونے سے بچالیا بلکہ تاریخ میں ایک لازوال شہرت حاصل کر لی۔ اس کی وجہ ان کے جسمانی قویٰ کی مضبوطی اور دل و دماغ کی قوت ہی تھی۔ اسی طرح امن و امان کے زمانہ میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں اور ان ہی کی ذہنی قابلیتیں نشو و نما پاتی ہیں اور اُن ہی کے دماغ صاف و بیدار ہوتے ہیں جن کے قوائے جسمانی کی نشو و نما بہترین طریقوں پر ہوتی ہے۔

اصلاح رسوم

سرکار عالیہ اصلاح رسوم کی زبردست حامیوں میں تھیں اور اس کے علمی امثال و نظائر سے اُن کی زندگی کی کوئی شاخ خالی نہ تھی علاوہ اس کے وہ بہ حیثیت ایک مصلح کے ہمیشہ اپنا فرض سمجھتی تھیں کہ اصلاح رسوم کا خیال جہاں تک ممکن ہو عام ہو جائے اور ہر خاندان اس کو اختیار کرے۔ جو عورتیں

---

[1] عالی مرتبت ڈاکٹر سعید الظفر خان مشیر المہام صیغہ تعلیمات و حفظان صحت۔

شرفیاب حضوری ہوتیں اُن کو اخلاق و مذہب اور عقلی مصلحت اندیشیوں کے مختلف و مؤثر پیرایوں میں عموماً نصائح دل پذیر فرماتیں تاکہ رفتہ رفتہ رسم و رواج کی بندشیں ڈھیلی ہوتی جائیں اور عورتوں کے خیالات روشن ہوں۔ چنانچہ اسی خیال سے فروری ۱۹۱۹ء میں پرنسس آف ویلز کلب کے جلسہ میں ایک زبردست تقریر بھی فرمائی تھی جس کی تمہید میں فرمایا تھا کہ :۔

"مجھے ایک عرصہ سے اس امر پر یقین ہے کہ اگر مسلمانوں کی تقریبات کی رسومات میں اصلاح ہو جائے تو ایک بڑی حد تک افلاس کی مصیبت دُور ہو جائے گی اور ان کو گناہوں اور بداخلاقیوں سے جو اُن رسومات کا لازمی نتیجہ ہیں نجات ملے گی۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے ان فضول اور غیر شرعی مراسم کا میلان عورتوں میں بہت زیادہ ہے اور اگر عورتیں ان رسومات کو مٹانا چاہیں تو بہ آسانی مٹا سکتی ہیں میرا یہ خیال و یقین نیا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے ہے جس قدر عقلمند لوگ گذرے ہیں اور موجود ہیں سب کا یہی خیال اور یقین ہے۔ میری والدہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کا بھی اسی پر عملدرآمد تھا چنانچہ تم میں سے بعض نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ میری شادی میں کوئی فضول اور نامشروع رسم ادا نہیں کی گئی تھی اور حتی الامکان دوسروں کے لئے بھی اسی کی کوشش کی تھی۔

مسلمانوں میں اس وقت جو رسمیں جاری ہیں اُن میں کچھ تو وہ ہیں جو غیر اقوام کے میل جول سے پیدا ہوئیں لیکن بالآخر مسلمانوں کی قومی رسمیں بن گئیں اور کچھ وہ رسمیں ہیں جن کو مذہب نے بتایا اور اخلاق و اسلام میں داخل ہوئیں۔ اور وہ مسلمانوں کے لئے واجب و مسنون ہیں لیکن ان میں بھی افراط و تفریط کر کے نہایت مضر بنا لیا ہے"۔

اس کے بعد پھر تمام رسوم پر ایک جامع تبصرہ تھا جو خواتینِ اسلام کے غور و مطالعہ کے قابل[1] ہے۔

اِس اصلاح کے سلسلے میں ایک موقع پر قاضیِ ریاست کو اُن کی سفارش پر اس طرح توجہ دلاتی ہیں کہ :۔

"قاضی صاحب کو خود اس جانب توجہ کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں کو اسراف سے روکیں۔ چھ روپے تنخواہ والے کو کیا بیس روپے نکاح شرعی میں کافی نہیں ہیں۔ قاضی صاحب خود غور کریں

---

[1] مسلک شہوار۔

کہ اسلام نے ہر بات کو کس قدر آسان کر دیا ہے۔ اگر لڑکی کو جہیز دینا ہے تو قاضی صاحب کارروائی مہرِ معجل کی کر کے زیور بنوا سکتے ہیں۔

ہم کبھی تقریبات میں فضول خرچی روا نہیں رکھتے خصوصاً علما ر شرع متین کو ایسی سفارشوں سے علیحدہ رہنا چاہیئے جو خلافِ سُنّت اور داخلِ اسراف ہوں"۔

لیکن ایک دوسرے موقع پر اخراجات تقریبات کے معیار کو بھی اس طرح بتا دیا ہے کہ:-

"آپ تمام صاحبان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم کو فضول رسموں سے نفرت ہے اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر خدا تعالےٰ نے دیا ہے تو تقریبات میں رسوم کر کے دوسروں کو فائدہ نہ پہنچایا جائے کیونکہ بعض رسمیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن یہ سب متمول ہونے پر منحصر ہے یہ نہیں کہ خود کھانے کو نہیں مگر تقریبات کر کے اور زیر باری میں پھنس گئے"۔

سفر و سیاحت

سرکارِ عالیہ نے صدر نشین ہونے کے بعد تیس سال کے دوران میں ہندوستان اور ہندوستان کے باہر متعدد سفر کئے، شہنشاہی دربار [illegible] مختلف کانفرنسوں میں شریک ہوئیں بعض ریاستوں میں عزیزانہ مراسم کے لحاظ سے بحیثیت مہمان تشریف لے گئیں۔ چند مرتبہ علی گڈھ میں وزیٹر اور چانسلر کی شان سے رونق افروز ہوئیں، بیرونِ ہند ادائے حج اور زیارت روضۂ نبوی کے لئے حرمین شریفین گئیں۔ اور دو مرتبہ یورپ کا سفر کیا۔ ان سفروں میں سرکارِ عالیہ نے ہمیشہ "سیروا فی الارض" کے منشاء کو ملحوظ رکھا اور بہترین نتائج اخذ کئے۔

ہندوستان کے سفر

دہلی

سفرِ ہندوستان کے سلسلہ میں سب سے پہلے ۱۹۰۲ء کے دربارِ کارونیشن منعقدۂ دہلی میں شریک ہوئیں، دربار ۱۸۷۷ء کے بعد یہ دوسرا موقع دار السلطنت دہلی میں شہنشاہی تقریب کی شرکت کا تھا۔

سرکارِ عالیہ کا کیمپ رہتک کی سڑک پر نصب کیا گیا تھا جس پر ایک سبز جھنڈا شان و شوکت کے ساتھ نمایاں صورت میں لہرا رہا تھا اُس پر ہلال کا خوشنما دائرہ اور زردوزی سے عربی فارسی کے درخشندہ طغرے صاف ظاہر کر رہے تھے کہ یہ ایک مسلمان والئی ملک کا کیمپ ہے، اس کیمپ میں سب سے زیادہ قابلِ دید چیز ایک اونچی قنات تھی جو وسط میں نصب کی گئی تھی اور چاروں طرف سے پردۂ شاہی کا احاطہ کئے ہوئے تھی، باغ نہایت خوبصورتی سے لگایا گیا تھا اور صبح سے شام تک ریاست کا مشہور بینڈ بجا رہتا تھا۔

ہز اکسیلینسی وائسرائے اور لیڈی کرزن، ہز رائل ہائینس ڈیوک اور ڈچز آف کناٹ کے داخلۂ دہلی

کے وقت سرکار عالیہ کے لئے پلیٹ فارم پر ڈیروں کی قطار کے واہنے سرے پر ایک چھوٹا سا
نگین شامیانہ نصب کر دیا گیا تھا جس کے دروازہ پر زربفت کی چلمن پڑی ہوئی تھی سرکار عالیہ اسی میں
تشریف فرما ہوئیں اور ہز ایکسیلینسیز اور ڈیوک و ڈچز آف کناٹ نے شامیانہ کے پاس تشریف لاکر
ملاقات کی۔

یکم جنوری کو جب ایمفی تھیٹر میں ہز ایکسیلنسی ویسرائے کی تقریر کے بعد رؤسا پیش ہوئے تو سرکار عالیہ
نے بھی اپنی جگہ سے شہ نشین تک تشریف لے جا کر پردہ نشین ہونے کی وجہ سے اپنی مبارکباد بصورتِ
تحریر پیش کی جو ہاتھی دانت کے ایک کاسکٹ میں رکھی ہوئی تھی اور کاسکٹ متعدد بیش بہا جواہرات سے
مرصع تھا جس پر نواب احتشام الملک عالی جاہ جنت آشیاں اور تینوں صاحبزادوں کی تصویریں کندہ
تھیں اس کے بعد دیگر خاص خاص تقریبات دربار میں شرکت کی۔

سنہ ۱۹۱۱ء کا دربار دہلی

دوسری مرتبہ سنہ ۱۹۱۱ء کے مشہور دربار تاجپوشی میں شریک ہوئیں جب دربار
خاص میں اعلیٰحضرت شہنشاہِ معظم نے باریابی عطا فرمائی تو سرکار عالیہ
نے اس موقع پر ایک فصیح و مختصر تقریر میں مبارکباد دی اور ایک ایڈریس پیش کیا جو کشتی کی شکل کے کاسکٹ
میں رکھا ہوا تھا اور اُس کے کمروں میں سرکار عالیہ اور خاندان کے ممبروں کی تصویریں تھیں اور اس کشتی
کو ہندوستانی ملّاح کھے رہے تھے۔

ایڈریس پیش کرتے ہوئے سرکار عالیہ نے انگریزی میں کہا کہ :-

"یہ تحفہ ہمارے جہازراں بادشاہ کے لئے ہے"

ملک معظم نے بہت پسند فرمایا اور ارشاد کیا کہ یہ تحفہ میرے شوق کے مطابق ہے۔

سرکار عالیہ کا یہ زمانۂ قیام درباروں اور تقریبوں میں شرکت کے علاوہ مختلف النوع مصروفیتوں میں گذرا۔
اِس موقع پر ایک معزز انگریز خاتون میری فرانسس بلینگٹن بھی بطور سیاح آئی ہوئی تھیں اور
متعدد مرتبہ سرکار عالیہ سے ملیں انھوں نے مئی سنہ ۱۹۱۲ء کے وومینس میگزین میں جو لندن کا ایک موقر رسالہ
ہے سرکار عالیہ کے مختصر حالات تحریر کرتے ہوئے اپنی ملاقات کا حسب ذیل تذکرہ کیا ہے۔

"جب میں دربار کے موقع پر دہلی گئی تھی تو مجھ کو اپنی خوش نصیبی سے ایک بار سے زیادہ علیا حضرت
سے ملنے کا موقع حاصل ہوا آپ کا شاندار خیمہ تھا خاص ملاقات کے ....

خیمہ میں ملک معظم اور ملکہ معظمہ کی تصویریں تھیں جو ملک معظم اور ملکہ معظمہ نے خود عطا فرمائی تھیں یہ تصاویر خوبصورت گنگا جمنی چوکھٹوں میں لگی ہوئی تھیں۔ نادر و کمیاب قالین بچھے ہوئے تھے اور پہلوؤں میں خوبصورت ریشم کے پردے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔

دربار کے اگلے دن علیا حضرت خاص خاص یوروپین خواتین اور نیز بہت سی اینگلو اور دیگر ہندوستانی خواتین کو سہ پہر کے وقت پارٹی میں مدعو فرما رہی تھیں آپ نے مجھ کو یہ افتخار بخشا تھا کہ میں دیگر مہمانوں سے نصف گھنٹہ پیشتر آؤں تاکہ کچھ لطف گفتگو رہے۔ چنانچہ میں قریب قریب انگریزی اور امپیریل افواج کے شاندار منظر کو دیکھکر براہ راست آئی تھی۔

فطرتی طور پر آپ کا پہلا سوال یہ تھا کہ ہندوستان کے باقیماندہ دیسی رسالوں کے ساتھ ساتھ وکٹوریہ لانسرز بھی اچھا معلوم ہوتا تھا یا نہیں؟

میں نے علیا حضرت کو یقین دلایا کہ پریڈ کے وسیع میدان میں وکٹوریہ لانسرز کے مقابلہ میں کیا مارچ پاسٹ کیا پر جوش اور سریع رفتار میں کسی نے بھی اس سے زیادہ پھرتی اور بہادری کا ثبوت نہیں دیا۔

اگرچہ یہ صبح آپ کے لئے مایۂ ناز تھی لیکن افسوس کی گھٹا بھی چھائی ہوئی تھی آپ کے منجھلے فرزند (جو آپ کو اس لئے زیادہ عزیز ہیں کہ انھوں نے ایک نیک مسلمان کی حیثیت سے سب سے نمایاں اعزاز حاصل کیا تھا یعنی وہ حافظ قرآن ہیں) سخت بیمار تھے اور وہ اُن بڑی بڑی تقریبوں میں بالکل شریک نہ ہو سکے اس واقعہ سے چند روز پیشتر علیا حضرت نے ملکہ معظمہ سے اس موقع پر (جبکہ ملکہ معظمہ نے آپ کو تخلیہ میں شرف باریابی عطا فرمایا تھا) اپنی پریشانی خاطر کا اظہار کیا تھا ملکہ معظمہ نے (جو ہر وقت ہمدردی کے لئے تیار رہتی ہیں اور جو ان کی طبیعت کا خاصہ ہے) اپنے خاص سرجن سر ہیو ریلاک چارلس کو اس نوجوان کے دیکھنے کے لئے بھیجا تھا سرجن مذکور نے جو رائے دی وہ بالکل مسرت خیز نہ تھی چنانچہ جب علیا حضرت اس امر کا تذکرہ فرماتی تھیں تو اُن کے چہرے سے غم کی جھلک نظر آتی تھی اور اُسی کے ساتھ آپ کی اس شکر گذاری اور افتخار کا اظہار بھی صاف صاف نمایاں تھا جو ملکہ معظمہ کی پُر اثر تشویش خاطر سے پیدا ہوا تھا۔

میزبان کی حیثیت سے آپ بہمہ وجوہ کامل تھیں ہر شخص بے تکلف تھا آپ اپنی فہانت

اور اور اک سے معلوم کر لیتی تھیں کہ ہر ایک مہمان کو کس کس بات سے خاص دلچسپی ہے۔ چا، اور انواع و اقسام کی بہ کثرت یورپین انداز کی کیک کے ساتھ ساتھ عجیب و غریب مشرقی مٹھائیاں بھی موجود تھیں اور بڑے بڑے پھلوں کے نمونے شکر پر منقش تھے جو اصلی معلوم ہوتے تھے۔

اس خاص موقع پر نہیں بلکہ اس سے پہلے تقریب دربار کے موقع پر آپ نے ایک بڑی پیاری بات کہی کسی حرف گیر شخص نے یہ شکایت کی تھی کہ جلوس کے وقت ملک معظم اور ملکہ معظمہ کی سواری کے لئے ہاتھی نہ تھے یہ کسر ضرور رہ گئی۔ علیا حضرت نے آہستہ سے کہا "کیوں؟" نکتہ چیں نے حسب معمول نپا تلا جواب دیا کہ مشرقی شان و شوکت کے لئے یہ ضروری ہے غرض کہ اس قسم کی باتیں کیں علیا حضرت نے کسی قدر زور سے جواب دیا کہ "لاحول و لا قوۃ یہ بھی کوئی بات ہے۔ دہلی کا پہلا فاتح گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا ملک معظم جارج نے بھی جو ہمارے دلوں کا فاتح ہے یہی کیا ہے۔"

اس دربار کے بعد بھی متعدد مرتبہ دہلی جانے کا اتفاق ہوا۔ روسا ہند کی اعلے تعلیم کی کانفرنس اور چیفس کانفرنسوں کے اجلاسوں میں شریک ہو کر نہایت بیدار مغزی اور دلچسپی سے عملی حصہ لیا وار کانفرنس اور ازاں بعد اس ٹڈز میں بھی شریک ہوئیں جو روسا ہند نے امپریل وار کانفرنس کے ہندوستانی ممبروں کو دیا تھا۔ دوسرے موقع پر آنریبل مسٹر مانٹیگو سے بھی ملاقات ہوئی اور دیر تک مختلف معاملات پر گفتگو ہوتی رہی۔ لیڈی ہیلی کی درخواست پر دہلی میں ایک زنانہ باغ کا افتتاح کیا جس کا انتظام لیڈی موصوفہ نے ہندوستانی عورتوں کے لئے کیا تھا۔ ۱۹۲۸ء میں آل انڈیا ویمنس ایسوسی ایشن کے شعبۂ تعلیم نسواں کی صدارت فرمائی اور ۱۹۲۹ء میں چائلڈ اینڈ میٹرنٹی ویل فیر کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائیں لیکن ناسازی طبیعت کی وجہ سے شریک نہ ہو سکیں۔

اندور — چونکہ یہ مقام سنٹرل انڈیا کا ہیڈ کوارٹر ہے اس لئے سرکار عالیہ کو یہاں کئی مرتبہ تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا۔

۱۹۲۱ء میں ہز رائل ہائنس پرنس آف ویلز (یعنی شہنشاہ ملک معظم جارج پنجم) سے یہیں ملاقات ہوئی۔ اور حضور ممدوح الشان نے سرکار عالیہ کو جی، سی، آئی، ای کا تمغہ عطا فرمایا۔

ڈیلی کالج کونسل کے اجلاس اندور ہی میں منعقد ہوتے ہیں اور ان اجلاسوں میں عموماً

تشریف لے جاتی تھیں۔

پہلی مرتبہ جب سرکار عالیہ اس اجلاس میں شریک ہوئیں تو کونسل کا رنگ بدل گیا اور آنریبل کرنل ڈیلی نے اس کا اعتراف مہاراجہ سیندھیا کے خاص الفاظ میں اس طرح کیا کہ:۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب یور ہائی نس پہلی مرتبہ ڈیلی کالج کی مینجنگ کمیٹی کے ایک جلسہ میں شریک ہوئی تھیں تو مہاراجہ سیندھیا نے اسی جلسہ سے واپس آکر ہم سے کہا تھا کہ اس سے پہلے تمام معاملات ایسی صفائی اور خوش انتظامی کے ساتھ طے نہیں ہوئے"۔

شملہ سنہ ۱۹۱۰ء میں شملہ تشریف لے گئیں جہاں لارڈ منٹو نے جی، سی، ایس، آئی کا تمغہ دیا۔ اس موقع پر سرکار عالیہ نے پہلی مرتبہ یورپین بچوں کا فینسی بال ملاحظہ کیا۔ لیڈی ڈین کی پارٹی میں بہت سی ہندوستانی خواتین و بیگمات سے ملاقاتیں ہوئیں۔

الہ آباد اسی سال کے آخر میں الہ آباد کی مشہور عالم نمائش کو بہ نظر امعان ملاحظہ فرمایا۔ یہاں مہامنڈل سبھا کے جلسہ میں شریک ہوئیں جو رانی پرتاب گڈھ نے قائم کی تھی۔ اس جلسہ میں حضور ممدوحہ کا ارادہ کسی تقریر کا نہ تھا لیکن تمام تقریریں انگریزی میں ہوئی تھیں اور بہت زیادہ عورتیں نہ تو ان کو سمجھ سکتی تھیں اور نہ کارروائی میں حصہ لے سکتی تھیں۔ اس لئے حضور ممدوحہ نے اردو میں تقریر کر کے مہامنڈل سبھا کے فوائد وغیرہ بیان کئے اور اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

علی گڈھ سنہ ۱۹۱۰ء کے موسم گرما کا کچھ حصہ مسوری میں گذارا تھا اور مراجعت فرماتے ہوئے محمڈن کالج کے معائنہ کی غرض سے علی گڈھ میں قیام فرمایا۔ کلاسوں کو بحالتِ تعلیم ملاحظہ فرما کر سائنس لیبارٹری اور بورڈنگ ہاؤس، لٹن لائبریری، اسٹریچی ہال، نظام میوزیم، اسکول اور انگلش ہاؤس وغیرہ کا معائنہ کیا، سر سید، سید محمود، اور نواب محسن الملک کے مزارات پر فاتحہ پڑھی اور مسجد دیکھی۔

دوران معائنہ میں مختلف سوالات اور ریمارک کئے زنانہ اسکول اور اس کی عمارت کے نقشے ملاحظہ فرمائے اور اسکول کے متعلق ہر مسئلہ پر خیالات کا اظہار فرمایا۔ شام کو خواتین سے ملاقات کی اور زنانہ مسائل پر گفتگو رہی۔

پھر ۲۵ر فروری سنہ ۱۹۱۴ء کو تشریف لے گئیں اور اس موقع پر کئی دن تک قومی کاموں میں مصروف رہیں۔ زنانہ بورڈنگ ہاؤس اور زنانہ کانفرنس کا افتتاح اور صدر دفتر کانفرنس "سلطان جہاں منزل"

کا سنگِ بنیاد نصب کیا۔

اس سفر میں بمبئی کی ممتاز خاتون زہرہ بیگم فیضی بھی معیت میں تھیں جو واقعہ نگاری میں ید طولے رکھتی ہیں انھوں نے تمام واقعاتِ سفر کو قلمبند کیا جو قومی نقطۂ نظر سے بھی بہت دلچسپ ہیں وہ لکھتی ہیں کہ:

"ہم لوگ یعنی ہر ہائی نس نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ اور میں، سرکار عالیہ (فرمانروائے بھوپال) کے ساتھ ۲۵ فروری کو سویرے علیگڈھ روانہ ہوئے۔ سرکار عالیہ کا سیلون نہایت نفیس اور اسبابِ آرائش سے معمور ہے۔ ہلکے آسمانی رنگ کا فرنیچر ہے اور ایسے ہی پردے اور قالین وغیرہ ہیں جس سے موزونیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ لکڑی کی چیزوں پر بھی سنہرے نقش ونگار ہیں جو نہایت نظر فریب ہیں۔ خوابگاہ میں تمام ضروری چیزیں موجود ہیں اور بڑے آرام کے ساتھ سفر ہو سکتا ہے گول کمرہ اگرچہ کشادہ ہے مگر اسی کے ساتھ اور بھی کمرے ہیں غرض اس سیلون میں سفر کرنے سے تکلیفاتِ سفر جہاں تک ممکن ہے ضرور دور رہتی ہیں مجھے پہلے ہی دفعہ اس میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا لیکن سرکار عالیہ کی صحبت ہی بجائے خود ایک عجیب نعمت ہے۔ آپ کی بیدار مغزی دوراندیشی اور ذہانت حیرت میں ڈال دیتی ہے آپ کے ہم سفر ہونے میں ہم دونوں کو عجیب لطف حاصل ہوا۔ چونکہ ہماری گاڑی قریباً نصف گھنٹہ لیٹ تھی، ٹونڈلہ میں پنجاب میل نہ مل سکا۔ اس لئے وہاں فوراً اسپیشل تیار ہوا اور ہم سب ۱۱ بجتے بجتے علیگڈھ داخل ہوئے۔ اسٹیشن پر صاحبان ذوی الاحترام[۱] مع ممبرانِ اسٹاف خیر مقدم کے لئے موجود تھے۔ ان سب صاحبوں کو پرنس حمید اللہ خاں سلمہٗ اللہ تعالیٰ نے سیلون ہی میں سرکار عالیہ کے حضور میں باریاب کرایا اس کے بعد سیلون ایسی جگہ لگایا گیا جہاں پردہ کا انتظام تھا۔ وہاں ہم سب اترے اور سوار ہو کر پہاسو ہاؤس آئے جو پارٹی کے قیام کے لئے تجویز کیا گیا تھا۔ اس موٹر کو خود پرنس لائے تھے اور یہ دیکھ کے مجھے تو بہت اچھا معلوم ہوا کہ اپنی والدہ کے بار محبت کو پرنس آپ اٹھا کے چلے ہیں۔ پہاسو نواب فیاض علی خاں صاحب وزیر جے پور کی کوٹھی ہے اور نہایت آرام دہ اور وسیع ہے

---

[۱] یعنی ٹرسٹی صاحبان۔

کالج کے جملہ معزز مہمان اس کوٹھی میں مقیم ہوتے ہیں۔ بہت سی بی بیاں روز ملاقات کے لئے آتی تھیں اور سرکار عالیہ ان لوگوں کو کیسے تحمل، بردباری اور عمدگی سے تعلیم نسواں کے لئے ترغیب دلاتی اور بحث کرتی تھیں۔ سرکار عالیہ اس قدر سادہ مزاج ہیں اور ایسے ملائم لہجہ اور مؤثر الفاظ میں گفتگو کرتی ہیں جس سے لوگوں کے دل مسخر ہو جاتے ہیں۔ خود بخود ایک اُمنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ اتنا تو میں یقین کرتی ہوں کہ انھوں نے طبقہ نسواں کے اُبھارنے میں جو کوششیں کی ہیں اور کر رہی ہیں اگر لڑکیوں کی قسمت سیدھی ہے تو ان ہی کے عہدِ حکومت میں ان کیلئے ضرور کچھ تو ہو جائے گا۔

۲۷ فروری کو سرکار عالیہ نے عمارت کانفرنس کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اور ایک مفید تقریر فرمائی۔ وہاں بڑی رونق اور بڑا مجمع تھا۔

۲۸ فروری کو اسٹریچی ہال میں ٹرسٹیان کالج کا ایڈریس قبول فرمایا اور یہ ایک نیا قدم تھا کہ گیلری میں خواتین کے لئے بھی انتظام تھا۔ سُنتی ہوں کہ بعض اشخاص نے اس انتظام پر اعتراض کیا تھا۔ خدا جانے کب یہ تعصبات دُور ہوں گے اور یہ لوگ احکامِ الٰہی کو سمجھیں گے۔ خیر ۱۲ بجے تک تمام ہال طلبائے کالج اور معزز آدمیوں سے بھر گیا ان سب کو دیکھکر عجیب فرحت پیدا ہوتی ہے۔

تمام لڑکوں کے سر پر سُرخ فز (ترکی ٹوپی) نے ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی اور جب وہ ہلتے یا چلتے پھرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ بحرِ احمر لہریں مار رہا ہے۔

اس وقت اتفاق سے ٹرکی ہلالِ احمر کے ممبران ڈاکٹر عدنان بے اور ڈاکٹر کمال بے بھی جو علیگڈھ میں موجود تھے شریکِ جلسہ تھے۔

صاحب کلکٹر ضلع، صاحب کمشنر اور صاحب انسپکٹر جنرل پولیس اور چند یورپین لیڈیز و جنٹلمین بھی موجود تھے غرض تمام ہال آدمیوں سے بھرا ہوا تھا۔

نواب حاجی محمد اسحاق خاں آنریری سکریٹری نے اجازت کے بعد منجانب ٹرسٹیان ایڈریس پڑھا۔ ایڈریس کے بعد سرکار عالیہ نے ایک دلچسپ تقریر فرمائی۔

اس تقریر[۱] کے وقت عجب قسم کی متضاد کیفیتیں پیدا ہوتی تھیں کبھی زور وشور کے چیرز ہوتے تھے کبھی ایک ایسا سناٹا ہوتا تھا جو مشفقانہ نصائح کے اثر سے ہوتا ہے۔ اسپیچ قریباً ۴۰ منٹ میں ختم ہوئی۔

شام کو کرکٹ کے میدان میں تشریف لے گئیں۔ وہاں کالج کی باہمی مقابلہ کرنے والی ٹیموں میں سے کامیاب ٹیم کو شیلڈ عنایت فرمایا۔ آج کل کالج کے کپتان پرنس حمید اللہ خاں ہیں اور جب سے یہ کپتان ہوئے ہیں کرکٹ کو خاص رونق ہوگئی ہے ان کی ٹیم مشہور اور بڑی بڑی ٹیموں کو ہرا چکی ہے یہ بھی عجب حُسنِ اتفاق ہوا ہے کہ کالج کے اس مقابلہ کی کامیاب ٹیم کا کپتان بھی بھوپال کا طالب علم تھا جو سرکار عالیہ کی فیاضی کی بدولت کالج میں تعلیم پا رہا ہے جس وقت شیلڈ لینے کے لئے اِس طالب علم کا نام پکارا گیا اور وہ سامنے آیا تو بڑے زور وشور کے ساتھ چیرز دیئے گئے چونکہ کرکٹ کے مصارف بہت ہیں اور کرکٹ ٹیم کالج کی عزت وشہرت کا باعث ہے اس لئے سرکار عالیہ نے دو سو روپیہ ماہوار اس کلب کو عطا فرمائے۔ یہاں سے ٹرسٹیوں کے کلب میں تشریف لے گئیں اور وہاں بھی تعلیم نسواں کے متعلق بہت دیر تک بحث ہوتی رہی۔

ڈاکٹر ضیاء الدین جو اپنی تعلیم کے لحاظ سے ہماری قوم میں ایک بڑے ممتاز شخص ہیں افسوس ہے کہ تعلیم نسواں کے متعلق محدود خیالات رکھتے ہیں۔ اس موقع پر اُن سے بہت پُرلطف گفتگو ہوئی۔

---

[۱] اس تقریر کو کالج کی اُن تمام تقریروں میں جو آج تک اسٹریچی ہال میں کی گئی ہیں سب سے اعلےٰ شمار کیا جاتا ہے ہر ہائی نس نے کالج کے چہرے پر سے نقاب اُٹھا کر یہ تقریر کی تھی اور تمام اہم مسائل پر بالخصوص طلباء واسٹاف اولڈ بوائز اور ٹرسٹیز، شیعہ سنی کے تعلقات، کالج کی توسیع وانتظامات، اس کی عظمت وشہرت، طلباء واسٹاف کے فرائض، گورنمنٹ کے ساتھ تعلقات محسنین کے احسانات سب پر اپنے خیالات ظاہر فرمائے۔ اس تقریر کے اس حصہ میں جہاں طلباء کو خاص طور پر مخاطب کرکے نصیحت فرمائی ہے وہ نہایت پُر اثر ہے ۔۱۲

یکم مارچ کو وہ جلسہ ہوا جس میں قومی ترقی کی علامتیں نظر آتی تھیں ٹھیک گیارہ بجے سرکار عالیہ کے ہمراہ ہم دونوں اسلامیہ بورڈنگ اسکول کی رسم افتتاح دیکھنے کے واسطے گئے، ہم لوگ بورڈنگ کے پھاٹک پر اُترے۔ اور سرکار عالیہ سلطانیہ بورڈنگ ہاؤس کا سنگ بنیاد رکھنے تشریف لے گئیں، سرکار عالیہ نے اس بورڈنگ کا سنگِ بنیاد رکھنے سے انکار کر دیا تھا، لیکن جب وہاں تشریف لے گئیں اور شیخ عبداللہ نے اس کی فوری ضرورت کو اڈریس میں ظاہر کیا اور ان کو سرکار عالیہ نے قابل توجہ سمجھا تو سنگِ بنیاد رکھنا منظور کیا اس رسم کے وقت بھی سرکار عالیہ نے برجستہ اور زبانی تقریر فرمائی اور نہایت فصاحت کے ساتھ تعلیم نسواں کی ترقی و اشاعت کی طرف توجہ دلائی۔

ہم بورڈنگ اسکول کے پھاٹک میں داخل ہوئے وہاں عجب نظارہ دکھائی دیا معزز بیگمات اور خواتین موجود تھیں۔ قریباً دو سو سے زائد بی بیاں اور بچے تھے پھاٹک سے بورڈنگ ہاؤس تک سب کے سب مختلف رنگ مختلف وضع کے لباس پہنے دھوپ میں بے سایہ کھڑے تھے یہ دیکھکر مجھے بہت بُرا معلوم ہوا کہ اس قدر بے انتظامی ہے۔ کاش شامیانہ ہی لگا دیا ہوتا کہ تمازتِ آفتاب سے چہرے نہ جھلستے جب ایسی بدنظمی ہوتی ہے تو جلسہ کی خوشی ہی کافور ہو جاتی ہے آنے والیاں کیا کہہ سکتی تھیں وہ طوعاً و کرہاً اغماض کر گئیں ....

ہر ہائی نس بیگم صاحبہ جنجیرہ اور میں بی بیوں سے کچھ ملے کچھ نہ ملے اور بورڈنگ میں چلے گئے اور وہیں سرکار عالیہ کا انتظار کرتے رہے۔ ہماری طاقت سے باہر تھا کہ ہم ایسی سخت دھوپ کی تکلیف برداشت کر سکتے البتہ سایہ میں بیٹھ کر رنگا رنگی جھمگاتے لباس دُور سے دیکھنا ایک حد تک لطف پیدا کرتا تھا لیکن جب یہ خیال آتا تھا کہ یہ بیچاریاں خود تکلیف اُٹھا کر ہماری آنکھوں کے لئے لطف کا سامان پیدا کرتی ہیں تو بُرا معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سرکار عالیہ بورڈنگ میں رونق افروز ہوئیں سب بی بیاں استقبال کے لئے دروازہ تک آئیں۔ بعد حمد و ثنا اور درود کے سرکار عالیہ نے قفل کھولا اور کواڑ کھول کر بورڈنگ میں داخل ہوئیں اور اُن کے بعد سب بی بیاں اندر چلی گئیں تمام کمرہ بھر گیا تھا اور واقعی ایک خوشی پیدا ہوتی تھی کہ مختلف دیار و امصار کی بی بیاں بعید مسافت طے کر کے صرف شرکت کی غرض سے یہاں تک آئی ہیں خدا وند کریم کا شکر ہے کہ جس

نے ہم سب کو ایک جگہ جمع کر دیا اور موقع دیا کہ تبادلۂ خیالات کر سکیں اس کے بعد جلسہ شروع ہوا پہلے عبداللہ بیگم نے ایڈریس پڑھا اس کے بعد سرکار عالیہ کی تقریر ہوئی سرکار عالیہ کی تقریر کے بعد محمودہ بیگم صاحبہ نے شکریہ ادا کیا پھر "ز ح ش" "غائب بیگم صاحبہ کے اشعار پڑھے گئے۔ اس قدر کارروائی کے بعد جلسہ ختم ہوا۔ ایڈریس سرکار عالیہ کو کارچوبی کام کے خریطہ میں پیش کیا گیا۔ ہار پہنائے اور مجلس برخاست ہوئی۔ نماز ادا کرنے کے لئے مہلت دی گئی۔ ذرا سستائے اس کے بعد لیڈیز کانفرنس سرکار عالیہ کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ اکثر بی بیوں نے تائید میں تقریریں کیں۔ سرکار عالیہ سرپرست اور صدر مقرر ہوئیں۔ بارہ وائس پریذیڈنٹ بنائی گئیں۔ ۶۰ کے قریب ممبر ہوئیں نفیس دلہن صاحبہ سکریٹری اور محمودہ بیگم صاحبہ جوائنٹ سکریٹری قرار دی گئیں۔ ممبری کی فیس چھ روپیہ سالانہ مقرر ہوئی۔ ہر ہائی نس نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ اور دیگر اولوالعزم خواتین نے عطیات و وظائف کا اعلان کیا۔

اس کے بعد سرکار عالیہ نے اپنی مصنفہ کتابیں تقسیم فرمائیں، اور کانفرنس ختم ہو گئی۔
اس کے بعد ایک پارٹی میں گئے جس میں ہمیں بھی موجود تھیں۔ پارٹی ختم ہونے پر ہم چلے آئے۔

یہ بھی ایک عجیب قابل بیان لطیفہ ہے کہ بورڈنگ کے افتتاح کے وقت سرکار عالیہ نے کنجی سے قفل تو کھول دیا لیکن کُنڈی چونکہ انگریزی وضع کی اور نئی ہونے کے باعث بہت سخت تھی اسلئے حضور عالیہ سے کوششوں کے ساتھ بھی نہ کھلی اور کئی بی بیوں نے کوشش کی مگر بے فائدہ۔ اس وجہ سے سب کے دلوں میں ایک بے چینی سی پیدا ہو گئی آخر بیگم خواجہ عبدالمجید صاحب بیرسٹر نے آگے بڑھ کر دقت کے ساتھ کھول لیا مگر اس جدّوجہد سے اُن کے ہاتھ میں ایک زخم آگیا اس واقعہ کو ملاحظہ کر کے نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ نے اس وقت بہت موزوں فرمایا کہ "خواتین دیکھو یہ تعلیم نسواں کے دروازے ہیں زبردستی اور دقتوں سے ہی کھلی لیکن آخر کار کھولنے میں ہم لوگ کامیاب ہو گئے ہیں"۔ یہ فقرہ ایسا برمحل اور دل فریب تھا کہ اس پر خوب قہقہہ پڑا اور چیرز ہوئے"۔

تیسری مرتبہ فروری ۱۹۱۶ء میں سلطان جہاں منزل[1] کا افتتاح کرنے تشریف لے گئیں اس موقع پر

[1] یہ ایک نہایت خوشنما اور وسیع عمارت ہے جو سرکار عالیہ اور خاندان شاہی کی فیاضی سے تعمیر ہوئی۔

سرکارِ عالیہ کی تقریر پہلے سے بھی زیادہ صاف بیانی کے ساتھ تھی جس میں قومی تعلیم کے جملہ مسائل پر بحث فرمائی تھی اور اُن نقائص پر جو اشاعتِ تعلیم میں کارکنوں کی غلطیوں کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں شفقت آمیز نصیحت اور قومی سرمایہ کو کفایت شعاری کے ساتھ خرچ کرنے کی ہدایت تھی اور چوں کہ اس وقت حکومت کی پیش کردہ شرائط پر مسلم یونیورسٹی کے قبول کرنے یا نہ کرنے کے سوال نے نہایت اہمیت اختیار کر لی تھی اِس لئے اس کے متعلق بھی نہایت آزادی کے ساتھ اظہار رائے فرمایا۔

مرحوم نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی بھی اس موقع پر موجود تھے تقریر کے بعد انھوں نے سرکارِ عالیہ سے عرض کیا کہ "کاش ان نصائح پر عمل کیا جائے"۔

اس کے بعد تین مرتبہ مسلم یونیورسٹی کانووکیشن میں شرکت کی غرض سے اور ایک مرتبہ کورٹ کے اجلاس میں تشریف لے گئیں۔

لاہور چونکہ ہز آنر سر لوئیس ڈین لفٹننٹ گورنر پنجاب اور اُن کی بانوئے محترم لیڈی ڈین نے جن سے دیرینہ اور خاندانی مراسم تھے بہ اصرار مدعو کیا تھا اِس لئے ۱۹۱۲ء میں لاہور تشریف لے جا کر کئی دن قیام کیا۔ علاوہ مشہور مقامات کی سیر کے زنانہ مدارس وغیرہ کو دلچسپی سے ملاحظہ فرمایا اور خواتین لاہور کی درخواست و اصرار سے ایک زنانہ ہال کا زنانہ جلسہ میں سنگِ بنیاد رکھا اِس موقع پر حضور ممدوحہ نے ایک دلچسپ تقریر فرمائی جو ترقی و اصلاح نسواں کے مسائل و تدابیر پر مشتمل تھی۔

زیب النساء بیگم کے مقبرہ پر بھی گئیں یہ مقبرہ لاہور سے چند میل کے فاصلہ پر نہایت کثیف و غلیظ مقام پر واقع ہے راستہ بھی غلاظت اور کثافت سے بھرا ہوا تھا قدم قدم پر عفونت و بدبو تھی تقریباً ایسے راستہ پر ڈیڑھ دو فرلانگ پیادہ جانا پڑا مقبرہ پر بھی صفائی نہ تھی اور اس کو کثیف انسانوں اور مویشیوں کا مسکن بنا دیا گیا تھا۔ اگرچہ سرکارِ عالیہ کی نفاستِ مزاج کے لحاظ سے وہاں جانا نہایت تکلیف دہ تھا مگر بغیر کسی اظہار نفرت کے ایک خاص جذبہ کے ساتھ یہ راستہ طے کیا اور قبر میں جا کر فاتحہ پڑھی پھر اس عبرت انگیز منظر کو حسرت و تاسف سے چند منٹ ملاحظہ کرتی رہیں اسی اثر سے اس کی صفائی و درستی کے لئے گورنمنٹ پنجاب کو ایک معقول رقم بھی تفویض فرمائی۔[۵۱]

۵۱؎ بعد کو محکمۂ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ مقبرہ زیب النساء بیگم کا نہیں ہے۔

لکھنؤ و نینی تال سرکار عالیہ اور ہرمیجسٹی مسٹن اور لیڈی مسٹن سے نہایت گہری راہ و رسم تھی۔ ان کی دعوت و اصرار پر ایک مرتبہ لکھنؤ اور دوسری مرتبہ نینی تال تشریف لے گئیں۔

نینی تال میں ہزآنر نے سرکار عالیہ کے اعزاز میں ایک بڑا ڈنر دیا۔ سرکار عالیہ نے زبانی تقریر میں جو بہت طویل تھی ہزآنر اور لیڈی مسٹن کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا۔ ہزآنر اور لیڈی صاحبہ نے سرکار عالیہ کے قیام نینی تال کو دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اور خود کاٹ گودام تک استقبال و مشایعت کی۔

گوالیار سرکار عالیہ متعدد مرتبہ گوالیار تشریف لے گئیں آنجہانی مہاراجہ سیندھیا کی والدہ ماجدہ اور سرکار عالیہ میں خواہرانہ محبت تھی اور خاندانی تقریبات میں دونوں طرف سے ہمیشہ دلی خلوص کے ساتھ شفقت و الفت اور محبت کا اظہار ہوتا رہتا تھا۔

پہلی مرتبہ ہمراہیوں میں بیگم رحمٰن فیضی بھی تھیں جو شادی سے قبل ادبی و قومی دنیا میں عطیہ بیگم فیضی کے نام سے مشہور رہی ہیں۔ انھوں نے اس سفر کے حالات نہایت تفصیل و قابلیت سے قلم بند کئے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلہ میں اُن ہی کو درج کیا جاتا ہے جو نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہیں :۔

"جو محبت و ہمدردی گوالیار اور بھوپال کے شاہی خاندانوں میں ہے اس کی وجہ سے ہماری ہر دلعزیز سرکار عالیہ نے گوالیار تشریف لے جانے کا قصد کیا۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ یہ پہلا ہی موقع ہے کہ وہ کسی ہندوستانی ریاست میں تشریف لے جا رہی ہیں۔ جب انھوں نے فرمایا کہ مجھ کو بھی اُن کے ہمراہی میں چلنا ہوگا تو مجھ کو بے حد خوشی ہوئی، کیونکہ ارکین خاندانِ گوالیار ہمارے معزز دوست رہے ہیں اور باوجودیکہ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے سفر کئے ہیں لیکن کسی نہ کسی خاص اتفاق سے اُن کی عنایت آمیز دعوت کبھی قبول نہ کر سکی تھی۔ مجھے اس موقع کے حاصل ہونے سے بے حد خوشی ہوئی اوّل تو اس وجہ سے کہ حضور سرکار عالیہ کی ہمراہی ہے دوسرے اپنے عزیز دوستوں سے ملاقات ہوگی۔

جمعرات - ۱۱ر مارچ ۱۹۱۵ء بھوپال سے گوالیار تک راستہ میں کوئی بات قابل تذکرہ پیش نہیں آئی سوائے اس کے کہ حضور عالیہ کا سیلون (گاڑی) نہایت تکلفات سے آراستہ و پیراستہ تھا اور حضور عالیہ کی عقل و حکمت کی باتوں اور اُن کی خوشگوار ہمراہی میں راستہ

بالکل معلوم بھی نہ ہوا جس وقت گوالیار ٹرین پہنچی تو ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب بہادر سیندھیا نے گاڑی میں داخل ہو کر حضور سرکار عالیہ کا خیر مقدم کیا پھر تھوڑی دیر بعد مسٹر جارڈن رزیڈنٹ تشریف لائے اور حسب دستور سلام وغیرہ ہوئے اور رسمی طور پر خیر مقدم کے الفاظ دوہرائے گئے۔ اس وقت انجن ٹرین سے حضور سرکار عالیہ کی گاڑی علیحدہ کر کے اس پرائیویٹ پلیٹ فارم پر لے گیا جہاں پر پردہ کے لئے قناتیں کنارے تک لگی ہوئی تھیں سفید اور بانانی فرش بچھا ہوا تھا اور پھولوں اور تاڑ کے درختوں سے خوب سجایا گیا تھا۔ ویٹنگ روم اس موقع کے لئے مثل گول کمرہ کے آراستہ تھا۔ مہارانی سنکھیا راجہ صاحبہ مہارانی جنکو راجہ صاحبہ اور مہاراجہ صاحب کی ہمشیرہ منور راجہ صاحبہ نہایت شاندار ساڑھیاں پہنے ہوئے اور چمکتے ہوئے ہیروں اور جواہرات میں لدی ہوئی یہاں پر ہمارا انتظار کر رہی تھیں اور انھوں نے نہایت تپاک سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ چار خواصیں جو عمدہ ہلکے رنگ کے ململ کی ساڑھیاں باندھے تھیں جن پر سنہرا ٹھپہ وغیرہ لگا تھا اور اسی قسم کا زیور گلے میں کانوں اور ہاتھوں اور چاندی کا زیور پاؤں میں پہنے ہوئے نہایت ادب سے سنہرا ہیرے جڑا ہوا پاندان اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے کھڑی تھیں۔

یہ رواج بڑودہ میں بھی ہے کہ جب کبھی مہارانی صاحبہ گائیکواڑ کو کہیں تشریف لے جانا ہوتا ہے خواہ وہ ایک بے ضابطہ ٹی پارٹی ہی کیوں نہ ہو تو وہاں خواصیں پہلے سے پہنچ جاتی ہیں اور مہارانی صاحبہ موصوفہ کی آمد اور حکم کا انتظار کرتی ہیں۔

غرض ہم پورے اسٹاف کے ساتھ محل پر گاڑیوں میں پہنچے اور حضور سرکار عالیہ کے پہنچنے پر توپوں کی سلامی سر ہوئی۔ جے بلاس ایک عالیشان محل ہے جس میں دو سو یا زیادہ کمرے ہیں اور یہ وسط میں ایک مربع سفید عمارت ہے اور اس کے چاروں طرف وسیع میدان ہے جس میں ہو کر مختلف ڈیوڑھیوں میں موٹریں جاتی ہیں۔ مہاراجہ صاحب، بڑی مہارانی صاحبہ، جنکو راجہ صاحبہ اور چھوٹی مہارانی گجرا راجہ صاحبہ اور اُن کا چھوٹا بچہ میری[1] کملا راجہ

---

[1] میری کملا راجہ صاحبہ ہز ہائی نس کی صاحبزادی تھیں جن کو ہز امپیریل مجسٹی کوئن میری قیصرۂ ہند نے اپنا نام مبارک "میری" عطا فرمایا اور ۱۹۳۴ء میں ایک حادثہ سے انتقال ہو گیا۔

سب اس محل میں رہتے ہیں اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ کثیر تعداد کمروں کی ہے اور ہر ایک کے پاس بیس سے لے کر پچیس تک سلیقہ دار ہوشیار اور صاف پوشاکیں پہنے ہوئے خواصیں ان کی خدمت کے لئے موجود رہتی ہیں۔

ہماری گاڑی منو محل کی ڈیوڑھی کے پاس جا کر ٹھہری جہاں پر ہم اُترے اور ایک سنگِ مرمر کے احاطہ میں جس میں سنگ مرمر ہی کا فوارہ چل رہا تھا داخل ہوئے ایک بڑے زینہ سے جو بالکل سنگِ مرمر کا بنا ہوا تھا اور جس کا جنگلا شیشے کا تھا ہم اوپر کی منزل میں پہنچے محل کے نیچے کا حصّہ کم و بیش مہمانوں کے استقبال کے لئے سجا ہوا تھا اور اوپر کی منزل کا حصّہ ان کے رہنے کے لئے تھا ہم زینے کے اوپر پہنچے اور وہاں گول کمرہ میں داخل کئے گئے یہ کمرہ بہت بڑا ہے اور اس پر سنہری کام خوب کیا گیا ہے اس میں قدیم سُنہری تصاویر منقّش ہیں اور وہ طرح طرح کے پردوں اور سامان سے آراستہ ہے۔ یہاں پر مشرقی شان و شوکت کی حقیقی حالت کا فوراً اثر ہوتا ہے۔ خاندان گوالیار کی معزز خواتین اور سرداروں کی بیویاں عمدہ پوشاکیں اور زیورات پہنے ہوئے یہاں پر ہم سے ملیں اور خواصوں کی جماعتیں جو عمدہ اور خوبصورت لباس اور زیورات سب ایک ہی قسم کا پہنے ہوئے تھیں یہاں پر وقتاً فوقتاً خدمت کے لئے ادب سے کھڑی ہوئی تھیں کمرے کے بیچ میں مطلّا کرسیاں رکھی ہوئی تھیں یہاں پر ہم بیٹھے اور ہمارے چاروں طرف اس طور سے وہ خواتین بیٹھیں کہ ایک شاندار گروپ بن گیا۔ اس کے بعد عطر و پان کی رسم عمل میں آئی۔ جڑاؤ پاندان اور عطر دان میں گلوریاں اور عطر پیش کیا گیا گلاب پاشوں میں عرق گلاب بھرا ہوا تھا جو چھڑکا گیا۔ چاندی کی کشتیاں جو پھولوں کے ہاروں سے بھری ہوئی تھیں پیش ہوئیں، دستور یہ ہے کہ جو کشتیاں تمہارے سامنے پیش کی جائیں ان کو چھو لو اور ان کا سامان تمہارے کمروں میں بھیج دیا جاتا ہے اور ہار گلے میں پہنا دیئے جاتے ہیں چند منٹ کے بعد مہارانی صاحبان ہم کو ہمارے کمروں میں لے گئیں جن میں ہم بہت سے کمروں اور سنگِ مرمر کی غلام گردشوں میں سے ہو کر پہنچے، جہاں پر تاڑ کے درخت اور دیگر اقسام کے پودے وغیرہ خوبصورتی سے لگائے گئے تھے ہمارے قیام کے کمرے موجودہ زمانے کے تمام سامانِ آرائش سے مکلّف تھے میں نے اپنے کمرے میں جا کر قیام کیا اور وہاں پر ایک

خاص قسم کے اطمینان اور راحت کا احساس ہوا منھ وغیرہ دھونے اور کپڑے بدلنے کے بعد
ہم ایک بالاخانے پر بیٹھے جہاں سے وسیع میدان نظر آتے تھے اور وہاں چاء پی اور باوجودیکہ
ابر ہو رہا تھا اور گھٹا چھا رہی تھی تاہم دل یہ چاہتا تھا کہ موٹر کار میں بیٹھکر گھوڑ دوڑ کے میدان میں
ہوتے ہوئے جو ابھی گوالیار میں بنا ہے بازار کی جانب چلیں جہاں پر ریذیڈنٹ صاحب رہتے ہیں
اس کے تھوڑی دیر بعد گرج اور بجلی کی چمک کے ساتھ بارش ہونے لگی اور بہت زیادہ اولے پڑے
مگر مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوئی کیونکہ اس سے گرمی کم ہو گئی۔

ساڑھے آٹھ بجے ہم نے کھانا کھانے کے کمرے میں جس میں سنگ مرمر کا فرش تھا
کھانا کھایا ہندوانی قدیم طرز کی پیالیوں میں جو کُل خالص نقرہ کی تھیں قسم قسم کی ترکاریاں قورمہ
قلیہ، دال وغیرہ تھی، یہ سب پیالیاں ایک نقرئی تھالی میں سجادی گئیں تھیں اقسام اقسام کے
چاول چینی کی طشتریوں میں میز پر لگا دیئے گئے تھے اور سب کے سامنے میز پر رکھے گئے تھے
اچار چٹنیاں دودھ کی بنی ہوئی چیزیں چار پانچ قسم کی روٹیاں، چپاتیاں، باقرخانی پھُلکے
دال، کھیر کی قابیں، مٹھائیاں وغیرہ وغیرہ اس قسم کے لذیذ کھانوں کو بیٹھکر کھایا اور ان سے
حظ اُٹھایا، مہارانی صاحبہ گوالیار کے باورچی نہایت عمدہ قسم کے کھانے پکاتے ہیں، اسلامی
زردہ، پلاؤ، کباب وغیرہ بھی ایسے ہی عمدگی سے پکائے گئے تھے جیسے کہ برہمنی سودی
پوریاں شیر قند وغیرہ وغیرہ۔

حضور سرکار عالیہ کھانے کے بعد ہی اپنے کمرے میں تشریف لے گئیں لیکن ہم مہارانی
جنکو راجہ صاحبہ کے گول کمرے میں بہت رات تک بیٹھے ہوئے گاتے اور باتیں کرتے رہے

یوم جمعہ ۔ ۱۲ / مارچ ۱۹۱۵ء | باوجود رات کو دیر تک جاگتے رہنے کے میں صبح ہی اپنی تھوڑی
دیر کی نیند سے جس کا مجھے موقع ملا سو کر اُٹھ بیٹھی، بارش سے ہوا میں خوب خنکی پیدا ہو گئی تھی
اور یہ نہایت ہی فرحت بخش تھی، ہندوستان کے میدانی مقامات کی گرم وخشک ہواؤں سے
بڑا حبس پیدا ہو جاتا ہے اور وہ سخت ناگوار معلوم ہوتی ہیں قریب ساڑھے نو بجے کے ہزہائنس
مہاراجہ صاحب بہادر سرکار عالیہ کو ہسپتال دکھانے لے گئے۔ میں اور جنکو راجہ صاحبہ ہمراہ
تھیں، یہ ایک بڑی شاندار دو منزلہ عمارت ہے جس میں زنانہ اور مردانہ دونوں حصے ہیں۔

گوالیار کی پچے کاری کا کام واقعی قابلِ دید ہے۔ اقلیدس کی شکلیں جو نفاست سے بنائی گئی ہیں وہ نہایت ہی خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔

ہسپتال مشرقی طرز کی ایک نہایت عمدہ عمارت ہے لیڈی ڈاکٹر میٹرن اور ان کے اسٹاف نے دروازہ پر ہمارا استقبال کیا اور ہم کو چاروں طرف لیجاکر وہ سب چیزیں دکھلائیں جو عموماً ایک اعلیٰ درجہ کے ہاسپٹل میں اس زمانے کے لحاظ سے ہوتی ہیں یہ ایک نہایت ہی افسردگی کا کام ہے کیونکہ اس میں طرح طرح کی بوئیں اور مریضوں کے کراہنے کی آوازیں آتی ہیں۔ وہاں نرسوں اور دائیوں کی تربیت بھی تین برس کی کامل پڑھائی سے کی جاتی ہے ہماری روانگی کے وقت عطر و پان کی معمولی رسم ادا کی گئی۔ اس کے بعد ہز ہائی نس نے محل پہنچنے سے پیشتر شہر کی سیر کرائی۔ جدید گوالیار (لشکر) کی آبادی حقیقت میں کچھ خوشنما نہیں معلوم ہوتی۔ نئے چوک میں چند عمدہ عمارتیں ہیں اور شہر کی بڑی سڑک عمدہ ہے کیونکہ اس کے دونوں طرف نہایت عمدہ پچے کاری کے جھروکے بنے ہوئے ہیں سکونتی مکانوں کی آبادی شہر میں کم و بیش دُور دُور ہے۔

ہم جائے قیام پر دیر سے پہنچے اور نہایت ہی لذیذ کھانے کا لطف اُٹھایا اس وقت کھانا دوسری قسم کا تھا مگر ویسا ہی خوش ذائقہ تھا۔ بلاشبہ یہاں کے باورچی مہارانی صاحبان کی قابل قدر نگرانی میں کھانا پکانے میں نہایت عمدہ مہارت رکھتے ہیں۔ کھانے کے بعد حضور سرکار عالیہ اپنے کمرے میں تشریف لے گئیں اور جنکو راجہ صاحبہ نے مجھ کو محل لے جاکر دکھلایا۔ میں دوسری منزل کے صرف دو مکان دیکھ سکی لیکن اسی میں دو گھنٹہ صرف ہوگئے اور بالکل تھک گئی ....

.... اس سیر میں وقت بہت زیادہ صرف ہو چکا تھا اس لئے ہم اپنے کمروں میں جلدی سے گئے وہاں جاکر پوشاک تبدیل کی اور گول کمرے میں جمع ہوئے جہاں پر حضور سرکار عالیہ کی جانب سے گوالیار کے شاہی خاندان کو پوشاک پیش کرنے کی رسم عمل میں آئی۔ حضور سرکار عالیہ نے حسب معمول دریادلی اور فیاضی سے ہر ایک کو شاہانہ عطیئے نہایت بیش قیمت دوشالے کمخواب کے تھان، اشرفیاں زیورات اور بیس خوان خشک میوے اور سپاریوں کے پیش

کیے، مہاراجہ صاحب سیندھیا کو انھوں نے آٹھ اشرفیاں پانچسو روپیہ نچھاور سنہرے کام کے دوشالے اور زربفت کی پگڑیاں وغیرہ اور چار خوان خشک نٹس (سپاریاں اور گرمی دار میوے) کے دیئے مہارانی جنکو راجہ صاحبہ کو سنہرے دوشالے کمخوابی کپڑے دوسو روپیہ نچھاور ۱۵ اشرفیاں ہیرے اور لعل کی چوڑیاں اور چار خوان خشک نٹس کے دیئے مہارانی گجرا راجہ صاحبہ کو سنہرے دوشالے کمخواب کے کپڑے دوسو روپیہ نچھاور ۱۵ اشرفیاں ہیرے اور زمرد کا ہار اور چار خوان خشک نٹس کے دیئے۔

شری متی منو راجہ صاحبہ اور اُن کے شوہر سردار سیتولے صاحب کو اسی قسم کی پوشاک سو روپے نچھاور اور موتیوں کی جڑاؤ پہنچی اور چار خوان خشک نٹس کے دیئے چھوٹی بچی راجہ کملا صاحبہ کو حضور سرکار عالیہ نے پانچ ہزار روپے کی قیمتی پوشاکیں اور زیورات پہلے ہی سے بھیج دئے تھے لیکن انھوں نے ان کو بھی پانچ اشرفیاں اس وقت پہلے ہی مرتبہ دیکھنے کی وجہ سے دیں۔ جب پوشاک دینے کی رسم ختم ہوگئی تو ہم ایک خوبصورت سمر (گرمیوں کے) باغ میں گئے جس کے قطعات نہایت عمدگی سے بنائے گئے تھے اور جس میں بجری کی سایہ دار روشیں تھیں اور ایک پختہ بالاخانہ پانی کے کنارے بنا ہوا تھا اور کئی ڈیرے لگے ہوئے تھے یہاں پر حضور سرکار عالیہ کے اعزاز میں ٹی پارٹی تھی اور تمام خواتین گوالیار حضور سرکار عالیہ سے ملنے کے لئے جمع ہوئی تھیں۔ یہ زندہ دلی اور شگفتگی کا ایک خوبصورت نظّارہ تھا۔ وہاں پر مرہٹی خواتین زرق برق پوشاکیں زیب تن کئے ہوئے اور زیورات میں آراستہ قطاروں میں کھڑی ہوئی تھیں اور کچھ اِدھر اُدھر پھر رہی تھیں یوروپین لیڈیاں بھی یہاں موجود تھیں اور ایک مشرقی و مغربی مجموعہ ہو کر عجیب خوشنما سماں ہو رہا تھا۔ چائے کا انتظام ایک خیمہ میں کیا گیا تھا۔ آسمان پر شام کے آثار نمایاں ہوگئے تھے۔ دن کی روشنی جاکر رات کی تاریکی نے ہم کو گھیرنا شروع کیا تھا۔ بجلی کی چمک سے جواہرات اور سونے کے زیورات جگمگا رہے تھے خوش قسمتی سے ہم بارش سے پہلے ہی مکان پر پہنچ گئے۔ سکھیا راجہ صاحبہ ایک ایک خاتون سے جو پارٹی میں موجود تھیں نہایت خوش اخلاقی سے گفتگو اور تواضع کرتی تھیں۔

رات کے وقت کھانا فرش پر حقیقت میں پاتلوں کے طریقہ پر چنا گیا تھا چوکیاں جس پر

نشستیں قرار پائی تھیں اور جن پر کمخواب کے گدّے بچھے تھے تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے تمام مہمان و مدعوشدہ خواتین کے واسطے بچھائی گئی تھیں۔ اور چاندی کی تپائیاں سامنے رکھی تھیں سونے کے پیالے اور طشتریاں نہایت ہی لذیذ کھانوں کی رکھی تھیں اور چاندی کے شمعدان دونوں جانب ہر ایک نشست کے رکھے تھے اور اُن کے بیچ میں خوشبوئیں جل رہی تھیں۔ یہ نظارہ مثل ایک الف لیلہ کے خوبصورت روغنی تصویر کے جو ایک ہوشیار صنّاع نے بنائی ہے معلوم ہوتا تھا اس طریقہ کے کھانے چُننے جانے کو ٹاٹ لا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ کھانے کے بعد طوائف کا ناچ اور گانا جنکو راجہ صاحبہ کے پرائیوٹ دربار ہال میں ہوا۔ گوالیار بین اور ستار بجانے والے اور گانے والے ماہرین کے لئے مشہور ہے۔ اور پُرانے وقتوں میں بڑے مشہور لوگ ہوئے ہیں لیکن اس زمانہ کے گانے والے کچھ زیادہ عمدہ نہیں۔ نصف شب کے بعد یہ جلسہ برخاست ہوا لیکن مہارانی جنکو راجہ صاحبہ اور میں رات کے دو بجے تک بیٹھے رہے۔

یوم ہفتہ مورخہ ۱۳ ر مارچ ۱۹۱۴ء | آج کا دن پھر آنے والے کے لئے اس ضروری فرض سے شروع ہوا کہ پبلک کی درسگاہوں کو دیکھے۔ ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب بہادر سرکار عالیہ کو گرلس اسکول دکھانے لے گئے۔ جنکو مہارانی صاحبہ اور سکھیا رانی صاحبہ اور میں بھی ہمراہ تھی۔ ہم لڑکیوں کے مدرسہ میں گئے۔ دراصل ہندوستان میں تعلیم نسواں ایک اہم مسئلہ ہے اور اب کچھ کچھ کوششیں ان کو تھوڑی سی تعلیم دینے کے لئے ہو رہی ہیں اور وہ کچھ تعلیم حاصل کرنے لگی ہیں۔ یہ پبلک گرلس اسکول کی عمارات نہایت نفیس، صاف اور روشن ہے سپرگرم پرنسپل نے ہم کو مدرسہ لے جا کر دکھلایا ہم نے کچھ عمدہ کشیدہ کڑھے ہوئے اور طالبات کے خود تیار کردہ بعض قسم کے کھانے دیکھے۔ سردارس گرلس اسکول پُرانے محل میں ہے یہ عمارت اپنی تعمیر کے لحاظ سے بڑی دلچسپ ہے۔

اعلیٰ تعلیم کی کوشش بیکار ہے کیونکہ لڑکیوں کی شادی بارہ برس میں ہونا لازمی ہے مہارانی صاحبہ نے کچھ خوبصورت کشیدہ کا کام جو لڑکیوں نے کیا تھا سرکار عالیہ کی خدمت میں تحفۃً پیش کیا اس پُرانے محل میں کچھ قدیم ملازم رہتے ہیں اور سال میں مختلف قسم کے

مراسم کی ادائیگی ابھی تک اس محل میں کی جاتی ہے۔

سکھیا مہارانی صاحبہ سرکار عالیہ کو اور ہم کو اپنے مندر کے پاس لے گئیں جو محل کے اندر رہے ہم نے بہت سی جگمگاتی ہوئی مورتوں کو اونچے اور پائے والے ستونوں پر دیکھا سہ پہر کے وقت ہز ہائی نس صاحب بہادر واٹر ورکس کی عمارت دکھلانے کے لئے لے گئے جو شہر سے کئی میل کے فاصلہ پر ہے اس سے تقریباً بیس میل مربع زمین کی آب پاشی کی جائے گی جس سے بیحد آمدنی ہوگی۔ ہم نے وہاں پر ایک نفیس چھوٹے سے مکان میں جو جھیل کے سامنے بنا ہوا ہے چا کا لطف اُٹھایا اور پشتہ کے اوپر اور نیچے بھی ہم نے سیر کی سورج کا غروب ہونا اُس وقت خوبصورت معلوم ہو رہا تھا اور آسمان ایسا نظر آتا تھا کہ چمکتا ہوا سونا چھڑک دیا گیا ہے۔

اتوار۔۱۴ر مارچ ۱۹۱۵ء | آج صبح کو سب سے پہلے ہز ہائی نس مہاراج نے سرکار عالیہ کو عجائب خانہ دکھایا۔ یہ ایک خوبصورت عمارت ہے اور اس میں بہت کچھ پچّی کاری کا کام ہو رہا ہے۔ اس میں پرانے چند ہتھیار ہیں اور کثرت سے بھُس بھرے ہوئے جانور ہیں جس سے یہ زیادہ تر قدرتی تاریخی اشیاء کا عجائب خانہ معلوم ہوتا ہے اور اس میں گوالیار کی مصنوعات بھی ہیں۔ چونکہ شہر سے فاصلہ پر اور محلات کے قرب میں ہے اس واسطے یہاں پر آدمی آسانی سے نہیں پہنچ سکتے اس لئے مقبول عام نہیں ہے مہاراجہ صاحب کا ارادہ ہسپتال کو عجائب خانہ بنانے کا ہے اور اس میں زیادہ پیمانہ پر اس کا انتظام کریں گے۔ چونکہ منو راجہ صاحبہ سرکار عالیہ کو مدعو کر چکی تھیں اس لئے یہاں سے وہاں جانا ہوا۔ یہ ایک بڑا وسیع محل ہے جہاں پر یہ ملاقات کم و بیش باضابطہ قسم کی تھی کیونکہ انھوں نے ہم کو پوشاکیں عطا فرمائیں اور حسب معمول عطر و پان کی رسم بھی ادا کی گئی۔ اُن کے شوہر سیتولے صاحب آئے اور سرکار عالیہ کو سلام کیا۔ چار بجے ہز ہائی نس نے آہستہ آہستہ ایک بڑی ٹریمیوے کی شکل موٹر کار میں قلعہ کی اور اس کے چاروں طرف کی سیر کرائی یہ پروگرام میں ایک نہایت دل چسپ کام تھا کیونکہ ہندوستان میں گوالیار کا قلعہ نہایت ہی تاریخی اور دل چسپ ہے بے شک اس قدر تھوڑا وقت

رہ گیا تھا کہ ہم کل قلعہ کو دو گھنٹہ میں دیکھنے پر مجبور ہوئے جو ایک عظیم الشان جگہ کے دیکھنے کے لئے ناکافی تھے ....

...... مہاراجہ صاحب بہادر نے ملیٹری اسکول ان ہی قدیم عمارات قلعہ میں قائم کیا ہے سرکار عالیہ کے روبرو ہز ہائی نس ممدوح نے فوجی طالب علموں کا امتحان لیا ڈرل بھی دکھائی گئی اور ایک قدیم عمارت کے سامنے وہاں کے پرنسپل صاحب کی بہن کی جانب سے چا پیش کی گئی ہر سہ مہارانی صاحبان سرکار عالیہ اور ہم سب نے چا نوش کی سامنے سے گُزار کا منظر نظر آ رہا تھا۔

رات کے وقت ریاست کے کمرۂ دعوت میں اسٹیٹ ڈنر دیا گیا شاندار زرق برق پوشاکیں اور شریف خواتین کے زیورات بڑے بڑے جھاڑوں کی خوشنما روشنی میں جگمگا رہے تھے اور عمدہ پوشاکیں پہنے ہوئے جو خواصیں خدمات کے لئے وہاں پر مستعدی اور خاموشی سے کھڑی ہوئی تھیں اُن کا نفیس رنگین لباسوں میں اِدھر اُدھر پھرنا ایک لطف پیدا ہو رہا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد ہم دربار ہال میں آئے اور وہاں پر خواتین سے بھرے ہوئے دربار میں حضور سرکار عالیہ نے ایک مختصر تقریر نہایت عمدہ الفاظ میں فرمائی جس میں اپنے میزبان کا شکریہ اور گوالیار آنے پر اظہار مسرت تھا جواب میں سکھیا مہارانی صاحبہ نے سرکار عالیہ کی تشریف آوری پر اظہار مسرت و شکر گذاری کیا۔ اس کے بعد سرکار عالیہ کے سامنے خلعتیں اور زیورات پیش کئے گئے جس میں کئی سُنہری دوشالے کمخواب کے کپڑے بنارس کی ساڑھیاں وغیرہ تھیں اور ایک نہایت خوبصورت گلوبند تھا جس میں موتی اور ہیرے لگے تھے حسب دستور اس پر ہاتھ رکھا گیا اور خواصیں ان کشتیوں کو نہایت سلیقہ سے لے گئیں پھر دوسری خواصوں کا جلوس آیا جو میمونہ سُلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ (سرکار عالیہ کے فرزند اصغر نواب زادہ میجر حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر کی بیگم صاحبہ) کے لئے خلعت ہفت پارچہ لایا تھا۔ تمام خواتین نہایت ادب و سلیقہ کے ساتھ قدم بقدم لے کر آ رہی تھیں خلعت علیحدہ علیحدہ خوانوں میں سجا

ہوا تھا اور اُس کے جلوس میں عطر دان، گلاب پاش اور جڑاو پاندان تھا۔ سامنے مجرا ہو رہا تھا اور تمام خواتین کرسیوں پر مؤدب بیٹھی ہوئی خاموشی سے سُن رہی تھیں۔ خِلعت اسی طرح پیش کیا گیا اور اس پر ہاتھ لگا دیا گیا۔ اس خلعت پر بھی زمرّد اور موتیوں سے مرصع گلوبند تھا۔ ایک ٹھسی زمرد، ہیرے اور موتیوں کی اور سُنہری ساڑھیاں اور کمخواب کے کپڑے مرحمت ہوئے پوشاک دینے کی رسم حسب معمول عطر و پان اور پھولوں کے ساتھ نصف شب کو ختم ہوئی۔

ہز ہائی نس سُکھیا راجہ صاحبہ مجھ کو اپنے خلوت کے مکان میں تھوڑی دیر کے لئے لے گئیں۔ جہاں پر شہزادی کملا راجہ ایک سنہری پلنگڑی پر آرام سے سو رہی تھیں اور خاموش خواصیں چاروں طرف پہرہ دے رہی تھیں اُن کے پہلو میں ایک سُنہرا پالنا پڑا ہوا تھا .... وہاں چمکدار رنگا رنگ کے کھلونے بچے کے کھیلنے کے لئے وہاں پر سب طرف پڑے ہوئے تھے۔

سُکھیا راجہ صاحبہ ایک نہایت زیرک اور سلیقہ مند خاتون ہیں اور مہا راجہ صاحب کی نا بالغی کے زمانہ میں انھوں نے ریاست کا انتظام بطور ریجنٹ کے نہایت ہی مستعدی اور مدبّری کے ساتھ کئی سال تک انجام دیا ہے۔

ہز ہائی نس کو اپنی والدہ کی بزرگی اور شجاعت کا بے حد خیال ہے محل کے رہنے والوں میں جو اتحاد و اخلاق اور رعب و داب قائم ہے وہ پرانے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے جبکہ دلاوری اور شاعرانہ تخیلات مُردہ نہیں ہو گئے تھے۔

اس عالی شان خانہ داری کا انتظام نہایت خوبی سے کیا جاتا ہے ہم جنگو راجہ صاحبہ کے گول کمرے میں واپس آئے اور کچھ گانا سنتے رہے باجہ خوب بج رہا تھا۔ رات کے دو بجے ہم وہاں سے رخصت ہوئے۔ اور اس جُدائی کا بے حد افسوس ہوا۔ چونکہ سرکار عالیہ دہلی تشریف لے جانے والی تھیں اور میمونہ سُلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ بھوپال واپس ہو رہی تھیں اس لئے ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب بہادر نے اُن کے اعزاز کو ملحوظ رکھکر منو راجہ صاحبہ کو ہدایت فرمائی کہ دلہن صاحبہ کے ہمراہ اسٹیشن تک جائیں چنانچہ وہ

تشریف لائیں اور جب تک ٹرین روانہ نہ ہوگئی وہیں رہیں ہز ہائی نس کے دو ایڈیکانگ بھی انتظام کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے ریل تین بجے روانہ ہونے والی تھی اور ہم اپنے ڈبہ میں دو بجے سے پہلے گئے یہ ایک گھنٹہ اور منوراجہ صاحبہ کے ساتھ دلچسپ گفتگو میں صرف ہوا۔ دلہن صاحبہ کے ہمراہ میں بھی بھوپال واپس آئی سرکار عالیہ کے بھتیجے میاں سالار محمد خاں صاحب بہادر ہمارے ہمراہ تھے۔

پیر ۱۵ مارچ ۱۹۱۵ء پھر (جیسا کہ مجھے بعد کو علم ہوا) [illegible] سرکار عالیہ کا ہمراہی اسٹاف جس میں اس وقت مسٹر عبدالصمد مظہر بی۔اے ملٹری سکریٹری اور مہتمم تاریخ ذہنی محمد امین اڈیٹر ظل السلطان تھے) آفس روم میں طلب کیا گیا اور ہز ہائینس مہاراجہ صاحب نے اپنے دستِ مبارک سے ہار اور پان عنایت فرمائے اور زرین دوشالے مع پگڑیوں کے عطا کئے۔ اس کے بعد سرکار عالیہ مع مہارانی صاحبہ کے شاہ غوث صاحب کے مقبرہ پر پرانے گوالیار تشریف لے گئیں۔ شاہ غوث عہدِ اکبری کے مشہور صاحب نسبت بزرگوں میں سے ہیں ان کی ذات کے ساتھ شہنشاہانِ مغلیہ کو ہمیشہ عقیدت رہی ہے اُن کا مقبرہ قدیم سنگین صنعتِ تعمیر کا نمونہ ہے وہاں سے واپسی کے بعد حضور عالیہ ہز ہائی نس کے پلیٹ فارم سے بذریعہ اسپیشل ٹرین کے دہلی روانہ ہوئیں مشایعت کے وقت ہز ہائی نس اور مہارانی صاحبان بھی تشریف رکھتی تھیں۔

حیدر آباد آخر اگست ۱۹۱۵ء میں ہز اگزالٹیڈ ہائی نس نظام الملک آصفجاہ سابع کی دعوت پر سرکار عالیہ حیدر آباد تشریف لے گئیں۔ اور پانچ دن بشیر باغ میں قیام فرمایا علاوہ اُن ملاقاتوں کے جو ہز اگزالٹیڈ ہائی نس اور بیگماتِ کرام سے ہوئیں مشہور مقامات کی سیر، زنانہ مدرسوں اور شفاخانوں اور یتیم خانہ وغیرہ کے ملاحظہ میں مصروف رہیں۔

ہز اگزالٹیڈ ہائی نس سے تعلیم نسواں اور خصوصاً عثمانیہ یونیورسٹی کی اہمیت و ضرورت اور نتائج و فوائد پر گفتگو ہوئی اور سرکار عالیہ نے اس یونیورسٹی کے قیام کو دولت آصفیہ کے عظیم الشان کام اور یادگار سے تعبیر کیا۔

۳ ستمبر کو انجمن خواتین دکن نے پبلک طور پر بشیر باغ کے ایک بڑے ہال میں ایڈریس پیش کیا۔

اس تقریب میں بہ کثرت تعلیم یافتہ اور امرأ و عمائدین کی بیگمات و خواتین شریک تھیں۔

ایڈریس کے جواب میں سرکار عالیہ نے تقریر فرمائی جس میں بہ لحاظ ضرورت و موقع مسائلِ نسواں پر اظہار خیالات کرتے ہوئے خواتینِ دکن کو تعلیم اور مذہبی پابندی کی طرف توجہ دلائی۔ فرماں روائے دکن کی توجہات و فیاضی اور خصوصاً عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام سے خواتینِ دکن کو فائدہ اٹھانے کی ترغیب دی۔

حیدر آباد میں ایسے شاندار زنانہ جلسہ کا یہ پہلا موقع تھا جس کی یاد خواتین کے دل میں مدتہائے مدید تک باقی رہے گی۔ ان مقامات کے علاوہ بہ اوقات مختلف سرکار عالیہ بمبئی، کلکتہ، اجمیر، بڑودہ، میسور آگرہ اور دیگر متعدد مقامات پر بھی تشریف لے گئیں۔

سفر حرمین الشریفین

ارادہ و انتظام سفر سرکار عالیہ نے ولیعہدی کے زمانہ میں کئی مرتبہ حج و زیارت کا ارادہ کیا مگر چند در چند وجوہ کے باعث پورا نہ ہوسکا، اب زمامِ حکومت دستِ مبارک میں لیتے ہی باوجودیکہ نظم و نسق ریاست اور اصلاحات ملک کا اہم مرحلہ سامنے تھا لیکن ادائے فریضۂ حج کا احساس اور خیال .... اور روضۂ مطہرہ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر حاضری کا اشتیاق سب پر غالب تھا، چنانچہ اوّلین سالِ جلوس ہی میں عزم مصمم فرمالیا اور امپیریل گورنمنٹ کو بھی حسبِ ضابطہ اطلاع دیدی لیکن دربار کارونیشن دہلی منعقدہ ۱۹۰۲ء کی وجہ سے ایک سال کا التوا ناگزیر ہوگیا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد انتظامات سفر شروع کردیئے، وزیر ہند نے دولتِ عثمانیہ سے حفاظت و سہولت کے متعلق تمام ضروری مراتب طے کئے۔ چونکہ رمضان المبارک کا مہینہ مدینہ طیبہ میں گذارنے کا شوق تھا اور یہ بھی خیال تھا کہ مبادا ایسے واقعات آجائیں کہ حج کے بعد مدینۂ طیّبہ میں حاضری نہ ہوسکے، اس لئے ماہ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ میں قصدِ روانگی کیا۔ ہمراہی میں کئی سو آدمیوں کا قافلہ مرتب ہوا اور ایک پورا جہاز ریزرو کرایا گیا، بمبئی کا قرنطینہ بھی لازمی تھا لیکن سرکار عالیہ کی سہولت و مرتبت کے لحاظ سے پورے قافلہ کا قرنطینہ بھوپال سے باہر ریلوے لائن کے

قریب باغات اور ایک موضع دیپ میں قرار دیا گیا۔

اعلاناتِ شاہی

۲؍رجب المرجب کو سرکارِ عالیہ نے اپنے ارادۂ حج بیت اللہ کے متعلق جمیع رعایائے ملکِ محروسہ کے نام ایک اعلان کی اشاعت فرمائی جس کا ہر ایک فقرہ شفقت و عطوفتِ شاہانہ سے بھرا ہوا تھا اور عبدیت و فرائضِ حکومت کی اہمیت کے احساس کو نمایاں کر رہا تھا۔ اور اپنی رعایا سے درخواست تھی کہ اگر لاعلمی یا بطریقِ دیگر کسی کے حقوق ادا کرنے میں قصور ہوا ہو تو معاف کر دے اور مقبولیت حج اور معہ الخیر واپسی کی دعا کرے۔

پھر ۲۴؍رجب کو بعد نمازِ عصر مسجدِ آصفی میں اپنی عزیز رعایا سے مرخص ہوتے ہوئے اپنی زبانِ مبارک سے معافی طلب کی۔

یہ موقع عجیب درد انگیز تھا جتنے آدمی اندر اور باہر تھے سب زار و قطار رو رہے تھے اور خود سرکارِ عالیہ بھی چشمِ پُرنم تھیں اور اس اثر کو سب سے زیادہ محسوس فرما رہی تھیں با ایں ہمہ قلبِ مبارک کو سکون نہ ہوا۔ اور اسی شام کو حسبِ ذیل ایک اور اعلان شائع فرمایا۔

خدا کا شکر ہے کہ اُس نے محض اپنے لطف و کرم سے توفیق زیارت حرمین شریفین زادہ شرفہما کی عطا کی۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہفتہ اوّل شہر شعبان المعظم سنہ حال میں ہم جہاز پر سوار ہو جائیں گے۔ سب پر یہ امر بخوبی عیاں ہے کہ جس روز سے اُس شہنشاہ حقیقی نے عنانِ حکومت میرے قبضۂ اختیار میں دی ہے میں نے اپنی رعایا کو عزیز ترین سمجھ کر حتی الامکان اُن کی خبر گیری اور غمگساری اور فریاد رسی اور داد دہی کو اپنی راحت و آرام پر مقدم سمجھا اور اپنے محکومین کی آسائش و بہبودی کا خیال ہمیشہ پیشِ نظر رکھا مگر مجھے اپنے خیال میں اطمینانِ کلی نہیں کہ آیا مجھ سے حقوق ان بندوں کے جو حق تعالیٰ نے میرے سپرد کئے ہیں کما حقہٗ ادا ہوئے یا نہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ غفار الذنوب ہے اور اپنے بندوں کی خطائیں معاف فرمانا اُس کی شانِ کبریائی ہے اور مجھ کو اُس کے فضل و کرم سے امید ہے کہ وہ غفور الرحیم مجھ پر اپنی رحمت مبذول فرما کر میری کل خطاؤں سے درگذر فرمائے کیونکہ میں ایسے سفر کو جاتی ہوں جو وسیلۂ نجات و مغفرت ہے لیکن وہ منصفِ حقیقی حق العباد سے اُسی وقت چشم پوشی فرماتا ہے جبکہ اُس کے بندے اپنے حقوق معاف کر دیں۔ اس لئے سب سے عموماً یہ استدعا ہے کہ ہماری محنت و جانکاہی پر نظر کر کے جس کسی کی نسبت دانستہ و

نادانستہ جو کوئی خطا ہم سے واقع ہوئی ہو وہ للّٰلہ معاف کردے اور سب بصدق دل بصفائی نیت دُعا کریں کہ خدائے تعالیٰ اس سفر دُور و دراز بحر و بر کو بخوبی انجام پر پہنچائے اور مع الخیر و عافیت ہم کو آپ لوگوں سے ملائے۔

اس اعلان کا اثر بھوپال کے در و دیوار پر طاری تھا اور ملک محروسہ میں کوئی دل ایسا نہ تھا جس نے مضطرب ہو کر اپنی شفیق فرماں روا کے حق میں دُعائیں نہ کی ہوں۔

قرنطینہ و روانگی

۲۷ رجب کو حضور ممدوحہ مع اراکین خاندان[1] شاہی باغ نشاط افزا میں قرنطینہ کے لئے داخل ہوئیں اور دس یوم تک قواعد قرنطینہ کی پوری پابندی کے بعد ۶ شعبان کو ۱۲ بجے شب کے وقت اسپیشل ٹرین میں جو باغ کے قریب ہی ریلوے لائن پر موجود تھی سوار ہوگئیں ۸ شعبان (۳۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء) کو صبح ۷ بجے بمبئی میں سرکاری طور پر داخلہ ہوا۔ ٹرین سمندر کے پلیٹ فارم تک گئی جہاں گارڈ آف آنر بھی حاضر تھا اُس نے اور قلعہ بمبئی کے توپ خانہ نے سلامی دی۔

بحری سفر

ساحل پر اکبر نامی جہاز چشم براہ تھا سرکار عالیہ ٹرین سے اُتر کر اس میں تشریف فرما ہوئیں اور پانچ بجے شام کو حضور ممدوحہ نے بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا پڑھ کر اور لبیک کہتے ہوئے یہ مقدس سفر شروع کیا۔ اب بڑا مرحلہ کامران کے قرنطینہ کا تھا، جو بین الاقوامی قانون کے تحت ضروری و لازمی ہے لیکن اس کے متعلق بھی یہ رعایت کی گئی کہ کامران کی جگہ بوسعید کو مقام قرنطینہ قرار دیا گیا اس لئے جہاز براہ راست ۲۱ شعبان (۱۲ نومبر) کو اُس ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ یہاں شریف کے معتمدین استقبال کے لئے موجود تھے، ارکان سفارت خانۂ برطانیہ نے بیان کیا کہ شریف کی خواہش ہے کہ سرکار عالیہ پہلے بیت اللہ جائیں اور حج کے بعد خود وہ اپنے انتظام سے مدینہ منورہ پہنچائیں لیکن حضور ممدوحہ نے اپنے عزم و ارادہ کے مطابق اس خواہش کو منظور نہ کیا علاوہ بریں اِسی ارادہ کے لحاظ سے یلملم پر احرام بھی نہیں باندھا تھا۔ ترکی گورنر متعیّنہ جدّہ نے اطلاع دی کہ سلطان المعظم نے حضور ممدوحہ کی حفاظت کی بہت تاکید کی ہے اور دو ضرب توپ

---

[1] اراکین خاندان میں نواب جنرل حافظ محمد عبید اللہ خاں فردوس مکاں اور ان کی بانوئے محترم جناب علیا حضرت شہر یار دلہن، اور ہز ہائی نس سکندر صولت نواب افتخار الملک بہادر جن کی عمر اس وقت نو سال کی تھی ہمراہ تھے۔

اور فوجی جمعیت کو ینبوع سے مدینہ منورہ تک ہمرکاب رہنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ ساتویں دن حکومتِ عثمانیہ سے اِس قرنطینہ سے استثنیٰ کی اطلاع موصول ہوگئی اور مدتِ معینہ سے تین دن پہلے جہاز ینبوع کو روانہ ہوگیا۔ معتمدین شریف اور کچھ فوجی جمعیت بھی یہاں سے ہمراہ ہوئی۔ غرہ رمضان (۲۱ر نومبر) کو جہاز ینبوع پر پہنچا۔

ینبوع سے مدینہ منورہ کو روانگی

یہاں اکثر عمائدین و شیوخ نے استقبال کیا بعض اصحاب مدینہ منورہ سے بھی آ گئے تھے۔ سرکارعالیہ کشتی میں سوار ہوکر جب ساحل پر اُتریں تو ترکی گارڈ آف آنر نے سلامی دی اور توپخانہ سے ۲۱ شلک سلامی سر ہوئی۔ جائے قیام پر پہنچنے کے بعد سرکارعالیہ نے ایک دریچہ سے رونق افروز ہوکر فوجی قاعدہ سے گارڈ آف آنر کا معائنہ (انسپکشن) فرمایا۔ اس موقع پر میجر میکوارٹ نے جو میڈیکل افسر کے طور پر اس بحری سفر میں ہمراہ تھے ایک مختصر تقریر کی جس کا ماحصل یہ تھا کہ ترکی حکومت جس قدر سرکارعالیہ کی آسائش کا اہتمام کرے گی اسی قدر دولتین برطانیہ و عثمانیہ کے باہمی اتحاد و مسرت کا باعث ہوگا۔ ترکی افسروں نے جواب میں ہرقسم کی امکانی آسائش کا اطمینان دلایا۔ یہاں پانچ دن قیام ہوا اور قیام گاہ پر ترکی فوج کا پہرہ احتراماً قائم رہا۔

جن لوگوں کو (سعودی دورِ حکومت سے قبل) سرزمینِ حجاز کی بادیہ پیمائی کا شرف حاصل ہوا ہے اُنھیں معلوم ہے کہ اس گلزار میں کیسے کیسے کانٹے بھی تھے اور ہر ہر گام پر قدم شوق کا کس درجہ سخت امتحان ہوتا تھا۔ بدوؤں کے بیسیوں گروہ اور قبائل تھے جن میں طمع و حرص حد سے متجاوز تھی اور اس کے پورا کرنے کے لئے بعض اوقات وہ حجاج کے حق میں پیغامِ ہلاکت بن جاتے تھے۔ سرکارعالیہ کے قافلہ کی شہرت وقت سے بہت پہلے تمام قبائل میں گونج گئی تھی اور وہ طرح طرح کے حریصانہ اور طمّاعانہ ارادوں کے ساتھ ورودِ قافلہ کے منتظر تھے۔ روانگی سے قبل پہلے موقع پر معتمدین شریف کی طمّاعی سے اونٹوں کے ملنے میں دقتیں پیش آئیں انھوں نے غیر معمولی طور پر کرایہ میں اضافہ کر دیا۔ بشکل دو سو اونٹ کرایہ پر لئے گئے اور اس انتظام میں خلافِ توقع یہاں پانچ دن زیادہ قیام ہوا۔

۷ر رمضان (بحساب رویت ہلال ینبوع جو ایک دن قبل ہوئی تھی) قریب بارہ بجے دن کے قافلہ روانہ ہوا۔ قافلہ کو رخصت کرتے وقت ترکی کمانڈر نے فوجِ محافظ کو مخاطب کرکے ایک

اسپیچ دی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

"اے میرے بچو! بیگم صاحبہ بھوپال مسلمان ہیں اور حج کے لئے تمہاری سرزمین پر آئی ہیں اس لئے جہاں تک تم سے ہو سکے اُن کی اعانت و فرماں برداری اور حفاظت کرو اور یہی تمہارے سلطان کا حکم ہے۔ دیکھو! ذرا سی فرو گذاشت میں تمہارے آقا کی ناراضی اور تمہاری قوم کی بدنامی ہو جائے گی۔"

ینبوع سے فوجی جمعیت کا بھی اضافہ کر دیا گیا تھا جس منزل پر قیام ہوتا قافلہ کے گرد محافظ فوج ایک حصار قائم کر لیتی، دو ایک مقامات پر دہشت انگیزی کی گئی اور خفیف مزاحمتیں ہوئیں اور اس کا مقصد صرف حصولِ زر تھا، دوسرے مقام پر سرکار عالیہ کچھ انعام دے کر اس خطرہ کو دفع کرنے پر آمادہ تھیں مگر کمانڈر نے اختلاف کیا کیوں کہ اس انعام سے خطرہ اور زیادہ شدید ہو جاتا۔ مدینہ منورہ تک بہت سے قبائل کی آبادی تھی۔ ہر قبیلہ اسی طرح دہشت انگیزی کرتا اور ان سب کا دہن آزر کرنا ممکن نہ تھا۔ البتہ مقامِ خیف پر چند شیوخ نے امداد کی استدعا کی اور سرکار عالیہ نے محض اس خیال سے کہ "یہ لوگ دیارِ عرب کے رہنے والے اور مستحق الخیر ہیں" چار ہزار روپیہ عطا کر کے ایک شریفی معتمد کے ذریعہ تقسیم کرایا اور ۱۱ر رمضان المبارک کو قافلہ بصحت و سلامتی بیر درویش پر پہنچا۔ اس منزل پر حکومت کی طرف سے ترکی دستے مع توپخانہ استقبال کے لئے حاضر تھے جنھوں نے باقاعدہ سلامی دی اور ۱۲ر فیر سر کئے دوسرے دن بیر علی پر قیام ہوا جو مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

مدینہ طیبہ میں داخلہ

۱۳ر رمضان المبارک کو ۹ بجے صبح مدینہ منورہ روانہ ہوئیں۔ ترکی فوج جلو میں تھی راہ میں جوق در جوق اہلِ مدینہ استقبال کر رہے تھے۔ ۱۱ بجے شہر کے دروازہ (باب عنبریہ) پر سواری پہنچی، محافظ (گورنر) مدینہ اور ایک عہدہ دار حرم نے فوجی بینڈ اور توپ خانہ کے ساتھ استقبال کیا اور سلامی ادا کی گئی سرکار عالیہ سواری سے اُتر کر ایک خیمہ میں تشریف لے گئیں جو آرام فرمانے کے۔ لئے حکومت کی طرف سے نصب تھا۔ یہاں اعیان شرفائے مدینہ سے پس حلین ملاقات کی اور حسب ذیل تقریر فرمائی :-

"حضرات مقدس صفات، خدا کا ہزار ہزار شکر مجھ پر واجب ہے جس نے راستہ کی ان تمام دشواریوں کو جنھوں نے میری نانی نواب سکندر بیگم صاحبہ خلد نشیں کو اس نعمت عظمیٰ سے

محروم[۱] رکھا تھا مجھ پر آسان کر کے میری تمنائے دیرینہ کو پورا کیا اور خاک پاک مدینہ منورہ سے میری آنکھوں کو روشن فرمایا۔ اور افضل ترین صلوٰۃ وسلام اس رسول مقبول پر جس کے روضۂ مُطہرہ کی زیارت کو میں بکمال ارادت مندی ہمہ تن شوق ہو کر حاضر ہوئی ہوں اس کے بعد حضرت سلطان المعظم خلد اللہ ملکہٗ وسلطانہٗ کی مسافر نوازی کی منت پذیری میرے ذمہ لازم ہے جنھوں نے میرے اعزاز و احترام اور میری حفاظت وصیانت و آسایش و آرام کا انتظام بلیغ فرما کر مجھے بے حد زیر بار احسان فرمایا جناب والی صاحب مدینۂ پاک وحضرت شیخ الحرم صاحب و دیگر علماء و مشائخ اکابر کا شکریہ بھی تہ دل سے ادا کرتی ہوں جنھوں نے میرے استقبال کی تکلیف یہاں تک گوارا فرما کر مجھے مرہون منت فرمایا جملہ افسران اعلیٰ و ماتحت و بہادر فوج ترکی جو جدہ و ینبوع و بیر درویش سے مجھے اپنی حفاظت وحمایت میں یہاں تک لائے ہیں ان کا شکریہ ادا کئے بغیر میں اپنی تقریر کو ختم نہیں کر سکتی جنھوں نے میرے آرام کے لئے مشقت و عرق ریزی شبانہ روزی اپنے اوپر گوارا کی۔

ترکی فوج کی جفاکشی اور مستعدی کی تعریف جس قدر میں سُنا کرتی تھی اُس سے زیادہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی یہ بہادر فوج بڑی سرگرمی سے پیادہ پا ہمارے قافلہ کے ساتھ اس تمام راستہ میں دن بھر چلتی تھی اور رات کو نہایت مستعدی و خبر داری کے ساتھ میرے کیمپ کے گرد حلقہ باندھ کر پہرہ دیتی تھی، لیکن اِس فوج کی جس مشقت نے مجھے سب سے زیادہ محظوظ اور متحیر کیا وہ یہ تھی کہ خطرناک مقامات پر یہ فوج نہایت بلند و دشوار گذار پہاڑوں پر بڑی تیزی کے ساتھ چڑھ جاتی تھی اور امن کی نسبت اپنا اطمینان کر کے پھر بے تکلف اُتر کر میرے قافلہ کے ساتھ ہو لیتی تھی۔ اگرچہ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے میرے قافلہ پر متواتر گولیاں چلائیں لیکن اس فوج کی ہوشیاری و ہمت سے نہ کسی کو ایسے اضرار کی جرأت ہوئی اور نہ ان گولیوں سے بفضلہ تعالیٰ میرے قافلہ کو کوئی ضرر پہنچا۔ یہ بھی حضرت سلطان المعظم کی حسن توجہ کا اثر تھا کہ قبائل عرب کے شیوخ و اکابر راستہ میں آکر مجھ سے ملے اور اظہار

---

[۱] نواب سکندر بیگم ۱۲۸۰ھ میں حج کے لئے گئیں تھیں مگر بدوؤں کی شورش اور راستہ کے خطرات کی وجہ سے مدینہ منورہ نہ جا سکیں۔

وفاکیشی اور اعانت پر آمادگی ظاہر کی میرے قافلہ کے ساتھ ساتھ رہے بہرحال اس کارِ خیر میں جن صاحبوں نے مجھے مدد پہنچائی ہے میں ان کی سپاس گذار ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو باین مکرمت سلامت رکھے اور مقاصد بر لائے۔"

اِس کے بعد بسواری تختِ رواں شہر میں داخل ہوئیں اور ایک وسیع اور موزوں مکان میں قیام ہوا لیکن چونکہ یہ حرم شریف سے دور تھا اس لئے مسجد نبوی کے باب مجیدی کے قریب انتظام کیا گیا اور چوتھے دن بعد سلام روضۂ مطہرہ جدید مکان میں منتقل ہوگئیں اور حرم شریف میں حاضری دی اور ارکانِ زیارت ادا کئے اب روزانہ نمازِ عشا مسجد نبویؐ میں ادا کرتیں، شیخ الحرم نے ایک جگہ سب سے الگ مخصوص کر دی جہاں کوئی نہ جاسکتا تھا اور بقولِ خود "جس کے سبب سے ماہِ مبارک رمضان میں جسقدر عبادت میری تقدیر میں لکھی تھی کرلی"۔ مدینۂ طیّبہ میں ڈھائی مہینہ قیام رہا اعیان و شرفا اور ارکانِ حکومت نے نہایت احترام و خلوص کا برتاؤ کیا خواتینِ عرب سے بھی ملاقاتیں ہوئیں اور دونوں جانب سے دعوتوں کا سلسلہ جاری رہا اور ان کا طرزِ معاشرت بھی بنظرِ غائر ملاحظہ کیا۔ ترکی گورنر نے بھی عید اور رخصت کے دن بڑے اعلیٰ پیمانہ پر دعوتیں کیں۔ ریاست سے مکہ معظمہ کے متعدد اشخاص وظائف پاتے تھے مگر مدینۂ منورہ کے کسی شخص کا وظیفہ نہ تھا سرکارِ عالیہ نے یہاں بھی معقول وظائف مقرر کئے اور متعدد اصحاب کو ہدایا اور فیّاضانہ انعامات دیئے۔

مکہ معظمہ کو روانگی اور بدوی قبائل کا حملہ

پہلے ینبوع اور جدہ کے راستہ مکہ معظمہ جانے کا ارادہ تھا لیکن پھر براہ راست مدینۂ طیبہ سے قصد کیا، جو خطرات کہ پیش آچکے تھے اُن کے لحاظ سے سرکارِ عالیہ کا قافلہ شامی قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا فوجی جمعیت میں بھی کافی اضافہ ہوگیا تھا۔ ۲۷ ر ذی قعدہ (۱۳ ر فروری ۱۹۱۴ء) کو احرام باندھا اور حرم نبوی میں حاضر ہوکر سلامِ رخصت پڑھا بعد عصر مدینۂ منورہ سے روانہ ہو کر بیر علی پر قیام کیا۔

۲۸ ر ذی قعدہ کو مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوئیں۔ تیسری منزل پر بدوؤں کی طرف سے خطرہ محسوس ہوا اور فوراً حفاظتی تدابیر کرلی گئیں۔ چوتھی منزل میں انھوں نے سلسلۂ کوہ کی آڑ سے گولیاں برسانی شروع کیں اس حملہ کا موثر جواب کسی قدر مشکل تھا کیونکہ حملہ آور پہاڑوں کے اوپر اور قدرتی

حصار میں تھے مگر ترکی بستہ بلا خوف و خطر پہاڑوں پر چڑھتا چلا گیا اور حملہ آوروں کو توپ خانہ کی زد میں لے آیا غرض میدانِ جنگ کا اچھا خاصا منظر بن گیا اور دو گھنٹہ سے زیادہ یہ معرکہ قائم رہا ایک ترک افسر سلیمان آغا یوزباشی شہید ہوا۔ اور بدوؤں کی متعدد جانیں ضائع ہوئیں۔ بالآخر حملہ آور بُری طرح پسپا ہوکر منتشر ہوگئے اس کے بعد کوئی خطرہ پیش نہیں آیا۔

مکہ معظمہ میں داخلہ اور استقبال و قیام

۶؍ ذالحجہ (۲۳؍ فروری) کو ۱۲ بجے دن کے مکہ معظمہ میں داخلہ ہوا والئی حجاز اور شریف مکہ نے فوجی استقبال کیا جمعیتِ موسیقی (بینڈ) نے سلامی بجائی اور توپ خانہ نے شلک سلامی سر کی۔

مناسک و ارکانِ حج ادا کرنے کے بعد سرکار عالیہ ۲۱؍ ذی الحجہ تک مکہ معظمہ میں مقیم رہیں اِس عرصہ میں اعیان و خواتینِ مکہ، ترکی حکام اور مصر و دمشق کے عہدہ داروں سے سلسلۂ ملاقات جاری رہا۔

مراجعت

۲۲؍ ذی الحجہ کو پورا قافلہ فوجی معیت و حفاظت میں مکہ معظمہ سے روانہ ہوا۔ ۲۳؍ کی شام کو مع الخیر جدّہ پہنچا، جہازِ اکبر منتظر قدم تھا، سرکار عالیہ نے اسی وقت تشریف لے جاکر استراحت فرمائی دوسرے دن قافلہ سوار ہوا اور سامان بار کیا گیا، ۲۵؍ کو جہاز نے لنگر اُٹھایا اور ۸ محرم سنہ ۱۳۲۲ھ (۲۶؍ مارچ سنہ ۱۹۰۴ء) کو ساحل بمبئی پر پہنچا، گورنمنٹ بمبئی کی طرف سے مراسم استقبال ادا کئے گئے اکثر اراکین و متوسلین ریاست بھی خیر مقدم کے لئے حاضر تھے۔

قافلہ کا بڑا حصہ اسی دن بھوپال روانہ کردیا گیا اور سرکار عالیہ نے چند دن بمبئی میں قیام فرماکر ۱۶ محرم (۴؍ اپریل) کو بھوپال کی جانب نہضت فرمائی۔

تمام ارکان و اعیانِ ریاست اور عامہ رعایا نے جس جذبہ و جوش اور عقیدت و خلوص کے ساتھ استقبال کیا وہ ایک ایسا پُر اثر نظارہ تھا جو الفاظ میں بیان ہی نہیں ہوسکتا۔ صرف نظر سے ہی تعلق رکھتا تھا، نہایت ہی تکلف کے ساتھ شہر کی آرائش کی گئی تھی ہر در و دیوار رعنائی و دل فریبی کا مرقع تھا۔ ہر طرف رنگا رنگ جھنڈیاں اور بیرقیں لہرا رہی تھیں، جابجا متعدد دروازے بنائے گئے تھے جن کی سجاوٹ میں جذباتِ دل کی کارفرمائی نمایاں تھی،

ادنےٰ سے اعلےٰ تک کاشتکار و مزدور سے لے کر رکنِ ریاست تک کوئی متنفس ایسا نہ تھا جو پیکرِ انبساط نہ ہو۔

سرکارعالیہ نے شاہی سیلون سے اُتر کر پہلے ریاست کے ویٹنگ روم میں استقبال کرنے والوں کا سلام تبریک قبول فرمایا اور پھر بگھی میں سوار ہو کر فوج و رعایا کا جو سڑک کے دونوں جانب مشتاقانہ صف بستہ حاضر تھی سلام لیتی ہوئی ایوانِ صدر منزل میں داخل ہوئیں۔

سرکارعالیہ حرمین الشریفین سے جو تبرکات لائی تھیں وہ بمبئی میں چھوڑ دیئے گئے تھے جو بعد میں ۷ ربیع الاول کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بھوپال لائے گئے، تمام عمائدین ریاست اسٹیشن پر حاضر ہوئے اور ایک جلوس مرتب ہوا جس کے ساتھ یہ تبرکات معینہ راستوں سے موتی مسجد میں زیارت کے لئے لائے گئے جہاں ایک ہفتہ تک عام مسلمانوں نے اُن کی زیارت کی۔

سرکارعالیہ کا یہ سفر پانچ مہینہ نو یوم کا تھا اور بجز اس کے کہ ارضِ حجاز میں دو مرتبہ خطرات کا مقابلہ کرنا پڑا اور ہر طرح سلامتی و خیریت رہی، ان خطرات کی اصل وجہ نہ صرف عام بدوؤں کی حرص و آز تھی بلکہ ان کے بعض شیوخ بھی ہمہ تن طمع بن گئے تھے، خصوصاً شریف مکہ نے تو سازش کا ایک جال بچھا دیا تھا، جس کی ادنیٰ مثال یہ تھی کہ مزدوری تک کی قیمت لگا دی تھی یعنی وہی شخص مزدور ہو سکتا تھا جو شریف کو گراں قدر نذرانہ پیش کرے، اونٹوں کے کرایوں میں غیر معمولی اضافہ بھی اسی سازش کا سبب تھا، مکہ معظمہ میں سرکارعالیہ نے جس مکان میں قیام کیا تھا اس کا کرایہ ایک ہزار گنی قرار دے کر مطالبہ کیا حالانکہ مکان کا انتظام حکومت کی طرف سے کیا گیا تھا، تاہم سرکارعالیہ نے اس مطالبہ کے ادا کرنے کا حکم دے دیا لیکن والی (گورنر) نے شریف کی اس حرکت پر سخت ملامت کی اور بہ اصرار روپیہ دینے سے روکا، سرکارعالیہ چند مواقع پر بنظر ہمدردی و ثواب جو کچھ ان لوگوں کو دینا چاہتی تھیں وہ ان کے اندازہ سے کم تھا اس لئے انھوں نے تخویف و حملہ سے اپنا دہن آز بھرنا چاہا لیکن یہ امر سرکارعالیہ کی طبیعت کے خلاف تھا کہ کسی دہمکی، خوف اور خوشامد سے بے اعتدالی کے ساتھ جود و بخشش پر مائل ہوں البتہ جن شیوخ نے طمّاعی سے احتراز رکھا وہ امید سے زیادہ متمتع ہوئے اور پھر حرمین الشریفین کے مصارف تو موازنۂ ریاست کا ایک جزو ہو گئے اور ہمیشہ ان میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

سیاحتِ یورپ

سیر و سفر کے تذکروں میں اکثر مثالیں یورپین لیڈیز کی بڑی بڑی سیاحتوں کی موجود ہیں اور خال خال مشرقی بیگمات کے بھی حالاتِ سفر نظر آجاتے ہیں لیکن ان میں سرکار عالیہ کی سیاحت فی واقع عدیم المثال ہے۔

سرکار عالیہ کا بہ عمرِ ۵۴ سال کی عمر میں یورپ کی سیاحت کے لئے روانہ ہونا اور پھر مذہب و پردہ کی کامل پابندی کے ساتھ ایک عجیب حیرت ناک امر ہے۔ بے شک مشرقی بیگمات ہی نہیں بلکہ مسلمان خواتین ارض حجاز و بغداد اور کربلائے معلّٰی کو حج و زیارت کے لئے جاتی ہیں اور بعض ہندو رانیاں اور امیر عورتیں یورپ کو بھی گئی ہیں اور چند یورپین لیڈیز نے دُنیا کے اُن تمام حصص کی سیاحت کی ہے جہاں ریل و جہاز کے ذریعہ سے امکانِ سفر ہے لیکن سرکار عالیہ نے جس طرح سفر حجاز کیا وہ ناظرین پڑھ چکے ہیں اور سیاحت یورپ کے لئے جس طریقے پر قدم اُٹھایا اور جس کو آخر تک نباہا وہ ناظرین کے زیرِ مطالعہ ہے۔ یہی تمام باتیں سرکار عالیہ کے سفر کو ایک ایسا سفر بناتی ہیں جس کی مثال اس سے قبل نہیں ملتی۔

بارِ اوّل

روانگی اور درمیانی مقامات کی سیر

اپریل ۱۹۱۱ء کو سرکار عالیہ سفر یورپ کے لئے بندر بمبئی سے کالیڈونیا اسٹیمر پر سوار ہوئیں۔ دو صاحبزادے نواب جنرل حافظ حاجی محمد عبید اللہ خاں بہادر (مرحوم و مغفور) اور اعلیٰ حضرت اقدس بالقابہ، نیز ہر ہائی نس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم معیّت میں تھے۔ راستہ میں مارسیلز کی سیر فرمائی۔ یہاں ہندیوں

---

[1] اس سفر کے حالات کو نہایت دل چسپ پیرایہ میں ہر ہائی نس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم نے قلم بند کر کے سیاحت سلطانی کے نام سے شایع کیا ہے۔

سے نے اپنے ملک کی ایک جلیل قدر والیۂ ریاست کے اعزاز اور اپنے اظہار عقیدت کے لئے پُرجوش اور شاندار استقبال کیا۔ چونکہ سرکار عالیہ پہلے فرانس کی سیر کرنا چاہتی تھیں اس لئے مارسیلز سے پیرس کو روانہ ہوئیں۔ راستہ میں اٹلی، سسلی، پورٹ سعید کے مناظر بھی ملاحظہ کئے۔ پیرس میں وہاں کے تاریخی مقامات اور عمارات کی سیر فرمائی میوزیم کو ملاحظہ کیا جو نپولین بونا پارٹ کے ایوان سلطنت میں ہے اور جہاں لوئس پانز دہم قید کیا گیا تھا، سب سے بڑے گرجا کو بھی دیکھا جو شہر پیرس کی ناک سمجھا جاتا ہے۔ ہوٹل میں پہنچنے سے بہت پہلے اخباروں کے نامہ نگار فوٹوگرافر اور سینو میٹوگراف (متحرک تصاویر) کا تماشہ دکھانے والوں نے ہوٹل کی عمارت کے تمام دروازوں کو گھیر لیا تھا کہ مشرقی ملکہ کے آتے ہی اُن کی تصویریں لے لیں اور اخباروں میں خبریں دوڑا دیں لیکن یہ لوگ اپنے اس خیال کے پورا کرنے میں سخت مایوس ہوئے کیوں کہ انگریزی افسروں نے جو ہمرکاب تھے دانشمندی اور حکمتِ عملی سے نہایت عجلت کے ساتھ سرکار عالیہ کو قیام گاہ کے کمروں میں پہنچا دیا اور یہ لوگ سوائے سفید سفید ٹوپی دار برقعوں کے جلوس کے اور کچھ نہ دیکھ سکے۔ لطف یہ ہے کہ اِس پُر اسرار منظر نے اہل پیرس کے دلوں میں اور بھی اشتیاق بڑھا دیا کہ وہ سرکار عالیہ کے متعلق مزید حالات معلوم کریں مگر اُن کو کامیابی نہ ہوئی۔

انگلستان میں داخلہ اور ریڈہل میں قیام

پیرس کی سیر کے بعد سرکار عالیہ جہاز میں انگلستان تشریف لائیں، ڈوور کے ساحل پر اسپیشل ٹرین لائی گئی جس کے سیلون کا دروازہ جہاز کے قریب ہوگیا۔ سرکار عالیہ سوار ہو کر ریڈہل میں داخل ہوئیں یہاں زنانہ قیام کے لئے ایک پر فضا عمارت کا انتظام کیا گیا تھا۔ مضافات لندن میں ریڈہل سکون اور آب وہوا کے لحاظ سے ایک بہترین قصبہ ہے جو لندن سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔

چونکہ سرکار عالیہ مناظرِ قدرت کی شائق تھیں اور آبادی کے شور وشغب سے دُور رہنا پسند کرتی تھیں اس لئے خاص لندن میں قیام کرنا پسند نہ فرمایا اور اس قصبہ کو انتخاب کیا۔

مصروفیتیں

یہاں اخبارات کے نمایندوں کو ایک حد تک سرکار عالیہ کے مشاغل معلوم ہونے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ ایک اخبار نے اس کے متعلق تحریر کیا تھا:۔

"ہر ہائی نس پابند اوقات اور صبح اُٹھنے والی ہیں وہ نہایت مضبوط کیرکٹر رکھتی ہیں۔ ۵ بجے صبح اُٹھتی ہیں اور ۶ بجے ناشتہ فرماتی ہیں۔ ناشتہ سے پہلے اپنے گراؤنڈ پر چہل قدمی کرتی

ہیں اور پھر دوسری مرتبہ ٹہلتی ہیں اس کے بعد کچھ مطالعہ کرتی ہیں اور پھر ہمراہی لیڈیز کے ساتھ بات چیت میں مصروف ہو جاتی ہیں، دن بھر گھر کے اندر رہتی ہیں۔ انگریزی اور دوسری زبانوں کے اخبارات کا مطالعہ کرتی ہیں۔ ناول پڑھتی ہیں لیکن عمدہ تصنیفات کو ترجیح دیتی ہیں۔ اگرچہ ان کی لیڈی ڈاکٹر کے پاس انگریزی ادبیات کا بکس ہے۔ لیکن ہر ہائی نس بہت تندرست ہیں دن کا معقول حصہ پینٹنگ میں بھی صرف فرماتی ہیں"۔

مختلف اوقات میں سرکار عالیہ نے مدارس، شفاخانے اور نباتات کے شاہی باغ کا معائنہ کیا۔ پال مال میں واٹر کلر اگزیبیشن کی سیر کو بھی تشریف لے گئیں جہاں پریسیڈینٹ نے استقبال کیا۔ مارل برو ہوس میں ملکہ الگزنڈرا (کوئن مدر) سے ملاقات کی۔ اور قصر بکنگھم میں ۹ مئی کو ملک معظم جارج پنجم قیصر ہند کے دربار میں شریک ہوئیں۔ انعقادِ دربار سے تھوڑی دیر پہلے ہز مجسٹیز نے سرکار عالیہ سے ملاقات کی۔

۲۲ جون کو تاج پوشی کے عظیم الشان جلوس میں جس میں تمام سلطنت کے قائم مقام شریک تھے شرکت کی اس موقع پر ایک کھلی گاڑی میں بہ لباس برقع سوار تھیں۔ دورانِ قیام میں تمام شاہی تقریبات اور مختلف سوسائٹیوں اور اُمراء کی پارٹیوں میں بھی شریک ہوئیں۔ ارل اور کونٹس آف منٹو اور دیگر انگریز شرفا اور خواتین سے جن کے ساتھ ہندوستان میں راہ و رسم تھی اور دیگر معزز ہندوستانیوں سے جو یہاں مقیم تھے متعدد مرتبہ ملاقاتیں کیں ایک مرتبہ ناہم کے مشہور ہسپتال دیکھنے کے لئے بھی تشریف لے گئیں جو ملک جرمنی میں واقع ہے جس میں بجلی کے ذریعہ علاج امراض کا جدید طریقہ جاری ہوا تھا۔

استنبول کا سفر اور قیام

انگلستان میں ڈیڑھ مہینہ قیام کے بعد جینوا اور بوڈاپسٹ کے راستہ سے استنبول تشریف لے گئیں، اگرچہ داخلہ بالکل پرائیوٹ تھا تاہم عہدہ دارانِ سفارت برطانیہ کے علاوہ سلطان المعظم کے ایک سکریٹری اور ایک ایڈیکانگ اسٹیشن پر موجود تھے اور شاہی گاڑی بھی حاضر تھی، یہاں پہلے پیرا میں قیام فرمایا اور آٹھ دن بعد تھراپیا کے سمر پیلیس ہوٹل میں جو باسفورس کے کنارہ پر واقع ہے منتقل ہو گئیں، ارکین دولتِ عثمانیہ اور تعلیم یافتہ ترک خواتین سے ملاقاتیں ہوئیں، یہ خواتین بڑے شوق سے ملنے کو آتیں اور صنفی مسائل پر گفتگوئیں ہوتیں، احمد رضا بے ہیڈ آف پارلیمنٹ کے زنانہ مدرسہ کا معائنہ کیا۔ اعلیٰ حضرت سلطان المعظم سے

سفیر برطانیہ کے ذریعہ سے دولمہ باغچہ میں ملاقات ہوئی۔ حرم سرا میں جاکر سُلطانہ سی ملیح خم دسلطان المعظم ہمراہ گئے اور تعارف کرانے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔

ترکی کے خزانہ میں نہایت مقدس تبرکات ہیں اور سرکار عالیہ کو ان کی زیارت کا بے انتہا شوق تھا چنانچہ اس کا انتظام ہوا اور زیارت سے مشرف ہوئیں، استنبول کے دَورانِ قیام میں حضور محمد وحہ کو سلطان المعظم نے ایک نہایت مقدس تحفہ دیا جو بھوپال کے لئے دائمی خیر و برکت کا باعث رہے گا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مُبارک جو سُلطان المعظم کو ذاتی ورثہ میں حاصل ہوا تھا۔

اس سفر کے متعلق سرکار عالیہ نے آبرو بیگم صاحبہ کو ایک مکرمت نامہ ارسال فرمایا تھا جس میں تحریر فرماتی ہیں کہ:۔

سرکار عالیہ کا ایک مکرمت نامہ | آبرو بیگم سکریٹری لیڈیز کلب!

۲۹ رجولائی کو سب خیر و عافیت سے استنبول پہنچے ویانا جو آسٹریا کا شہر ہے اس کے بعد سے یورپ کی شادابی میں تنزل معلوم ہوتا ہے جوں جوں آگے چلے جاؤ ایشیا کی جھلک معلوم ہوتی جاتی ہے ویانا میں گھوڑے اچھے ہوتے ہیں اس لئے وہاں کرنل صاحب[۵] نے قیام کیا اور ہم آگے چلے گئے جینوا سے ویانا ۲۴ گھنٹہ کا راستہ ہے قسطنطنیہ کا جینوا سے چار روز کا راستہ ریل سے ہے۔ غرض ریل سے حالتِ ملک دیکھتے ہوئے چلے جاتے تھے دوسرے روز صبح ملکِ سرویا میں پہنچے۔ شام کو بلغاریہ۔ لیکن یہ صوبہ ترکی کا تھا اب آزاد ہوگیا ہے۔ یہاں تک تو خیر یورپ کی جھلک نظر آتی تھی۔ اب شام ہوگئی اور اندھیرا ہوگیا کچھ دکھائی نہیں دیتا صبح ترکی علاقہ میں داخل ہوئے۔ سُرخ سُرخ ٹوپیاں بجائے لالہ کے نظر آنا شروع ہوئیں۔ سناٹا چھایا ہوا۔ یہاں یورپ کی سی چہل پہل کا نشان نہیں عورتیں معدوم مرد اسٹیشن پر پھرتے نظر آ رہے تھے دو روز برابر ترکی علاقہ میں ریل چلتی رہی لیکن بجز کہیں کہیں مکا کے کھیتوں کے یا نا کہ دار کے جھونپڑے کے کچھ نظر نہیں آتا۔ پہاڑیاں جنگلی پھولوں یعنی گھانس کے پھولوں زرد اور نافرمانی سے آراستہ تھیں جگہ جگہ گھانس کی گنجیاں

---

[۵] کرنل نواب حافظ حاجی محمد عبید اللہ خاں بہادر مرحوم و مغفور۔

لگی ہوئی تھیں کہیں کہیں پہاڑی ندیاں تھیں جو غالباً بارش میں بہتی ہونگی۔ اس وقت تو کہیں کہیں تھوڑا تھوڑا پانی جاری تھا جس پر ہمارے ترک خانہ بدوش یا بھیڑ بکری کے جیسے اپنی بھیڑیں اور گلے چرا رہے تھے۔ یہاں کھیتی مثل ہندوستان کے بیلوں سے ہوتی ہی۔ بلغاریہ سے بھینس اور اونٹ بھی نظر آئے غرض اسی طرح قسطنطنیہ پہنچے۔ سلطان المعظم کی جانب سے راغب بے سکریٹری اور گورنمنٹ ترک کی جانب سے ایک اے، ڈی سی اور ہماری گورنمنٹ کی جانب سے سفیر کے سکریٹری استقبال کو آئے تھے اگرچہ ہم نے لکھ دیا تھا کہ میں بالکل پرائیوٹ سفر کر رہی ہوں لیکن پھر بھی احتراماً بھیجے گئے۔ سلطان المعظم کی جانب سے بگھی آئی، اور میں سوار ہو کر پیرا ہوٹل میں اُتری راغب بے کو رخصت کیا۔

دوسرے روز سفیر انگلشیہ سے ملنے گئے۔ سلطانی گاڑی روز کے واسطے مقرر ہوگئی جہاں جانا ہوگا اسی پُر تکلف گاڑی میں جانا ہوگا۔ سفیر اور ان کی خاتون بہت زیادہ احترام سے پیش آئے۔ بجرہ تک استقبال کیا۔ بجرہ سفیر کی جانب سے آیا تھا۔ سفیر صاحب نے چاء وغیرہ پلائی۔ ان کی خاتون بہت سی باتیں کرتی رہیں۔ کرنل صاحب جو ویانا میں ٹھہر گئے تھے ابھی نہیں آئے۔ راستہ میں بداپسٹ دیکھنے ٹھہر گئے تھے۔ تیسرے روز رفعت پاشا وزیر خارجہ ملنے آئے اور آج کرنل صاحب بھی بداپسٹ سے آگئے تھے۔ ہماری جانب سے ملاقاتِ بازدید کو دونوں صاحبزادہ جاتے تھے۔ چوتھے روز گرینڈ وزیر آئے اُن سے ملاقات ہوئی۔ پانچویں روز احمد رضا بے جو پارلیمنٹ کے افسر اعلیٰ ہیں وہ آئے چھٹے (دن) کمانڈر انچیف ترکی تشریف لائے غرض روزانہ اسی طرح ملاقاتیں ہوتی رہیں ہم سلطان المعظم کے سلام کو گئے محل نہایت آراستہ خوشنما جگہ پر بنا ہوا ہے ایک افسر نے بگھی سے اتارا دو سکریٹری آگے راستہ بتاتے چلے ایک کمرہ جو ریسپشن روم ہے اس میں ہم کو اور صاحبزادگان کو بٹھایا گیا اس کے بعد سفیر انگلشیہ آئے اُن کو سلطان المعظم کے نزدیک لے گئے یہ سفیر انگلشیہ کی پہلی ملاقات تھی اس وقت تک وہ سلطان المعظم کی ملاقات سے مشرف نہیں ہوئے تھے ایک خواجہ سرا ہمارے واسطے شربت پُر تکلف پیالوں میں لایا نہایت مودبانہ طریقہ سے۔ ہم نے تو شربت نہیں پیا کیونکہ گرمی میں چل کو آئے تھے اور یہ

خیال تھا کہ نزلہ کی تحریک نہ ہو۔ صاحبزادگان نے شربت پیا۔ دونوں خواجہ سرا بعد شربت نوشی کے چلے گئے پھر وہی خواجہ سرا مرصع پیالیوں میں قہوہ لے کر آئے۔ ہم نے قہوہ پیا۔ صاحبزادگان نے شکریہ سے واپس کیا اس کے بعد سفیر انگلشیہ کے سکریٹری آئے اور ہم کو اس کمرہ میں لے گئے جہاں سفیر صاحب اور سلطان المعظم تشریف رکھتے تھے۔ ترکی طریق پر ہم نے اور صاحبزادگان نے آداب بجا لایا بیٹھنے کی اجازت ہوئی۔ سلطان المعظم نے ہر سہ اصحاب کی مزاج پُرسی زبان ترکی میں کی مترجم نے ترجمہ کیا، سلطان المعظم نہایت منکسر المزاج ہیں، جن کی طبیعت، طرز کلام اور انکساری اصحاب رسول مقبولؐ اور اچھے خلفائے اسلام کی باتوں کو یاد دلا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد سلطان نے فرمایا کہ محل میں تشریف لے چلئے خود ہمارے ہمراہ ہوئے۔ صاحبزادگان یہیں سفیر انگلشیہ کے نزدیک ٹھہرے رہے۔ نہایت حکمؐ کی گیلریوں سے زنانہ کمروں میں پہنچے جوں جوں زنانہ کمرے قریب آتے جاتے تھے خواجہ سراؤں کی صفیں استادہ نظر آتی تھیں۔ راستہ میں دونوں شہزادگان سلطان المعظم جو خدا کے فضل سے جوان ہیں ملے اُن سے مصافحہ ہوا آگے اب خواصوں کی لین نظر آئی اور ہاتھوں ہاتھ ہم کو لیا سلطان المعظم آگے ہم پیچھے پیچھے چلے جاتے تھے غرض کمرۂ خاص میں پہنچے، چیف سکریٹری کی دختر مترجم تھیں ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور سلطان المعظم بھی بیٹھ گئے دوسری جانب سے ہر دو سلطانہ اور اُن کے پیچھے ایک حرم برآمد ہوئیں تمام خواصوں نے سر تسلیم جھکا دیا ہم تعظیماً اُٹھ کھڑے ہوئے مصافحہ ہوا مزاج پُرسی ہوئی۔ دونوں سلطانہ کرسی پر رونق افروز ہوئیں حرم زمین پر بیٹھ گئی یہاں سلطان المعظم مترجم بنے میں اُن سے فارسی میں گفتگو کرتی تھی وہ ترکی میں خواتین کو سمجھا دیتے چند منٹ کے بعد سلطان یہ کہہ کر اُٹھے اب خواتین سے گپ زنی کیجئے میں باہر سفیر اور آپ کے صاحبزادوں کے ہمراہ قہوہ نوشی کروں غرض سلطان تشریف لے گئے اور خواتین کی بن پڑی اُٹھ اُٹھ کر مثل خواہروں کے گلے ملیں اور جیسے ایشیائی رسم ہے اسی طرح مدارات کی چند مرتبہ اُٹھنے کا ارادہ کیا لیکن وہ جانے نہیں دیتیں یہ اُن کو پہلا موقع تھا کہ غیر ملک کی خواتین سے ملنے کا اتفاق ہوا چار آئی مٹھائی آئی غرض ایک گھنٹہ بعد دونوں سلطانہ اپنا باغیچہ دکھانے لے گئیں اپنا برقعہ دکھایا مترجم ترجمہ کرتی

جاتی تھی پھر سلطان تشریف لائے آفندیم آفندیم کی صدا بلند ہوئی اس کے بعد ہم رخصت ہوئے اور سلطان المعظم کے ہمراہ باہر محل کے آئے ایک حد معینہ پر سلطان نے چھوڑا اسی طرح اس کمرہ میں گئے یہاں صاحبزادگان ہمارا انتظار کر رہے تھے سفیر صاحب جا چکے تھے غرض وہاں سے چیف سکریٹری بگھی تک لے گئے اور ہم ہوٹل کو واپس آئے۔ ساتویں روز مساجد کو دیکھا مسجد سلطان احمد میں دو رکعت نماز نفل پڑھی۔ آٹھویں روز زیارتِ خرقہ شریف رسول مقبول صلعم کو گئے۔ خرقہ شریف تو نہیں دیکھا کیوں کہ وہ چالیس غلاف کے اندر سر بہ مُہر رکھا ہوا ہے ہر رمضان کی ۱۵ تاریخ کو سلطان اپنے دستِ مبارک سے اس مہر کو توڑتے ہیں بعد زیارت پھر مہر لگا دیتے ہیں اسی وقت اور افسروں کو زیارت نصیب ہوتی ہے غرض ہم نے اس کپڑے کو بوسہ دیا۔ پھر قدمِ مبارک دیکھا حضرت عثمان علیہ السلام کا قلمی قرآن مجید دیکھا۔ اس قرآن مجید کو آپ پڑھ رہے تھے جو شقیوں نے قتل کیا اس پر ان کا خون پڑا ہوا ہے حضرت عمرؓ اور اصحاب کی تلواریں دیکھیں اُس علم کو دیکھا جو رسول مقبول کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ غرض ایسی متبرک اشیاء دیکھیں کہ سب کلفت دُور ہو گئی۔ یہ تمام کیفیت اپنی خواتین کلب کے سُننے کے واسطے لکھی ہے تاکہ وہ بھی سُن کر خوش ہوں باقی آئندہ لکھوں گی یلدیز پیلس دیکھا تھا خوبصورت محل ہے ایسے ہی بہت سے محلات بہت خوبصورت ہیں۔"

بڈاپسٹ اور قاہرہ کی سیر

یہاں سے بیت المقدس کا ارادہ بھی تھا لیکن شدتِ گرما وغیرہ کے باعث فسخ کرنا پڑا۔ استنبول سے روانہ ہو کر بڈاپسٹ کو دیکھا۔ یہاں مشہور پروفیسر ویمبری سے ملاقات ہوئی اور فلارنس کے خوبصورت شہر میں دوگانہ عید الفطر ادا کیا۔

پھر برنڈزی سے براہ پورٹ سعید قاہرہ آئیں۔ لارڈ کچنر کو پہلے سے مطلع کر دیا تھا۔ پورٹ سعید پر باقاعدہ استقبال کا انتظام اور خدیو کا سیلون موجود تھا۔

لارڈ کچنر ملاقات کے لئے آئے اور سرکار عالیہ نے بھی بازدید کی۔ خدیو موجود نہ تھے اِس لئے اُن سے ملاقات نہ ہو سکی۔ یہاں کے قیام میں مقدس مقامات کی بھی زیارت کی۔

مراجعت

قاہرہ سے روانہ ہو کر ۲۲ ر اکتوبر کو مع الخیر ساحلِ بمبئی پر اور اسی دن ریل میں سوار ہو کر ۲۳ ر اکتوبر ۱۳ء بجے۔ ۷ ماہ ۱۶ یوم کے سفر کے بعد دار الریاست میں رونق افروز ہوئیں۔

انگلستان کے اخبارات کی عجیب معلومات سرکار عالیہ کی سیاحت کے متعلق اکثر انگریزی اخبارات میں عجیب مضمون شایع ہوئے ہیں جن کو ہم ہندوستانی دیکھ کر مضمون نگاروں کی معلومات پر قہقہہ لگائیں تو کچھ بیجا نہیں معلوم ہوتا انگلستان کے اخبارات کو مشرقی معلومات بہت کم ہیں اور وہ مسلمانوں کی معاشرت وحالات سے بالکل بے خبر ہیں یا اُن کا علم قصص وحکایات یا ادنیٰ قسم کی تاریخوں تک محدود ہے مثلاً ایک اخبار نے لکھا تھا کہ :-

"وہ اپنے ساتھ پینے اور استعمال کا پانی جس کی ان کو ملک سے باہر ضرورت ہوگی ہمراہ لائی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بے دین آنکھیں ان کو نہ دیکھ سکیں ہمیشہ برقع میں رہتی ہیں کیونکہ ہندوؤں میں جیسی کہ وہ ملکہ شمار کیجاتی ہیں، ویسے ہی خدا کا اوتار مانی جاتی ہیں۔"

ایک اخبار نے ایک ہمراہی مولوی صاحب کے متعلق لکھا تھا کہ :-

"ان کے ساتھ دو راہب ہیں جن کا یہ عہدہ ہے کہ وہ مغربی وحشیوں کے جادو سے اپنی ملکہ کی حفاظت کریں۔"

ان ہی مولوی صاحب کو کہیں پجاری اور کہیں منجم کے نام سے بھی خطاب کیا گیا ہے۔ ایک اخبار نے لکھا تھا کہ :-

"جب مشرقی ملکہ کا سفر ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ ہاتھی، مقدس طاؤس، اور غلام کو بھی ساتھ رکھتے ہیں۔ ہر ہائی نس نے یورپ کی دریوں پر بھی قدم رکھنے سے انکار کیا اور مشرقی قیمتی قالینوں پر ان کا پاؤں رکھا جاتا ہے۔"

بارِ ثانی[1]

سفرِ ثانی دوسرا سفر اس وقت کیا گیا جب کہ انگلستان کا موسم ابر و باراں، کُہر اور برف باری سے بہت خراب ہوتا ہے اور امرار و عمائد انگلستان سے ممالک گرم کو چلے جاتے ہیں لیکن سرکار عالیہ کے استقلال اور عزم بالجزم میں تکالیف موسم، طوفان، برف باران مغرب کے خوف نے کچھ بھی تزلزل

---

[1] یہ دلچسپ حالات مؤلف کی درخواست پر میر دبیر قاضی ولی محمد صاحب دبیر الانشا سکریٹری اسٹیٹ کونسل بھوپال نے تحریر فرمائے ہیں جو نہایت شکرگذاری وممنونیت کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔ (مؤلف)

پیدا نہ ہونے دیا۔ اور وہ ۱۱ر ستمبر ۱۹۲۵ء کو ایک مختصر جماعت کے ساتھ جس کی کل تعداد ۳۲ سے متجاوز نہ تھی بندرگاہ بمبئی سے نصر من اللہ و فتح قریب کہتی ہوئی قیصر ہند نامی جہاز سے دیار مغرب کے لئے روانہ ہو گئیں۔

چودہ دن کے بعد بتاریخ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۵ء (۸ ربیع الاول) فرانس کی بندرگاہ مارسیلز میں جہاز لنگر انداز ہوا۔ اعلیحضرت افتخار الملک[۱] بہادر کی تاریخ ولادت بھی یہی تاریخ ہے۔ سرکار عالیہ ابھی جہاز سے اُتری نہ تھیں کہ تبریک و تہنیت کے ساتھ مراسم سال گرہ ادا ہو گئے اور ہدیہ و تحائف کے علاوہ ادعیۂ فراواں سے اعلیٰ حضرت کو سرفراز فرمایا گیا۔

مارسیلز میں علی الصباح جہاز پہنچ گیا تھا۔ لیکن سرکار عالیہ تقریباً دو بجے جہاز سے اُتریں اور پی اینڈ او میل ٹرین میں کہ جو جہاز کے قریب ہی تیار ہوتی ہے تشریف فرما ہوئیں اور قریب شام وہاں سے چل کر بخط مستقیم دوسرے روز بوقت ۱۲ بجے شہر کیلے پہنچیں جہاں تکان سفر دور کرنے کی غرض سے رات کو آرام کیا اور دوسرے روز یکشنبہ کو انگلش چینل عبور کر کے اور بذریعہ اسپشل ٹرین ڈوور سے روانہ ہو کر ۲۸ ستمبر کو قریب چار بجے سہ پہر کو وکٹوریہ اسٹیشن لندن پر نزول اجلال فرمایا۔ جہاں سر آسولڈ برنکٹ کے، سی، ایس، آئی، و (نصیر الملک) مولوی سر سید لیاقت علی صاحب ایم لے، ایل ایل بی چیف جسٹس ہائی کورٹ بھوپال اور راقم حالات کے علاوہ جو قبل سے لندن میں مقیم تھے اور سرکار عالیہ کے بعض پُرانے احباب مثل کرنل بنرمین پولٹیکل اے ڈی، سی مسٹر بین۔ کرنل نیومارچ لارڈ ہیڈلے خواجہ کمال الدین وغیرہ استقبال کو موجود تھے۔ انگلستان کی نومسلم جماعت نے بسرکردگی مسٹر عبد اللہ لوگرو۔ لارڈ ہیڈلے، مسٹر خالد شیلڈرک پھولوں کے گلدستے پیش کئے جنھیں سرکار عالیہ نے قبول فرمایا مسٹر خالد شیلڈرک کا صغیر سن بچہ جو انگلستان کی نومسلم جماعت میں نومسلم والدین کا اوّلین نو زائیدہ بچہ ہونے کی وجہ سے شرف رکھتا تھا پیش ہوا۔ جسے سرکار عالیہ نے پیار کیا۔ زاں بعد بمعیت کرنل بنرمین کوٹھی نمبر ۲۹ واقعہ "پورٹ مین اسکوائر" کو تشریف لے گئیں کہ جو حضور ممدوحہ کے لئے کرایہ پر لی گئی تھی۔ سرکار عالیہ اور اعلیٰ حضرت مع خاندانِ شاہی کوٹھی میں مقیم رہے اور بقیہ ممبران

---

[۱] سکندر صولت ہز ہائی نس نواب حاجی محمد حمید اللہ خاں بہادر فرماں روائے بھوپال ادام اللہ بالعز والاقبال۔

کی سکونت کا انتظام ہوٹلوں میں کیا گیا۔

مصروفیتیں اگرچہ لندن کا موسم بہت خراب تھا اور اکثر امرا، وعمائد ممالکِ گرم کو چلے گئے تھے لیکن پھر بھی سرکار عالیہ کے وسیع حلقہ احباب میں سے بہت زیادہ تعداد ان خواتین کی وہاں موجود تھی جن کی وجہ سے سرکار عالیہ ہر وقت مصروف رہتی تھیں۔ احباب کی آمد دوسرے ہی دن سے شروع ہوگئی۔ اخبارات میں سرکار عالیہ کی آمد کا غلغلہ پہلے ہی سے ہوچکا تھا اور نمایندگانِ اخبارات جوق جوق پھرتے تھے لیکن سرکار عالیہ چونکہ شہرت اور نام ونمود کو ناپسند کرتی تھیں اور کبھی اپنے نام کی اشاعت نہیں چاہتی تھیں اس لئے لندن کے کسی اخبار کو انٹرویو عطا نہیں فرمایا لیکن مالکانِ اخبارات بعض موقعوں پر اپنی حکمتِ عملی سے یک گونہ کامیاب ہوگئے اور وہ اس طرح کہ سرکار عالیہ کی خدمت میں بعض مجالس میں ایک دو لیڈی جرنلسٹ از نام مشہور اہل قلم یا نامور مصنفہ پیش کی گئیں اور سرکار عالیہ نے اُن سے گفتگو کی یا سرکار عالیہ نے جبکہ کسی خاتون سے باتیں کیں یا سرکار عالیہ جب کہ کسی خاتون سے باتیں کررہی ہیں تو اُس نے وہ مکالمہ سُن لیا اور یہ گفتگو اور مکالمہ اخبار میں شایع کردیا۔

اسی طرح باوجودیکہ کسی کو اپنی تصویر مرحمت نہیں فرمائی لیکن اس پر بھی سرکار عالیہ کی تصاویر متعدد فوٹوگرافر اور ایجنسیوں سے لے کر حالات وسوانح کے ساتھ ساتھ کہ جو سرکار عالیہ کی تصانیف سے اخذ کئے گئے تھے اپنے اپنے اخبارات میں شایع کرتا کرتے تھے۔

سرکار عالیہ نے اپنا زمانہ قیامِ لندن محض ملاقات اور دعوت میں نہیں گذارا بلکہ ناظرین کو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ ایسے سرد ملک میں سرکار عالیہ طلوع آفتاب سے بہت قبل بیدار ہوتیں اور عبادت وتلاوت سے فارغ ہوکر مختلف قسم کے کاموں میں مشغول ہوجاتیں۔

تحصیل فنون لطیفہ اس زمانہ قیام میں لندن کی مصنوعات جدیدہ وفنونِ لطیفہ میں سے بھی بعض بعض کام مثل باربولا لیکر، لیدر ورک، لیس سازی، پاٹری وغیرہ سیکھنے شروع کردیئے تھے جن کے لئے ایک ہوشیار خاتون کو ملازم رکھا اور انڈے کے چھلکوں پر نقاشی اور اینملنگ وغیرہ مسز فرانسز[۵۱] بوس کا کام دیکھ کر سیکھنا شروع کیا۔ ان کاموں میں

---

[۵۱] مسز فرانسز زنانہ صنعت میں بڑی ماہر ہیں ان کا ایک مخصوص اسٹڈیو ہے جہاں یہ عورتوں کو تعلیم دیتی ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۵۰پر)

انڈے کی دستکاری نہایت مشکل چیز ہے۔ اس میں چھلکوں کی پیلی زمین بنا کر برابر ٹکڑے جمائے جاتے ہیں اور پھر نقّاشی کی جاتی ہے۔ یہ کام جس قدر نازک ہے اسی قدر پائدار بھی ہوتا ہے۔

غرض سرکار عالیہ نے بہت جلد ان کاموں میں ایسی مہارت حاصل کر لی کہ مسز فرانسز کو خود حیرت تھی اور جس کا اظہار اخبارات نے بھی کیا اور حضور ممدوحہ کی ساختہ اشیاء کو لاسیم کلب کی نمائش میں رکھا گیا۔ ساتھ ہی ہر ہائی نس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ کی بھی جدید مصنوعات رکھی گئی تھیں جو نہایت دلچسپی سے دیکھی گئیں۔

نمائش اور اسکولوں کی سیر

سرکار عالیہ اور صاحبزادیوں نے بھی مارشنس آف ایبر ڈین کے مہمانوں کی حیثیت سے کلب میں تشریف لے جا کر اس نمائش کو ملاحظہ کیا۔ مارشنس نے اس موقع پر نہایت نفیس اور رُوح افزا پھولوں کا تحفہ پیش کیا جس کے شکریہ میں حضور ممدوحہ نے ایک برجستہ تقریر فرمائی۔

حضور ممدوحہ نے لندن کے رائل اسکول آف آرٹ آف نیڈل ورک (شاہی مدرسہ سوزن کاری) کو بھی کئی بار ملاحظہ فرمایا اور بہت کچھ سامان خرید کیا۔

ایڈیل ہوم اگزبیشن (نمائش خانہ داری) میں بھی تشریف لے گئیں۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک معائنہ میں مصروف رہیں اور متعدد چیزیں خرید فرمائیں۔ مراجعت کے وقت منتظمین نمائش سے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

صاحبزادیوں کی تعلیم کا انتظام

اس کے ساتھ ہی ساتھ مسز آڈم سے تینوں صاحبزادیوں کی وائلن، پیانو وغیرہ کی تعلیم بھی سامنے ہی کراتی تھیں۔ بڑی صاحبزادی کو جو نکری تعلیم کے لئے ایک اسٹیڈیو میں بھیجا جہاں وہ عرصہ تک جا کر کام سیکھا کیں۔

یادگار جنگ پر ہار چڑھانا

لندن میں نزول اجلال کے دو ہفتہ بعد یادگار جنگ پر جا کر

بقیہ حاشیہ

لاسیم کلب میں ان کی اور ان کے شاگردوں کی تیار کردہ اشیاء بطور نمائش رکھی جاتی ہیں۔ یہ ایک بہت مشہور اور ممتاز کلب ہے اس کی نمائش نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ اس نمائش میں صنعت کے بہترین اور اعلیٰ نمونے تھے ۱۲۔

بڑے بڑے مدور ہار چڑھائے۔ سرکار عالیہ کے جلو میں سارا اسٹاف حاضر تھا جس وقت حضور ممدوحہ پھول چڑھا رہی تھیں تو اُن کے اعزاز میں ایک منٹ تک اس سڑک کے ایک رُخ کا ٹرافک بند کر دیا گیا تھا جو لندن جیسے غدّار شہر میں ایک امتیاز کی بات ہے۔

قبور اہلِ اسلام پر فاتحہ خوانی مسلمانوں کے قبرستانوں میں بھی فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لے گئیں۔ قبروں پر پھول چڑھائے اور گلاب کے چند پودے ہر قبر کے سرہانے نصب کئے۔

صاحبزادیوں کی گل فروشی پاپی ڈے کے موقع پر جس روز بلجیم میں انگریزوں نے فتح عظیم کے بعد صلح کی تھی اور جس کی یادگار میں آجتک خوشی منائی جاتی ہے، سرکار عالیہ نے بہت سے مصنوعی پھول[۵۱] منگوا کر اپنی پوتیوں کے ہاتھ بازار میں بھیجے۔ جہاں انھوں نے آیندورَوند کے ہاتھ فروخت کر کے اس کی آمدنی امدادی فنڈ میں بھیجدی۔

صاحبزادیوں نے بعض بعض خریداروں سے ایک ایک پونڈ فی پھول وصول کیا۔

سرکار عالیہ کا ایک گراں قدر عطیہ لیکن سب سے زیادہ وہ گراں بہا امداد تھی جس کا غلغلہ اخبارات میں کئی ہفتہ تک بلند رہا یعنی سرکار عالیہ نے اس یوم الفتح کی یادگار میں مجروح و معذور سپاہیوں کی امداد میں پانچ ہزار پونڈ کا عطیہ مرحمت کیا۔ یہ رقم حضور ممدوحہ نے براہ راست ارل ہیگ کو بھیجدی تھی جنھوں نے اس کا بہت بہت شکریہ اپنی طرف سے اور نیز اپنی انجمن اور ملک کی طرف سے ادا کیا تھا۔

سرکار عالیہ کا خط اِس عطیہ کے ساتھ حضور ممدوحہ نے جو خط[۵۲] بھیجا تھا اس میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ :۔

---

۵۱ اس تقریب میں بڑے بڑے امرا کی لڑکیاں گل فروشی کرتی ہیں۔ یہ مصنوعی پھول سُرخ پارچہ کے ہوتے ہیں اور اگرچہ ان کی تیاری میں ایک پیسہ سے زائد لاگت نہ بیٹھتی ہوگی لیکن جوش عقیدت کا یہ حال ہوتا ہے کہ معمولی مزدور بھی اپنی گاڑھی کمائی کی ایک اٹھنی گل فروش کے صندوقچہ میں نہایت خوشی سے ڈال کر اپنے سینہ کو پھول سے آراستہ کرلیتا ہے۔ ۵۲ انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

"سینوٹاف میں صبح کے وقت اس تقریب کا منظر دیکھ کر میں بہت متاثر ہوئی۔ کچھ تو یہ اثر اس موقع کی متانت سے اور کچھ ان کوششوں کی یاد کی وجہ سے تھا جو سلطنت نے گذشتہ چار سال میں آزادی کی حفاظت میں مافوق الفطرت سرگرمی کے ساتھ کیں۔ میں نے ان افسروں اور سپاہیوں کو یاد کیا جو اس ابتلائے عظیم سے زندہ اور سلامت نکلے اور مرنے والوں کی لاثانی شجاعت کا تصور کیا جنھوں نے اپنی جانیں سلطنت کے خاطر قربان کیں لیکن سب سے زیادہ میرا دل اُن لوگوں کے بچوں اور بیواؤں کی حالت سے متاثر ہوا جو بغیر ذرائع معاش کے دُنیا میں بے یار و مددگار رہ گئے اور یہ لوگ سلطنت کے تمام باشندوں پر اپنا حق رکھتے ہیں اور ان لوگوں کی امداد مالی سے ہم ان بہادروں کے ساتھ اپنی احسان مندی کا اظہار کر سکتے ہیں جنھوں نے شہادت اِس لئے حاصل کی کہ ہم کو ایک پُرامن سلطنت ورثہ میں دے جائیں۔

پاپی ریلیف فنڈ کے مقاصد کے ساتھ ہمدردی کے اظہار میں اور اُن بیواؤں اور یتیم بچوں کی تکالیف دُور کرنے کے لئے میں ایک حقیر امداد پانچ ہزار پونڈ کے ایک چیک کی صورت میں ارسال کرتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آپ اس فنڈ میں میری یہ ناچیز امداد قبول کریں گے۔ میری چھوٹی چھوٹی پوتیاں آج لندن کی سڑکوں پر فلینڈرس پاپی فروخت کریں گی اور اس طرح جو کچھ وصول ہوگا وہ یہاں کے مقامی شاخ کے فنڈ میں ارسال کر دیا جائے گا۔"

ملکۂ الیگزنڈرا کے مشایعتِ جنازہ میں شرکت۔

اسی زمانہ میں ملکۂ الیگزنڈرا کا انتقال ہو گیا جو عرصہ سے بیمار تھیں اور جن سے سرکار عالیہ کے بہت زیادہ مراسم تھے لیکن بوجہ علالت کے نہ مل سکی تھیں۔ یک روز بعد اُن کی نعش لنڈن میں لائی گئی اور نماز جنازہ کنیسۂ ویسٹ منسٹر میں پڑھی گئی جس میں علاوہ فرماں روایانِ ناروے وڈنمارک و بلجیم وغیرہ کے سرکار عالیہ اور اعلیحضرت نے بھی شرکت فرمائی۔ آخری رسومِ جنازہ ادا کرنے کے وقت سرکار عالیہ نے ہار اور گلاب کا پھول بھی قبر پر چڑھانے کو بھیجا تھا جس کے بکس پر چند انگریزی جملوں میں اپنے جذبات دلی کا اظہار فرمایا تھا۔

معاشرت انگلستان کا غائر معائنہ

سرکار عالیہ نے ان سفروں میں ہمیشہ ان انسٹی ٹیوشنوں کو خاص دل چسپی کے ساتھ ملاحظہ کیا جن کا مقصد بنا و قیام رفاہِ عامہ ہے چنانچہ سالہ ۱۹۱۱ء میں ایسے بہت سے انسٹی ٹیوشن دیکھے۔ اِس سفر میں بھی نمایش ہائے صنعت و حرفت دستکاری، مختلف کلب اور انجمنیں تھیٹر اور سینما کو ملاحظہ فرمایا اور انگلستان کی معاشرت کے ہر پہلو کو بہ نظرِ امعان دیکھا۔

جس تھیٹر کے دیکھنے کو سرکار عالیہ تشریف لے گئیں تھیں اس کی ساری آمدنی شبینہ غربائے لندن کے لئے وقف تھی اس میں نصف گھنٹہ ٹھہر کر اور دو صد گنی کا گراں بہا عطیہ مرحمت فرما کر واپس تشریف لائیں۔ سرکار عالیہ اس تھیٹر کے علاوہ ایک بار اور دوسرے تھیٹر میں بھی بغیر اطلاع کے تشریف لے گئیں جہاں ڈاکٹر (مس) تھارن ڈائک ایکٹرس اپنا تماشہ دکھلا رہی تھی اور جوان آف آرک کا مشہور ڈرامہ تھا۔ تماشہ شروع ہونے کے آدھ گھنٹہ بعد خاموشی سے اپنے بکس میں بیٹھ گئیں لیکن مشرقی لباس اور برقع کو دیکھکر مس تھارن ڈائک تاڑ گئی اور جیسے ہی اس کا پارٹ ختم ہوا وہ لباس بدل کر بغرض سلام حاضرِ خدمت ہوئی۔ مس تھارن ڈائک کی عمر ۴۵ سال کی ہے۔ انگلستان کی ڈگری حاصل کئے ہوئے ہے۔ صاحب تصنیف ہے فرانسیسی، روسی، جرمنی زبانوں میں بلا تکلف تکلّم کرتی ہے۔ اس کی شادی مسٹر کیسن سے ہو چکی ہے اور تین بچوں کی ماں ہے لیکن تھیٹر میں چونکہ علی العموم ہر خاتون اپنے نام کے ساتھ "مس" لکھنا پسند کرتی ہے اس لئے مسز کیسن بھی مس تھارن ڈائک کے نام سے تھیٹر کے افق پر درخشاں و تاباں ہے۔ تھارن ڈائک سرکار عالیہ سے ملنے کیلئے ومبلڈن میں بھی آئی تھی اور بڑی دیر تک معاشرتِ مشرق اور بھوپال و ہندوستان کے حالات دریافت کرتی رہی۔ چلتے وقت سرکار عالیہ نے اُسے ایک خلعت فاخرہ عطا فرمایا اور اس نے اپنی تصانیف بارگاہِ سلطانی میں نذر کیں۔

ان دو تھیٹروں کے علاوہ دو بار سینما بھی ملاحظہ فرمایا جن میں سے ایک بار تو لیڈی برکنہیڈ اور اُن کی دختر نیک اختر اور دوسری مرتبہ لیڈی ولنگڈن سرکار عالیہ کو لے گئیں۔

احاطہ مسجد شاہجہانی میں ایڈریس اور نماز جمعہ وغیرہ

۹ر اکتوبر ۱۹۲۵ء کو بوقت ۱۲ بجے صبح بسواری موٹر مع صاحبزادیان و الاتبار

وسر اسرار حسن خاں اور راقم حالات مسجد شاہجہانی دیکھنے کے لئے ووکنگ تشریف لے گئیں۔ یہ ۲۴ میل کا فاصلہ ایک گھنٹہ کا تھا لیکن راستہ میں صاحبزادی ساجدہ سلطان صاحبہ کی طبیعت دورانِ سر وامتلاء کے باعث مکدر ہوگئی اور دو جگہ گاڑی روکنا پڑی۔ بالآخر ۱½ بجے احاطہ مسجد میں سواری پہنچی جہاں نومسلم جماعت نے جس میں لارڈ ہیڈلے اور سر آرچبولڈ طبقہ امراء سے، ڈاکٹر لیون و خالد شیلڈرک اہل قلم سے، مسٹر گریس ایلی سن (مصنفہ کتب سیر و تاریخ کثیرہ متعلقہ ٹرکی) و بیول طبقہ فنون لطیفہ سے قابل ذکر ہیں۔ ان سب نے گرم جوشی سے خوش آمدید کہا اور سرکار عالیہ نے شامیانہ میں جو اسی غرض کے لئے نصب کیا گیا تھا تشریف لے جاکر مسلمانان انگلستان کا ایڈریس قبول فرمایا۔

ایڈریس انگریزی میں تھا جسے لارڈ ہیڈلے نے پڑھا۔ سرکار عالیہ کا جواب اردو زبان میں تھا لیکن اس کا ترجمہ بزبان انگریزی اسی وقت سنا دیا گیا۔ شامیانہ میں جملہ نومسلموں اور نومسلمات سے سرکار عالیہ نے مصافحہ کیا اور ہر ایک سے دو چار باتیں بھی کیں۔

نومسلم خواتین کے ساتھ شرکت طعام و نماز جمعہ

ایڈریس سے فارغ ہوکر سرکار عالیہ نے مسجد کے ملحقہ مکان موسومہ سالار منزل میں جہاں تبلیغ و اشاعت اور مسجد کا دفتر ہے تشریف لے جاکر نومسلمات انگلستان کے ساتھ خاصہ تناول فرمایا جس کے بعد نماز مسجد میں ادا کی۔ مسجد بہت مختصر ایک قبہ کی شکل میں ہے۔ جس میں چالیس پچاس نمازیوں سے زائد کی جگہ ناممکن ہے اور اس موقع پر تو مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے خطبہ[۱] کا ایک جزو انگریزی میں اور باقی حصہ عربی میں پڑھا جس کے بعد نماز میں آیات قرآنی قرأت کے ساتھ پڑھیں۔

---

[۱] اس موقع پر ایک انگریز نومسلم سے جو سرکار عالیہ کی طرف منہ اور خطیب کی طرف پشت کئے ہوئے تھا حسب ذیل مکالمہ ہوا۔

سرکار عالیہ۔ کیا آپ مسلمان ہیں؟

نومسلم۔ جی ہاں۔

سرکار عالیہ۔ بہت اچھا تو خطیب کی طرف منہ کیجئے۔

نومسلم۔ خطیب کی طرف منہ کرنے سے یور ہائینس کی طرف پشت ہو جائے گی۔

نمازسے فارغ ہوکر سرکارِعالیہ نے احاطۂ مسجد کا معائنہ کرکے مسجد کے دائیں جانب اس کی توسیع کے لئے ایماء مبارک ظاہر فرماتے ہوئے خواجہ کمال الدین صاحب کی استدعا پر دستِ مبارک سے سنگِ بنیاد نصب کرنے کا بھی وعدہ فرمایا۔

غرض اس فریضۂ مبارک سے ۳ بجے فارغ ہوکر سرکارِعالیہ لندن واپس تشریف لائیں۔

سرکارِعالیہ کے احباب میں سب سے ممتاز و مخلص ملاقاتی لیڈی ڈفرن، لیڈی منٹو، لیڈی انٹرم، لیڈی جرسی اور لیڈی ادمور کرے، لیڈی ڈکنسن تھیں جو بلا تکلف تیسرے چوتھے روز ملنے آتی تھیں اور جن کے یہاں حضور ممدوحہ بھی بلا تکلف جاتی تھیں۔ لیڈی ڈفرن سے تو یہاں تک بہناپا ہوگیا تھا کہ عید کے موقع پر سرکارِعالیہ نے اُن کے یہاں سویّاں بھیجیں اور عیدی بھی ان کو مرحمت فرمائی خود لیڈی ڈفرن وقتاً فوقتاً ہدایا و تحف بھیجا کرتی تھیں۔ ایک کناری خوش الحان پرند بھی ایک روز جبکہ سرکارِعالیہ اُن کے یہاں چاء پر گئیں تو انھوں نے تحفتہً پیش کیا۔ یہ اور لیڈی جرسی لیڈی ملر اور لیڈی ویلنگڈن خاص ہندوستانی طریقہ سے بلاتکلف و بلا اطلاع آکر ملا کرتی تھیں۔

ملکِ معظّم قیصرِ ہند کے الطافِ خسروانہ خاندانِ شاہی میں سب سے زیادہ الطاف خسروانہ اعلیٰحضرت ملکِ معظم قیصرِ ہند کا تھا جو ہمیشہ اپنے اسٹاف بالخصوص لارڈ کرو کے ذریعے سے سرکارِعالیہ کی خیریت دریافت فرماتے رہتے تھے۔

بقیہ حاشیہ

سرکارِعالیہ۔ لیکن میں کیا ہوں۔ مہربانی کرکے مناسب طریقے سے بیٹھئے۔

بقول خواجہ صاحب یہ جواب انگلستان کے رہنے والوں کو جہاں اعلیٰ و ادنےٰ کے امتیاز سے خدا کا گھر بھی بچا ہوا نہیں ہے۔ فی الواقع نہایت حیرت انگیز نظر آئے گا۔

سرکارِعالیہ کی سادگی لباس، بلند اخلاق اور محبتِ مذہب ایسے حالات ہیں کہ دولت و عزت آپ کے قدموں میں ہے ایسی چیزیں ہیں جنھوں نے انگلستان کے انگریز مسلمانوں کے دلوں پر بہت گہرا اثر ڈالا کیوں کہ یہ تمام باتیں یوروپین سوسائٹی میں آج کل بالکل عنقا ہیں عملی نمونہ زبانی تعلیم سے ہزار درجہ بہتر ہوتا ہے اور اسی کا اظہار حضور ممدوحہ کے وجود سے ہوا مساوات اور اخوتِ انسانی جو اسلام کے مایہ ناز اصول ہیں عملی رنگ میں نمایاں کئے گئے۔ (رسالہ اشاعتِ اسلام)

اپریل میں سرکار عالیہ جب ملکِ معظم قیصرِ ہند سے ملیں تو وہ نہایت ہی اخلاق و کرم سے ملے اور سرکار عالیہ کی عالمانہ معلومات اور سنجیدہ علمِ مجلسی سے بے حد محظوظ ہوئے اس کے بعد سرکار عالیہ پھر بھی اکثر ملتی رہیں۔

ارکان خاندانِ شاہی، قدیم احباب اور علماء سے ملاقاتیں

شہزادی میری اور شہزادی ڈچز آف یارک کے یہاں بھی حضور عالیہ تشریف لے گئیں اور اپنی دستکاری کے چند تحائف دیئے۔ پرنسس میری کے تحائف میں بچوں کے لئے ہندوستانی ملبوسات بھی تھے۔ یہ تحائف نہایت خوشی اور الطاف سے قبول کئے گئے لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ سرکار عالیہ وہاں خاندانِ شاہی و امرائے کبار کے علاوہ اور متوسط طبقہ سے نہیں ملی تھیں۔ نہیں سرکار عالیہ کے وہ پُرانے احباب جو ہندوستان میں مل چکے تھے ان میں سے بھی سرکار عالیہ نے اپنے اخلاقِ عمیم سے کسی کو فراموش نہیں کیا۔

سرکار عالیہ کو اہلِ قلم کی ملاقات سے جس قدر مسرت ہوتی تھی وہ نہ کسی نمایش سے ہوتی تھی اور نہ کسی رنگ ہوم سے۔

تعلیم یافتہ اور صاحبِ تصنیف طبقہ میں سے سر آرتھر کونن ڈائل، سر طامس آرنلڈ، ڈاکٹر گریفتھ، سیّد امیر علی، مسٹر مائلس، ڈاکٹر کرن کاؤ، سر فلپ گپس، ڈاکٹر یون، سر آرتھر فاپ، پروفیسر راتھر اسٹائن، مسز بیورج خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، سر آرتھر کونن ڈائل ایک بار کئی گھنٹہ تک مسئلہ رُوح اور عالمِ فانی، حیات بعد الموت، عذاب و ثواب اور دوزخ و جنت کے دقیق و پیچیدہ مسائل پر سرکار عالیہ کی معلومات سے فائدہ اُٹھاتے رہے۔

سر تھامس آرنلڈ مسائل اسلامی پر اکثر گفتگو کیا کرتے تھے اور ان اصحاب سے عام طور پر "اسلام اور مشرقی تمدن" موضوعِ گفتگو رہتا تھا اور سرکار عالیہ سے ان کو جو معلومات حاصل ہوتی تھیں وہ کسی اور جگہ سے نہیں ملتی تھیں۔ سر الیور لاج بھی متمنی تھے لیکن بوجہ مصروفیت اُن کو موقع نہ مل سکا۔

اِن تمام ملاقاتوں میں بہت زیادہ دل چسپ ملاقات مسز شیرار کی ہوتی تھی جو ڈومسٹک سائنس کی مشہور لیکچرار ہیں۔ سرکار عالیہ ان سے اپنی معلومات میں اضافہ کرتی رہتی تھیں اور ہمیشہ یہی موضوع

زیر بحث رہتا تھا۔ کیونکہ سرکارعالیہ ہندوستانی زنانہ تعلیم میں اِس مضمون کو نہایت اہم اور ضروری تصور فرماتی تھیں چنانچہ لندن سے ہی حضور ممدوحہ نے متعدد کتابیں فراہم کیں اور مراجعت پر اُن کے ترجموں کا سلسلہ شروع کرادیا اور اُن سے فائدہ اٹھاکر اُردو میں ڈومیسٹک سائینس کی ابتدائی کتابوں کی طیّاری وطباعت کا سلسلہ قائم فرمایا۔

مشہور ترکی خاتون خالدہ ادیب خانم بھی ملیں اور وہ سرکارعالیہ کی ملاقاتوں سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ انھوں نے راقم الحروف سے کہا کہ ایسی قابل متبحر خاتون انھوں نے نہ امریکہ میں دیکھی اور نہ یورپ میں۔

سپاسنامے اور پارٹیاں

لندن کی متعدد علمی واخلاقی وتمدنی انجمنوں نے سرکارعالیہ کو ایڈریس خوش آمدید دینا چاہا لیکن سرکارعالیہ نے بیشتر نامنظور فرمایا۔ مگر بعض کے انتہائی اصرار سے جب بے حد مجبور ہوگئیں تو چند مخصوص انجمنوں کے سپاس نامے قبول فرمائے جن میں سب سے اوّل وہ سپاس نامہ تھا جو مسدودیٔ شراب کے متعلق انگلستان کے علما نے دیا تھا۔ یہ سپاس نامہ مکان ہی پر آکر خواتین نے پیش کیا اور سرکارعالیہ نے اس کا مختصر شکریہ ادا کیا۔

لاسیم کلب، ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن، کالونیل انسٹی ٹیوٹ، برٹش انڈین سوسائٹی نے بھی سرکارعالیہ کے اعزاز میں پرتکلف ایوننگ پارٹیاں دیں۔

انجمن امن وامان نے بھی خیر مقدم کیا جس کے اغراض ومقاصد میں روئے عالم پر امن وصلح قائم رکھنا ہے۔

سرکارعالیہ کی طرف سے پارٹیوں کا انتظام

اثنائے قیام لندن میں ہی جب اعلیٰحضرت اقدس کی ولیعہدی کا حسب مُراد تصفیہ ہوگیا تو اس مسرت میں سرکارعالیہ نے ایک پارٹی بچوں کو اور دوسری اپنے احباب کو دینے کا انتظام فرمایا۔ جو نہایت اعلیٰ پیمانہ پر تھا اور بڑی بڑی تیاریاں کی گئیں تھیں لیکن صرف بچوں کی ہی پارٹی ہوئی تھی کہ لندن میں اسٹرائک ہوگیا اور دوسری پارٹی ملتوی کرنی پڑی جہاں سرکارعالیہ کو اس پارٹی کے التوا کا افسوس ہوا وہاں قومی ہمدردی کا بھی تجربہ حاصل ہوگیا اور حب الوطنی کا یہ جوش سماں بھی ملاحظہ کرلیا۔

اسی زمانہ میں سرکار عالیہ نے دست برداری و تفویضِ حکومت کا بھی فیصلہ کرلیا۔

ملکِ معظم قیصر ہند کا شکریہ

اس کے بعد مراجعت کا ارادہ فرمایا اور وداعی ملاقات کے لئے بکنگھم پیلس تشریف لے گئیں۔ اس ملاقات کے وقت حسبِ دستورِ قدیم جو بھوپال میں عرصہ سے قائم ہے ملکِ معظم کی پوتی (جو گذشتہ اپریل میں پیدا ہوئی تھیں) اور پرنسس میری ایلزبیتھ کے لئے ہندوستانی دستکاری کے بہت خوبصورت لباس تحفے میں پیش کئے اور اُن الطافِ شاہی کا جو قدیم سے خاندانِ بھوپال پر مبذول رہے ہیں اور جو عنایت و عزت افزائی اس قیام کے زمانہ میں کی گئی اس کا شکریہ نہایت موزوں الفاظ میں ادا کیا۔

مراجعت

۱۹ مئی کو لندن سے واپسی ہوئی اسٹیشن پر معززین کا ہجوم تھا۔ لارڈ ہارڈنگ، سر طامس ہالینڈ، لیڈی منٹو، لیڈی فٹز جیرلڈ، کرنل بنرمین وغیرہ بہ اظہارِ محبت و اخلاص پھولوں کے گلدستے لائے تھے کرنل ورلیکر کی کم سن بچی نے اس خوبصورتی اور بھولے پن سے ایک خوبصورت گلدستہ پیش کیا کہ سرکار عالیہ بے حد مسرور ہوئیں شاہی ویٹنگ روم کہ جہاں خاص طور پر انتظام ہوا تھا رخصت کرنے والے حضرات سے بھرا ہوا تھا۔ ریل کو بھی مجبوراً کئی منٹ لیٹ کرنا پڑا۔ ڈوور پر افسرانِ جہاز نے خیر مقدم کیا اور بغازِ انگلشیہ کا سفر سکون کے ساتھ ختم ہوکر سرزمین فرانس کے ساحلی شہر "کیلے" میں قدم رکھا اور اپنے سیلون میں بیٹھ کر بخط مستقیم مارسیلز کو روانہ ہوئیں جہاں بروزِ جمعہ ۱۱ بجے قبل ظہر پہنچیں ۱۲ بجے کے قریب جہاز بھی آگیا اور اسی وقت اس میں سوار ہوگئیں۔ جمعہ کو ہندوستان کا جہاز ولایتی ڈاک کا بھی پہنچ گیا تھا جس میں مہاراجہ الور سوار تھے۔ مہاراجہ صاحب نے سرکار عالیہ سے ملنے کی خواہش کی اور پھر سہ پہر کو ہمارے جہاز قیصر ہند میں آکر ملاقات کی۔

ولایتی ڈاک کا جہاز مارسیلز سے پورٹ سعید تک راستہ میں کہیں نہیں ٹھہرتا ہے لیکن چونکہ لندن میں گذشتہ ہفتہ مزدوروں اور کوئلہ والوں کی ہڑتال کے باعث کئی فوجی افسر اپنی ملازمت پر جانے سے رہ گئے تھے اس لئے خاص طور پر اُن کو پہنچانے کے لئے جہاز مالٹا روانہ ہوا۔ اور بتاریخ ۴ جون ۱۹۲۶ء یوم جمعہ بوقت ۶ بجے صبح ساحلِ بمبئی پر پہنچا۔

مذہب و اخلاق

اگر سرکار عالیہ کی سیرتِ شریفہ کو غور سے مطالعہ کیا جائے تو اُن کے مکارمِ اخلاق میں خشیت الٰہی، انابت الی اللہ اور حقوق العباد کا خیال سب سے زیادہ اور نمایاں نظر آئے گا اور معلوم ہوگا کہ وہ حقیقتاً "اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کی ایک پیکرِ مثالی تھیں۔

عقائد میں نہایت راسخ اور ارکان و فرائض کی سخت پابند تھیں اور ان کو خشوع و خضوع سے ادا کرتی تھیں۔ شرک و بدعت سے احتراز اور اوہام[۹۱] باطل سے کلیتہً اجتناب تھا۔

اُن کا مسلک حنفی تھا لیکن اگر کسی پیچیدہ مسئلہ کا فقہ حنفی میں حل نہ ہوتا تو علما کے مشورہ اور افتا کے بعد تینوں[۹۲] آئمہ میں سے کسی ایک کا مسلک اختیار کر لینے میں تامل نہ فرماتیں۔

سلہ ۹۱ طاعون کے زمانہ میں سرکار عالیہ کی پریشانی سے ہر کہ ومہ واقف تھا نیز اوراد و وظائف کا اہتمام بھی ہر شخص جانتا تھا۔ چنانچہ ایسے ہی ایک موقع پر سید احمد شاہ سجادہ نشین نے اِس مضمون کی درخواست پیش کی کہ:۔

"میں نے شب چہارشنبہ تاریخ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ کی صبح صادق کو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تو سرکار عالیہ تک اس بات کو پہنچا دے کہ ایک سقہ کو حکم دیا جائے کہ ایک پکھال بیل پر رکھ کر شہر میں جس قدر نل ہیں سب میں سے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر پکھال کو بھرے اور ایک گڑھا بیرون شہر کھود کر پانی ڈال دیا جائے اور اس بیل کو بھی ذبح کر کے اُسی میں ڈال دیا جائے اور اس کے بعد سرکار عالیہ حضرت سیدنا مدنی شاہ خلیفہ حضرت مولانا مولوی شاہ فضل الرحمان صاحب قادری نقشبندی گنج مُرادآبادی کا مزار شہید کرا کر سنگ مرمر کا تعمیر کرا دیں اور مزار شریف کے اندر قالین کا فرش بچھوا دیا جائے اِس لئے اس بات کو ظاہر کر دیا کہ نہ معلوم کیا اعتقاد پڑے کیونکہ مرض پھیل رہا ہے اور مخلوق خدا ضائع ہو رہی ہے۔ جناب باری اس کام کے کرنے سے مرض کو دفع فرمائے۔"

سرکار عالیہ اس درخواست پر تحریر فرماتی ہیں کہ:۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اس زمانہ میں جبکہ مسلمان مردوں ہی میں نہیں بلکہ مسلمان عورتوں میں بھی نہ صرف ادائے ارکان اسلام میں تساہل و تکاسل بلکہ مذہب سے ہی بیگانگی پیدا ہوگئی ہے اور اس بیگانگی کا نام روشن خیالی رکھا جاتا ہے سرکار عالیہ نے مذہبی احکام و روایات کی جزئیات تک کو نظر انداز نہیں کیا۔

مطالعہ قرآن اور عمل سرکار عالیہ نے ہمیشہ قرآن مجید کا غور سے مطالعہ کیا اور بجز انتہائی اور سخت مجبوری کے کوئی دن ایسا نہ گزرتا جس میں تلاوت ناغہ ہوتی ہو۔ اِس تلاوت سے صرف حصولِ ثواب و برکت ہی مقصود نہ تھا بلکہ اوّلین مطمح نظر یہ تھا کہ قرآن مجید کی تعلیم مستحضر رہے اور اس پر عمل کیا جائے اور اپنے تمام اعمال کو اُس کی نورانی ہدایتوں کے ماتحت رکھا جائے۔ رمضان المبارک میں جب تک کہ کوئی خاص مجبوری نہ ہو تراویح میں پورا کلام مجید سُنتی تھیں اور قاری و سامع کو خلعت و نقد دیا جاتا تھا۔

سرکار عالیہ نے ابتدائے عمر میں قرآن مجید کو ترجمہ و تفسیر سے پڑھا تھا اور پھر ورد مستمرّہ اور کثرت مطالعہ سے قرآن مجید کے معانی و مطالب پر اس قدر عبور حاصل ہو گیا تھا کہ روز مرّہ کے واقعات میں بے تکلف آیاتِ قرآنی سے استناد فرماتی تھیں۔ وہ ہر تقریر و تحریر میں موقع بموقع آیات کو برجستہ استعمال کرتی تھیں۔ ان کا یقینِ کامل تھا کہ مسلمان قرآن مجید ہی کے اصول و احکام پر عمل پیرا ہو کر ترقی کر سکتے ہیں اور اُسی سے تسکینِ قلب و رُوح حاصل ہو سکتی ہے۔

بقیہ حاشیہ:-
"شیطانی خواب ہوگا کہ ایک بزرگ کے مزار کو شہید کر کے سنگِ مرمر کا بنایا جائے۔ بزرگان دین تکلّفات سے بیزار ہوتے ہیں نہ کہ خوش یہی جواب دیدیا جائے ہم کسی ایسے خواب کو دُرست اور رویائے صادقہ نہیں سمجھتے جب تک کہ ہم کو خواب میں ہدایت نہ ہو۔"

۳۲؎ اس رواداری کی ایک اہم مثال یہ ہے کہ ریاست میں بالعموم فقہ حنفی پر عمل ہوتا ہے اور قاضی و مفتی بھی حنفی ہیں لیکن فقہ حنفی میں عورات کالمعلقہ کے لئے کوئی چارہ کار نہیں اور سرکار عالیہ ایسی عورتوں کی بے چارگی و بے بسی سے سخت متاثر تھیں اس لئے انھوں نے علماء کے مشورہ سے مذہب مالکی کا مسئلہ اختیار کیا اور ہدایت جاری کر دی کہ ایسی عورتوں کی شکایت پر بہ تعیین تاریخ شوہر کے نام اعلانِ حاضری جاری کیا جائے۔ اگر شوہر حاضر نہ ہو اور مدتِ شرعی ۴ سال ۴ ماہ دس یوم منقضی ہو جائے تو ان عورتوں کو عقدِ ثانی کی اجازت دیدی جائے۔

ہدیۂ واحترام قرآن

چنانچہ [۱] وہ ہزاروں کی تعداد میں غربا و طلباء کو بعض اوقات بلا استثناء عامۃً قرآن مجید کے نسخے بطور ہدیہ دیا کرتی تھیں اور اس خیال سے کہ شاید کوئی خدا کا بندہ ترجمہ سے فائدہ اُٹھائے عموماً وہ مترجم ہوتے تھے۔ اِس غرض کے لئے مطابع ریاست میں قرآن مجید طبع کئے جاتے اور دیگر مطابع سے منگوائے جاتے۔

تمام دُنیا میں صرف مسلمانوں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنی اِس مقدس مذہبی کتاب کا نہایت احترام کرتے ہیں اور گھر میں وہ بلند اور پاک جگہ رکھا جاتا ہے اور بغیر طہارت اس کو کوئی مَس نہیں کرتا۔ سرکارِ عالیہ اِس احترام کو بھی بدرجۂ غایت ملحوظ رکھتی تھیں۔ چنانچہ جب حمیدیہ لائبریری کا افتتاح ہوا اور اس میں نادر و نایاب قلمی نسخے رکھے گئے تو سامر کے دستانے تیار کرائے گئے اور غیر مسلموں کو قرآن مجید دکھانے اور چھُونے کے وقت ان کے پہننے کا حکم دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ یہ احترام اس حد تک ملحوظ تھا کہ ماہِ رمضان میں ختم کلام مجید کے بعد حفاظ کو جو نقدی دی جاتی ہے اُس کو ہمیشہ نذرانۂ حفّاظ کے الفاظ سے احکام میں لکھا جاتا ہے۔

کتب خانۂ حمیدیہ اور نیز کتب خانۂ تقسیمی میں ایک بڑی تعداد قرآن مجید کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ نسخوں کی ہے جو وقتاً فوقتاً بغرض تقسیم ہدیہ لئے جاتے تھے۔ صرف اس خیال سے کہ یہ نسخے بند نہ رکھے رہیں اور ان سب کی تلاوت ہو جائے ریاست کے ملازم حفّاظ کو حکم دیا کہ ہمیشہ سال میں دُو مرتبہ یعنی ربیع الاوّل اور رمضان المبارک میں ان نسخوں کی تلاوت کی جائے۔

مطالعۂ حدیث

سرکارِ عالیہ نے حدیث باقاعدہ طور نہیں پڑھی تھی لیکن بعض کتب حدیث کو ترجمہ کے ساتھ مطالعہ کیا تھا اور مذہبی کتابوں میں بھی اکثر احادیث نظر سے گذرتی رہتی

---

[۱] قرآن مجید کی طباعت و تقسیم کی طرف سرکار خلد مکاں کو بھی خاص توجہ تھی چنانچہ اُن کے آخر زمانہ میں بڑے اہتمام کے ساتھ مطبع ریاست میں قرآن مجید با ترجمہ کی طباعت شروع ہوئی جو سرکار عالیہ کے زمانہ میں تکمیل کو پہنچی۔ اس کو مشہور خطّاط حافظ علی حسین (مرحوم) نے لکھا۔ مولوی حافظ عبدالعزیز اور مولوی محمد صالح نے تصحیح کتابت اور متعدد حفاظ و قرائے اور خود مہتمم مطبع حافظ کرامت اللہ مرحوم نے نظرِ ثانی کی۔ مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ مع فوائد لکھا گیا اب یہ نسخہ نایاب ہے۔ اسی طرح سرکارِ عالیہ کے زمانہ میں ایک اور قرآن مجید متعدد حفّاظ و قرّاء اور علما کی تصحیح و نظرِ ثانی سے شایع ہوا۔

تھیں اس مطالعہ سے حدیث پر بھی عبور حاصل ہو گیا تھا اور چونکہ حافظہ غیر معمولی طور پر قوی تھا اس لئے اکثر احادیث باللفظ نہیں تو بالمعنیٰ ذہن مبارک میں محفوظ تھیں اور آیاتِ قرآنی کی طرح جہاں موقع ہوتا احادیث سے بھی استناد کرتی تھیں۔

ارکانِ اسلام کی پابندی

(۱۔ نماز) سرکار عالیہ ارکانِ اسلام کی سخت پابند تھیں سفر حضر علالت صحت، غرض کسی حال میں اُنھوں نے نماز قضا نہیں کی۔ اکثر راتیں عابدانِ قائم اللیل کی طرح بسر کرتیں تھیں اور اِس عبادت میں عابدین مخلص کی طرح خشوع و خضوع ہوتا تھا۔

پابندیِ نماز کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ اپریشن کے دوسرے دن جو اِس عظیم الشان ہستی کا یوم رحلت تھا صبح کے وقت انتہائی بے چینی تھی اور ضعف کی حد ہو چکی تھی مگر بستر مرگ پر اشاروں کے ساتھ نماز ادا کی۔

میر دبیر قاضی ولی محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھے خوش قسمتی سے علیا حضرت جنت آرام گاہ کے بیشتر طولانی سفروں میں ہندوستان و یورپ میں ہمراہ رہنے کا شرف حاصل رہ چکا ہے اور میں اپنے ذاتی تجربہ سے کہہ سکتا ہوں کہ اُنھوں نے سرزمینِ ہند تو درکنار دیارِ مغرب کے برفانی جاڑوں میں بھی کبھی نماز قضا نہیں کی وہ یورپ میں بہت سویرے بیدار ہو جاتی تھیں اور بعد نماز و تلاوتِ کلام مجید فوراً ہی میری پیشی ہوتی تھی اور گھنٹہ پون گھنٹہ کے بعد جب میں اپنے مسلوں اور کاغذات پر احکام حاصل کر کے دفتر کے کمرے سے واپس آتا تو تمام گھر کو محوِ خواب اور خواب سحر کے مزے لیتے ہوئے پاتا۔ مرحومہ کا حکم تھا کہ کبھی کسی ملاقات یا پارٹی کا وقت ایسا نہ مقرر کیا جائے کہ جس میں نماز کے قضا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔"

(۲۔ روزہ) ابتدائے عمر شعور سے اس آخری رمضان تک کبھی بلا شدید مجبوری کے روزے قضا نہیں ہوئے حتیٰ کہ سفر یورپ میں بھی برابر روزے رکھے۔ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء میں علالت کی وجہ سے ضعف و اضمحلال بے اندازہ تھا لیکن جیسے ہی صحت شروع ہوئی اور تھوڑی سی قوت و توانائی آئی تو ۷ رمضان سے روزے شروع کر دیئے اور ۳۰ رمضان تک پورے کئے

اس کے بعد پھر طبیعت ناساز ہوگئی اور ضعف بڑھ گیا۔ اس حالت میں مجھے (مؤلف سوانح کو) جب باریابی کا موقع حاصل ہوا۔ تو میں نے اس ضعف کی حالت ملحوظ رکھکر عرض کیا کہ :۔

"حضور روزوں کے لئے مکلّف نہیں روزے رکھکر یہ تکلیف اُٹھائی"۔

معاً چہرۂ مبارک پر آثار ناراضی نمایاں ہوئے اور اپنے محل کے ڈاکٹر جے۔ پی جوہری[۵۱] کی طرف دیکھا ڈاکٹر نے عرض کیا کہ :۔

"نہیں روزوں سے صحت پر کوئی ناگوار اثر نہیں پڑا"۔

فرمایا کہ :۔

"کس قدر افسوس ہے کہ تم مسلمان ہوکر کہتے ہو کہ روزوں سے طبیعت خراب ہوگئی۔ اگر میں روزے نہ رکھتی تو کیا کوئی اور میرے بدلے روزے رکھتا"۔

(۳۔ زکوٰۃ) ہر سال زکوٰۃ وقت پر ادا ہوتی تھی۔ انتقال سے تقریباً سال ڈیڑھ سال قبل ایک دن جب کہ ڈیوڑھی کے حساباتِ زکوٰۃ پیش ہونے میں کچھ توقف وتاخیر ہوئی تو سرکار عالیہ نے نہایت غصّہ کے ساتھ معتمدِ خاص سے فرمایا کہ :۔

"منصب علی! اگر زکوٰۃ کا ایک پیسہ بھی غیر مودے رہ گیا تو قیامت کے دن تمہارا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ"۔

(۴۔ حج) فرضِ حج ادا کرنے کا خیال ایک زمانہ دراز سے مرکوزِ خاطر تھا بلکہ ایک ایسا زمانہ گذرا تھا کہ جس میں ہجرت پر بھی آمادہ ہوگئی تھیں۔ اس خیال وآمادگی کے متعلق مناسب ہے کہ سرکار عالیہ نے جو کچھ خود تحریر فرمایا ہے اسی کو بجنسہٖ نقل[۵۲] کردیا جائے :۔

"زمانہ حیات سرکار خلد مکاں میں مجھے پریشانیوں نے مجبور کرکے اس پر آمادہ کردیا کہ میں غریب الوطنی اختیار کروں۔ چنانچہ میں نے اپنے اس ارادہ کو ایک عریضہ میں سرکار خلد مکاں پر بھی ظاہر کردیا

---

۵۱ یہ ایک عیسائی جنٹلمین ہیں جن کی قابلیت وشرافت کی وجہ سے سرکار عالیہ نے ترقی دے کر احمد آباد اور قصرِ سلطانی کی ڈسپنسری کا انچارج کیا۔

۵۲ گوہر اقبال صفحہ ۴۴ و ۴۵۔

تھا کیوں کہ میرا خیال تھا کہ جب غریب الوطنی اختیار کروں تو بیت اللہ سے زیادہ کوئی جگہ امن کی نہیں ہے جس کو خدائے عز وجل نے اپنے کلامِ پاک میں بَلَدِ الْاَمِیْن فرمایا ہے۔

صاحبزادی آصف جہاں بیگم صاحبہ کے زمانۂ علالت میں تبدیل آب و ہوا کے لئے بمبئی جانا قرار پایا تھا اور میرا مصمم ارادہ ہو گیا تھا کہ وہاں پہنچکر سرکار سے کہ معظمہ جانے کی اجازت حاصل کروں گی اور میرے نزدیک بیت اللہ سے کوئی بہتر جگہ ایسے شخص کے لئے جس کو ملکی و انتظامی امور و معاملات سے کوئی تعلق نہ ہو اور طرح طرح کے تفکرات سے جس کا دل پژمردہ ہو رہا ہو غریب الوطنی اختیار کرنے کے لئے نہیں ہو سکتی کیوں کہ یہ فطرتِ انسانی کا عام قاعدہ ہے کہ تکلیف و مصیبت کے وقت مالکِ حقیقی کی طرف طبیعت زیادہ رجوع ہوتی ہے او جب انسان کو اپنی تدابیر میں ناکامی ہوتی ہے اور عمدہ سے عمدہ تدابیر غیر مفید ثابت ہوتی ہیں اور وہ مایوس ہو جاتا ہے تو اُس کا دل بے اختیاری کے ساتھ اُسی کو پکارتا ہے اور ڈھونڈتا ہے جو دلوں کی خواہشوں اور تمام حالتوں سے کامل طور پر واقف اور سب سے زیادہ قریب ہے جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ وہی اپنی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ کاملہ سے ایک ثانیہ کے اندر حالات میں انقلاب پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ پس اِن حالات کے اقتضا سے جو میرے گرد و پیش تھے میرے دل کی تسکین اور میری روحانی خوشیوں کے لئے حرمین شریفین کا سفر ضرور تھا جیسا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسٰجِدَ اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ هٰذَا۔ لیکن یہ خیال میرے دل ہی میں تھا اور کسی پر اظہار نہیں کیا تھا مگر بمبئی جانا ہی ملتوی ہو گیا اور دل کا ارادہ دل ہی میں رہ گیا کیوں کہ کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا۔ اکثر اوقات نواب احتشام الملک عالی جاہ بہادر سے ذکر آجاتا کہ بہتر ہے کہ ایسے وقت میں حج سے فارغ ہو جائیں کیونکہ ہم کو اس قدر استطاعت ضرور ہے کہ مواخذۂ حج لاحق ہو گا وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ط "

خیر یہ زمانہ گذر گیا۔خیال و ارادہ پورا نہ ہوا لیکن جس وقت سریر آرائے حکومت ہوئیں تو سرکار عالیہ کے ہی الفاظ میں کہ :۔

"مجھ کو ادائے حج کا خیال اور اپنے رسول پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک و مقدس کی زیارت کا شوق بیتاب کر رہا تھا"

چنانچہ مسند نشینی کے دوسرے ہی سال یعنی ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں ضروری انتظامات کر کے اور ایک زبردست قافلہ کو معیت میں لے کر اس فرض کو ادا کرنے کے لئے روانہ ہو گئیں۔ براہ ینبوع اوّل روضۂ نبوی کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ گئیں۔جب سواد مدینہ کے قریب قافلہ پہنچا تو اس وقت کی کیفیت و تاثر کی نسبت لکھتی ہیں کہ :۔

"بیر علی سے آگے بڑھ کر سوادِ مدینۂ طیبہ صاف دکھائی دینے لگا۔اس وقت جو جذبات کہ میرے دل میں پیدا ہو رہے تھے اُس میں ایک خاص کیفیت اور سُرور روحانی تھا میں بے اختیار دلی جوش اور خلوص کے ساتھ دُرود پڑھتی تھی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ اور یہی حالت تمام قافلہ کی تھی"

تقریباً ڈھائی مہینے (۱۳ رمضان سے ۲۷ ذیقعدہ تک) مدینہ طیبہ میں قیام رہا اور اس تمام مدت میں نمازِ عشا مسجد نبوی میں ادا کی۔جب حج میں تھوڑے دن باقی رہ گئے تو مدینہ طیبہ ہی سے احرام باندھ کر مکہ معظمہ گئیں اور تمام ارکان و مناسکِ حج ادا کئے۔

سرکار عالیہ ارکانِ اسلام کی جس طرح خود پابند تھیں اسی طرح دوسرے مسلمانوں کو بھی پابند دیکھنے کی متمنی تھیں۔اس غرض کے لئے انھوں نے اپنی ذات اقدس پر یہ فرض عائد کر لیا تھا کہ وقتاً فوقتاً عورتوں کے مجامع میں مذہبی تقریریں فرماتی تھیں اور اپنی اُن قومی تقریروں میں جو مردانہ جلسوں میں کی جاتی تھیں پابندیِ ارکانِ اسلام کی طرف خاص طور پر توجہ دلاتی تھیں خصوصاً ایسے جلسوں میں جہاں طلبا مخاطب ہوتے تھے نہایت پُرجوش اور پُرشفقت الفاظ میں اُن کو خطاب فرمایا کرتی تھیں۔انھوں نے ریاست بھوپال میں نماز کے متعلق تو اپنے فرمانروایانہ اثر کا بھی استعمال کیا اور زکوٰۃ کے متعلق بھی ہمیشہ نصیحتیں کیں۔ایک سلسلہ میں ممبران مجلس العلما اور قاضی و مفتی ریاست کو اِس امر پر متوجہ کیا کہ :۔

"امدادِ غربا کے لئے زکوٰۃ کا ایک فنڈ قائم کیا جائے اور اس طرح لوگ زکوٰۃ دینے کے عادی بھی ہوجائیں گے"

"یہ فنڈ ہمارے زمانہ حکومت میں اگر قائم ہوگیا تو غالباً اللہ تعالےٰ اس کے اجر میں ہمیں بھی شامل کر دے گا"

ادائے حج کے لئے مستحقین کو امداد دیتی تھیں لیکن ساتھ ہی یہ مستحسن سمجھتی تھیں کہ اپنی ذاتی استطاعت پر اس فرض کو ادا کیا جائے چنانچہ ایک صاحب کی درخواست پر تحریر فرماتی ہیں کہ :-

"جب زاد راہ نہیں ہے تو حج بھی فرض نہیں ہے"

مستحبات و نوافل اور ادعیہ و اوراد

جس طرح فرائض و واجبات کے ادا کرنے میں مستعد تھیں اُسی طرح جب تک کہ کوئی خاص مجبوری نہ ہو مستحبات اور نوافل بھی ذوق و شوق کے ساتھ ادا کرتی تھیں۔ وہ دُعا اور استجابتِ دُعا کی قائل تھیں۔ ادعیۂ ماثورہ پر صدقِ دل سے اعتقاد رکھتی تھیں۔ مصائب و تکالیف کے وقت صدقات و خیرات اور دُعاؤں کو سپر اور رَدِّ بلا کا ذریعہ سمجھتی تھیں۔

وہ تمام اسباب ظاہری کے ساتھ توجہ باطنی کو لازمی تصور فرماتی تھیں اور زیارت قبور کو پرستاریِ اصنام کی شان سے نہیں بلکہ مسنون طریقہ پر چاہتی تھیں۔

طاعون کے زمانہ میں جہاں اور احتیاطی تدابیر کے لئے فیاضانہ انتظام کئے گئے وہاں اوراد و وظائف کا بھی انتظام رہا اور اس کے اہتمام کا تعلق قضاۃ و علما سے رکھا گیا بلکہ سرکار عالیہ بذاتِ خاص بھی شریکِ نماز و دُعا ہوئیں اور مختلف اوقات میں محل کے اندر ان ہی دُعاؤں میں مصروف دیکھی گئیں۔

وہ جس طرح ادعیۂ ماثورہ اور اوراد و وظائف پر خود عامل تھیں اسی طرح اپنے متوسلین اور عہدہ داروں کو بھی عمل کرنے کی تلقین فرماتی تھیں۔

مؤلف سوانح کو جبکہ اس کا عزیز بھتیجا محمد عمران زبیری وطن میں جاں بلب تھا اس طرح تسکین و تلقین فرماتی ہیں کہ :-

"تمہارا خط تمہارے منشی نے پیش کیا خدا تم پر رحم کرے وہ ارحم الراحمین ہے ضرور

رحم فرمائے گا اور انشاء اللہ تمہارا بھتیجا اچھا ہو جائے گا لیکن دیکھو یہ دار الامتحان ہے۔ وَمَا اَصَابَكَ
مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ وہ فرماتا ہے اور واقعی یہ بات ہے کہ اپنے اعمال کی شامت
مصیبت لاتی ہے مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ اُس کی جانب سے تو بھلائیاں
ہی آتی ہیں۔ مصیبت جو ہوتی ہے وہ بھی کفارۂ گناہ ہوتی ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ
الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ
تا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ دیکھو اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ
وَرَحْمَةٌ اس لئے اس کا ورد ضرور ہے۔ اللہ اپنے وعدہ کو خلاف نہیں کریگا۔ دوسرے
استغفار لِكُلِّ ذُنُوْبٍ يَا سَتَّارُ يَا غَفَّارُ روزانہ سو مرتبہ۔

حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

۴۲ مرتبہ پڑھتے رہو۔

صبح کی سنت و فرض کے درمیان تم یا تمہاری والدہ ۴۱ مرتبہ سورۂ فاتحہ بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ یعنی میم کو لام سے ملا کر شروع کریں
۴۱ مرتبہ۔ اس ہی طرح پوری سورۃ پڑھ کر فرض ادا کریں۔ پانی پر دم کرکے مریض کے منہ پر
چھینٹے ماریں اللہ اپنے کلام کی برکت سے تمہارے بھتیجے کو اچھا کرے گا۔ اللہ تم پر اور
تمہاری بوڑھی ماں پر رحم کرے۔

سرکار عالیہ کی نو برس کی عمر تھی جب کہ امساکِ باراں کی وجہ سے مخلوق پریشان تھی
اس وقت نواب شاہجہاں بیگم (خلد مکاں) کے ایما سے دھوپ میں بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت
اور نزولِ بارانِ رحمت کی دُعا کی۔ گھنٹہ بھر کے اندر وہ دُعا مستجاب ہوگئی۔

مؤلف نے یہ قصہ سُنا تھا لیکن ۱۹۲۹ء میں تقریباً اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سرکارِ عالیہ نے
اِس پیرانہ سالی میں ایسے ہی نازک موقع پر پھر بارانِ رحمت کے لئے آنچل پھیلا کر دُعائیں کیں اور
وہ مُستجاب ہوئیں اور اِس استجابتِ دُعا کے شکریہ میں محل کے ہر متنفس کو شریک کرکے غربا کے لئے
خوانِ دعوت کا انتظام کیا۔

اُنھوں نے اپنی تزک یعنی گوہرِ اقبال میں ایک جگہ دُعاؤں کے فلسفہ کو ان الفاظ میں

بیان فرمایا ہے :-

"اس میں شک نہیں کہ دعاؤں کو ظاہری اسباب سے کوئی تعلق نہیں لیکن یہ ایک روحانی طریق عمل ہے جو کم وبیش دنیا کے ہر ایک مذہب میں جس کو آسمانی ہونے کا ادعا ہے جاری ہے اور مذہب اسلام جو کہ تمام نیکیوں کی خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی جسمانی ہوں یا روحانی تکمیل وتلقین کرتا ہے اسی طرح اس نے اس طریق کی بھی مکمل نمونہ پر تکمیل وتلقین کی ہے کہ جو شخص خدا کو یاد کرتا ہے اور اس کے حضور میں اپنی مصیبتوں کو پیش کر کے اُن کے دُور کرنے کی التجا کرتا ہے، خدا اُس کے دل میں تسکین کی روشنی پھیلاتا ہے اور وہ اضطرابی حالت، استقلال وتحمل سے بدل جاتی ہے اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ ۔

قرآن مجید میں جا بجا ایسی آیات ہیں جن میں خدا کی قدرت اور رحمت کاملہ اور اُس کے الطاف و مراحم اور قہر وجلال کا ذکر ہے اسی کے ساتھ ایسی عبارتیں اور ایسے الفاظ بھی ہیں جن میں انتہا درجہ کی عاجزی اور ادب کا بندوں کی زبان سے اظہار کیا گیا ہے اور بندوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اُس کے ہی بتلائے ہوئے کلام سے اپنے عجز کا اظہار اور مصیبتوں سے نجات پانے کی التجا کی جائے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ط"

نماز عید اور اُس کا نظارہ

اولیں سال حکمرانی سے عیدین کی نماز کے لئے عید گاہ تشریف لے جاتی تھیں جو شاہ جہاں آباد کی ایک بلند پہاڑی پر واقع اور بیت العیدین کے نام سے موسوم ہے۔ اس عید گاہ کے دو حصے ہیں ایک زنانہ اور دوسرا مردانہ۔ ان دونوں حصوں میں عید کے دن ایک پُر اثر اور شاندار مجمع ہوتا ہے اور مسلمان آبادی کا بہت بڑا حصہ اسی عید گاہ میں دوگانہ ادا کرتا ہے۔

سرکار عالیہ اکثر نماز سے کچھ دیر پہلے ایک نہایت نفیس لینڈو میں جس میں چلمنیں پڑی ہوتی تھیں تشریف لاتی تھیں اردلی میں باڈی گارڈ اپنی خوشنما وردی میں ہوتا تھا مگر کچھ سال سے بغیر اردلی موٹر میں سوار ہوتی تھیں۔

یوں تو ہمیشہ ہی سادہ لباس زیب تن فرماتی تھیں لیکن اس موقع پر اُس میں بہت زیادہ

سادگی ہوتی تھی۔ سواری سے اُتر کر اپنی جگہ تشریف لے جاتیں اور کچھ دیر نمازیوں کا انتظار فرماتیں اور یہ انتظار عموماً تسبیح و تہلیل میں صرف کیا جاتا خطبہ کے بعد سوار ہو کر مُہفت فرمائے قصرِ سلطانی ہوتیں لیکن اس جگہ سے جہاں نماز ادا کرتیں دروازہ تک عورتوں کا مشتاقانہ ہجوم مصافحہ اور دست بوسی کے لئے اسلامی شانِ مساوات کا ایک عجیب منظر پیش کرتا۔ سرکارِ عالیہ نہایت شفقت اور محبت کے ساتھ ہر عورت سے جو سامنے آتی مصافحہ کرتی، عید کی مبارکباد دیتی اور قبول فرماتی ہوئی آہستہ آہستہ دروازہ کی طرف بڑھتی تھیں۔ اس وقفہ میں باہر جوان، بوڑھے، بچے عجیب جوش و مسرت کے ساتھ پہاڑی سڑک کے کناروں پر صف بستہ ہو جاتے سواری نہایت آہستہ آہستہ جاتی۔ اور تمام لوگ نہایت ادب کے ساتھ غلغلۂ سلام و تبریک بلند کرتے۔

عیدالاضحیٰ کے دن بعد نماز و خطبہ عیدگاہ میں اتنا وقفہ فرماتیں کہ زنانہ حصّہ کے دروازے کے قریب قربانی ہو جائے۔ (جس کے لئے ایک چار دیواری بنی ہوئی ہے) اب اس منظر کا تصوّر کر کے ایک اور دوسرے پُر عظمت نظارہ کو دیکھئے۔ قاضیِ ریاست نماز کے بعد خطبہ پڑھ رہے ہیں اور اگرچہ اُن کی آواز تمام نمازیوں تک نہیں پہنچتی تاہم سب بگوشِ دل خاموشی و ادب کے ساتھ سُن رہے ہیں۔

زنانہ عیدگاہ میں سرکارِ عالیہ اپنے مصلّے پر متوجہ الی اللہ ہیں۔ جن کے لباس میں کوئی امتیازی شان نہیں۔ سفید ململ کا دوپٹہ سر اور شانوں پر ہے۔ چہرۂ مبارک جو خود بھی آفتابی تھا آفتاب کی کی طرح چمک رہا ہے۔ ہزاروں مسلمان عورتیں صف بہ صف بیٹھی ہوئی ہیں کہ یکایک فوراً سرکارِ عالیہ ایستادہ ہو جاتی ہیں اور معاً سب عورتیں بھی کھڑی ہو جاتی ہیں۔ لیکن سرکارِ عالیہ اُن کو ہاتھ سے بیٹھ جانے کا اشارہ کرتی ہیں اور ایک خاموشی و سکوت چھا جاتا ہے۔ چند لمحہ توقف کے بعد ایک تقریر شروع کرتی ہیں۔ حمد و نعت کے بعد تمہید میں ارشاد ہوتا ہے کہ:-

"اے مسلمان بی بیو! میں اپنا فرض سمجھتی ہوں کہ آج کے دن جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے خوشی و مسرت کا دن بنایا گیا ہے اور تمھارے دلوں میں دینی و دُنیوی خوشیاں موج زن ہیں تم کو کچھ نصیحت کروں۔"

اس کے بعد عیدین میں پند و نصیحت کے مسنون طریقہ کو بیان کر کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے خطبات عید سے نصائح کا اقتباس کرکے سُناتی ہیں اور پھر كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ کی تشریح میں اولاد کی تعلیم و تربیت پر زور دیتی ہیں پھر اُن پُرشفقت نصیحتوں کو بیان کرتی ہیں جو آنحضرت صلعم نے مخصوص عورتوں کو فرمائی ہیں۔اس کے بعد تعلیم کو سب سے بڑی اسلامی ضرورت سے تعبیر کرکے اور عید و قربانی کے فلسفہ کو مختصراً سمجھا کر عید کے دن کو روزِ حشر سے مشابہت دے کر قربانی اور اس کے اسباب و مسائل وغیرہ کو مختصراً بیان کرکے ان جملوں پر تقریر ختم فرماتی ہیں کہ :-

"اب تم میرے اور میرے عزیزوں اور تمام مسلمان مرد اور عورتوں کے لئے دُعا کرو اور میں تمہارے اور تمہارے عزیزوں اور تمام مومنین و مومنات کے لئے دُعا کرتی ہوں۔

رَبِّ؎ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ط رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۔

زمانۂ خلافتِ راشدہ اور عہدِ عروجِ اسلام تک یہ دستور تھا کہ جمعہ اور عیدین کی امامت و خطابت کا فرض خلیفۂ وقت ادا کیا کرتا تھا لیکن نہ وہ چمن رہا اور نہ اس کی بہار رہی ۔البتہ اس شاندار اور پُرعظمت منظر نے اس چمن اور بہار کی ایک جھلک دکھلا دی جو صرف مسلمان عورتوں ہی کے حصّہ میں آئی۔

عقیدت بحضور رسولِ اکرم صلعم

سرکار عالیہ کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذاتِ مبارک سے بے حد عقیدت و محبت تھی اور اُس کی مظہر اتم مولانا شبلی مرحوم کی سیرۃ النبی ہے جس کی تکمیل کے لئے انھوں نے فیاضانہ کفالت کی اور دار المصنفین اعظم گڑھ متعدد جلدیں شایع کرسکا۔

اِس کے علاوہ سرکار عالیہ نے ہر ہائی نس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم دام اقبالہا سے

؎ ترجمہ "اے میرے پروردگار! مجھ کو توفیق دے کہ میں نماز پر قائم رہوں اور (نہ صرف مجھ کو بلکہ) میری اولاد کو (بھی) اور ہمارے پروردگار! میری دُعا قبول فرما۔ اے ہمارے پروردگار! جس دن (اعمال کا) حساب ہونے لگے مجھکو اور میرے ماں باپ کو اور (سب) ایمان والوں کو بخش دیجیو"

بدر الاسلام[51] کا ترجمہ کرایا اور بچوں اور عورتوں کے لئے "ذکرِ مبارک" تالیف کرائی جو ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کی گئی اور پھر بہ نفسِ نفیس سیرت نبوی پر خواتین کے مجامع میں متعدد خطبات ارشاد کئے اور وہ سب ایک کتابی صورت میں "سیرتِ مصطفےٰ" کے نام سے شایع کئے۔

طبقات[52] ابن سعد کا بھی ترجمہ کرایا اور اس کو من اولہ الی آخرہ مطالعہ کیا۔ اس ترجمہ کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ شایع کرنے کا بھی ارادہ تھا۔

اِسی عقیدت کا اثر تھا کہ سرکارِ عالیہ نے ۹ ربیع الاوّل سے ۱۲۔ ربیع الاول تک تمام مساجد میں نماز عصر سے نماز مغرب تک باداموں پر درود شریف کے وِرد کا انتظام فرمایا۔ اور ان ہی مُبارک تاریخوں میں مردوں اور عورتوں کے لئے مختلف اوقات میں موئے[53] مبارک کی زیارت کا بھی خاص اہتمام کیا گیا۔

مدینۂ طیبہ میں رباط و باغ اور دیگر مصارفِ خیر و فراشی

مدینۂ طیبہ میں اُن گراں قدر مصارف کے علاوہ جو ریاست سے مقرر کئے ڈیوڑھی خاص سے مزید اور خاص انتظام فرمائے ایک رباط وقف کی ایک مکان بنوایا جو مسجدِ نبوی سے باہر مگر متصل ہی ہے۔ اُس کے صحن میں ایک مختصر شاداب چمن ہے اور بیچ میں ایک حوض بنایا گیا ہے جس میں بورنگ کے نل سے ہمیشہ پانی بھرا رہتا ہے۔

روضۂ اطہر کے قبلہ جانب مسجدِ نبوی کے باہر ایک چھوٹا سا باغیچہ ہے جس کے دریچے مسجد کے اندر کھُلے ہیں۔ اس میں حصولِ سعادت کے لئے اپنے ہاتھ سے کچھ درخت نصب کئے۔

ربیع الاول میں ایک مجلسِ مولود منعقد کی جاتی ہے اس میں شرفائے مدینہ مدعو ہوتے ہیں۔

---

[51] یہ مختصر رسالہ عربی میں مولانا شبلی مرحوم نے ایم۔ اے۔ او کالج کے طلبا کی مذہبی تعلیم کے لئے تالیف کیا تھا جس کا ترجمہ مولوی حمید الدین صاحب بی اے مفسّرِ قرآن نے فارسی میں کیا تھا اور اب فارسی سے اُردو میں ترجمہ ہوا۔

[52] طبقات ابن سعد سیر و مغازی میں ایک مشہور و معروف کتاب ہے جو جرمن کے زبردست مُستشرقین کے اہتمام سے جرمنی میں شایع کی گئی۔

[53] یہ وہ موئے مبارک ہے جو سلطان محمد خامس (رشاد) نے سفرِ قسطنطنیہ کے موقع پر سرکارِ عالیہ کو ہدیہ دیا تھا۔

ایّام تشریق کی قربانی کے لئے بھی ایک رقم معین ہے۔ ایک معقول رقم ماضِ ۵[۱۵۰] ماہانہ کی مساکین مدینہ کی تجہیز و تکفین کے سلئے دی جاتی ہے۔ اِسی طرح دیارِ رسول میں اور وظائف بھی مقرر ہیں[۵۱]۔ روضۂ مطہرہ کے لئے دو نفر فراش مامور ہیں جو علیا حضرت کی طرف سے فراشی کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

استنبول میں تبرکات کی زیارت[۵۲]

سنہ ۱۹۱۱ء میں جب ایک ماہ زمانۂ قیام استنبول میں ایک روز سُلطان محمد خامس (رشاد) کے خاص انتظام کے بعد بہیئت وزرائے ترکی توشک خانہ سلطانی میں تبرکات ملاحظہ کرکے مراجعت فرمائے ہوٹل پیرا ہوئیں تو واپسی پر کہ دل بہت پژمردہ اور حسرت کدۂ یاس وَالم بنا ہوا تھا فرمانے لگیں کہ :-

"تمام سفر میں آج کا دن کام کا نکلا کہ ساری محنت وصول ہوئی اور اس دشت پیمائی کا انجام بخیر ہوا"

میں توشک خانہ کے معائنہ میں حسب الحکم اعلیٰ حضرت نواب صاحب بالقابہ ہمراہ تھا۔ توشک خانہ کی ہر چیز کو شوق و مسرت سے ملاحظہ کرتی تھیں لیکن اُن کی نظرِ عقیدت کیش میں نہ مالائے مروارید اُترے نہ سَرپیچ جواہر نگار، نہ مرصع زیورات اور نہ بیش بہا شمشیر و آلاتِ حرب۔

ان کی متجسس و عقیدت مند نگاہیں تبرکات کو ڈھونڈھ رہی تھیں، لہذا جس وقت اُس کمرے میں جو سیفِ فاروقی، نعلینِ زہرا، مصحفِ عثمانی، تسبیحِ مرتضوی، خاتمِ معاویہ، خنجرِ خالدی رایتِ عُبیدی، لوائے رسالت جیسی بیش بہا اور اَنمول یادگاروں سے معمور تھا قدم رکھا تو اپنا جوشِ عقیدت مستور نہ رکھ سکیں، دل بھر آیا۔ آنکھیں پُرنم ہوگئیں۔ ہر چیز کو حسرت و یاس سے دیکھتیں، آنکھوں سے لگاتیں، بوسہ دیتیں، سر پر رکھتیں اور گذشتہ عظمت و جلال

---

۵۱ وہ تمام مصارف و امورِ خیر جو سرکار عالیہ نے جاری کئے تھے ہز ہائی نس دام اقبالہ نے علیٰ حالہ قائم رکھے ہیں اور انشاءاللہ ہمیشہ قائم رہیں گے۔

۵۲ اقتباس از مضمون دبیر الانشا، میر دبیر قاضی ولی محمد صاحب سکریٹری اسٹیٹ کونسل۔

یاد کرکے سوگوار ہو جاتیں لیکن جس وقت پچاس غلاف دیباج و حریر اُتار کر کے وہ متبرک صندوق نکالا گیا جس میں سیدالانبیاء، تاج الاصفیا، احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلعم کا جُبّۂ مطہر محفوظ تھا تو انتہائے جوش سے بے قرار ہو گئیں۔ دل کا دریا اُمنڈ آیا۔ آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ آواز بھرّا اُٹھی۔ بیتاب ہو کر صندوق پر عجز و انکسار سے سر رکھ دیا۔ زار و قطار رو رو کر بارگاہِ ربُّ العالمین میں اُس شافعِ محشر، سردارِ یوم جزا کا واسطہ دے کر جس کے کھدر نما خاک آلود پیراہن کے عتبۂ سپہر تکریم پر ناصیۂ عبودیت خستم تھی با ہزاراں عجز و نیاز اس طرح دُعائے مغفرت مانگنے لگیں کہ حاضرین کا دل بھر آیا حتیٰ کہ مجھ جیسا سیہ کار، بدکردار، راندۂ درگاہ بھی جس کے تصوّر نے اس کی ایک طولانی فردِ معاصی آنکھوں کے سامنے پیش کر کے اُس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے تھے۔ گرمیٔ عشق سے بے چین ہو گیا۔ پھر چند روز بعد جب سُلطان المعظم نے ایک موئے مبارک رسولِ پاک صلعم مع دیگر تحف و ہدایا سرکار مرحومہ کے پاس بطورِ یادگار قسطنطنیہ بھیجا تو اس دولتِ لازوال کا صندوقچہ دیکھ کر پھولے نہ سمائیں۔ شاید ریاستِ بھوپال کا تخت و تاج پاکر بھی وہ اس قدر مسرور و شاداں نہ ہوئی ہوں گی جس قدر اس دولتِ دُنیاوی و اُخروی کو پاکر باغ باغ ہو گئیں۔ ہم سب نے نہایت ادب و احترام سے صندوقچہ اُٹھایا سرکار عالیہ اور حافظ محمود[1] درود تاج پڑھتے جاتے تھے۔ دیگر حاضرین کی زبان پر بھی سلام و درود جاری تھا۔ جب چالیس پچاس غلاف اطلس و دیباج بے نقاب ہو کر وہ شیشی جس میں موئے مبارک رکھا تھا نمودار ہوئی تو سرکار عالیہ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی آنکھوں سے بے اختیار جھڑی لگ گئی اور اتنا روئیں کہ توشک خانہ عثمانیہ میں کبھی ایسی اشکباری نہ ہوئی ہوگی۔ بار بار دیکھا، بوسہ پر بوسہ دیا، درود پڑھا، اپنے خاندان، اپنی قوم اور عامۃ المسلمین کے لئے دُعائیں مانگتی رہیں۔

صحابہ و صحابیات اور بزرگانِ سلف سے عقیدت اور اُن کے حالات کا مطالعہ

سرکار عالیہ کو خلفائے راشدین، صحابۂ کرام اور صحابیات عظام، آئمہ کرام، بزرگانِ دین، اور اولیائے کاملین سے بڑی عقیدت تھی۔

---

[1] ایک عالم تھے۔ قدیم توسل تھا اور مہتمم مساجد کی خدمت پر مامور تھے۔

اُن کے حالات و تذکرے اور ان کے اقوال و حکایات ذوق و شوق کے ساتھ بالاستیعاب پڑھے اور ان سے ہمیشہ استفادہ کیا اور اُن کی سب سے بڑی تمنا یہ رہی کہ تمام مسلمان ان سیرتوں اور تذکروں سے فائدہ حاصل کریں۔ چنانچہ سیرۃ مصطفٰی کی طرح صحابہ اور خلفائے راشدین کی سیرت پر بھی تقریریں تیار کر کے کلب میں پڑھیں۔

سیرت اُمہات المومنین کے ساتھ خاص شغف تھا۔ چنانچہ مولوی سید سلیمان ندوی کی کتاب سیرۃ عائشہؓ کی تکمیل بھی سرکار عالیہ ہی کے اس شغف کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح سرکار عالیہ نے سیرتِ خدیجہؓ اور سیرتِ ام سلمہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ترتیب و تکمیل کے لئے دو صاحبوں کو فیاضانہ امداد دی اور ایک مختصر رسالہ "بناتِ طیبات" کے نام سے لکھوایا جب وہ پیش ہوا تو مؤلف کو انعام عطا فرما کر اس کو طبع کرایا اور بہ کثرت شائع کیا۔

توشک خانۂ خاص میں ایک فہرست تھی جس میں اکثر بزرگانِ دین کے نام مع تاریخ وصال درج تھے اور ان میں سے ہر بزرگ کی تاریخ وصال پر ایصالِ ثواب کے لئے خیرات کی جاتی۔

بیعت و تصوف

سرکار عالیہ نے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ العزیز سے غائبانہ بیعت کی تھی اُن کا بہت ہی ادب و احترام کرتی تھیں اور اُن کے متوسلین کے ساتھ نہایت فیاضانہ برتاؤ تھا لیکن یہ برتاؤ اور ادب و احترام اس پیر پرستی سے بالکل جداگانہ تھا جو جاہل عورتوں ہی میں نہیں بلکہ اکثر پڑھے لکھے مردوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

اگرچہ سرکار عالیہ نے کبھی کسی بزرگ سے توجہ باطنی حاصل نہیں کی مگر وہ ایک عرصہ سے تصوف کی طرف متوجہ تھیں اور یہ توجہ آخری دو تین سال میں بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ اکثر صوفیائے کرام کے حالات مطالعہ فرماتی رہتی تھیں۔ گفتگو میں بھی ان ہی کے تذکرے رہتے۔ کتبِ تصوف کثرت سے جمع فرماتی تھیں۔[۵۱]

"بزرگانِ دین سے خاص عقیدت تھی چند سال سے حضرت سلطان الہند غریب نواز کی درگاہ پر دوسرے تیسرے سال حاضری دیا کرتی تھیں اور لوازم سلطنت و حکمرانی دور کر کے مثل ایک معمولی زائر کے کسی گوشہ میں بیٹھ کر کلام مجید و وظائف کا ورد فرماتیں اور جب تک قیام رہتا

---

۵۱ ماخوذ از مضمون دبیر الانشا، میر دبیر قاضی ولی محمد صاحب سکریٹری اسٹیٹ کونسل۔

روزانہ صبح و شام دونوں وقت سلام کے لئے جایا کرتیں۔ دہلی میں اکثر تشریف لے جاتیں اور جب کبھی جاتیں تو روزانہ ورنہ دوسرے تیسرے روز درگاہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا میں جاکر کلام مجید پڑھنا اور موجود الوقت فقرا اور مساکین سے استفادہ کرنا اُن کا خاص شعار ہوگیا تھا۔ سُلطان جی اور قطب صاحب کے شکستہ مکانات، تنگ و تاریک حجروں میں بے خوف جاکر مراقبہ کرتیں اور اُن میں ایسی محو ہو جاتیں کہ واپسی کا خیال ہی نہ ہوتا۔ فقرا کے تبرکات کو نہایت خلوص سے قبول فرماتیں اور اُن کو نہایت ادب و احترام سے فرودگاہ میں لاکر خاص خاص عقیدتمندان میں تقسیم فرماتیں جہاں دیگر رؤسا کو اژدحام و انبوہِ خلائق سے تکلیف و پریشانی ہوتی وہاں ایسے مجمع سے وہ خاص محظوظ ہوتیں۔ ایک بار اجمیر شریف میں جب کچھ حاجتمندوں کو جنھوں نے چلتے وقت گھیر کر راستہ روک لیا۔ میں نے ہٹانا چاہا تو فرمایا کہ :۔

"ان کو اس طرح کیوں ہٹاتے ہو دستِ سوال دراز کرنے والوں کو کچھ دیدو کہ خود ہی الگ ہو جائیں اس دربار میں مجھ میں اور ان میں کوئی فرق نہیں۔ ع

سُلطان و گدا بندۂ این خاک در اند

حضرت پیرانِ دستگیر سے خاص عقیدت تھی اور اسی سلسلہ سے اپنے آپ کو منسلک کرکے فرمایا کہ "دُنیا کی بھول بھلیوں میں بغیر مُرشدِ کامل کے صراطِ مستقیم پر چلنا دشوار ہے"۔

خاصانِ خدا کی تلاش و جستجو میں اُن کو نہ اجمیر شریف کی گندہ اور متعفن گلیوں میں بُو معلوم ہوتی تھی، اور نہ مہرولی و کوٹلہ کی ناہموار سڑکوں اور نشیب و فراز کے راستوں میں تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ سلطان جی کے شہر خموشاں میں وہ اکثر پھرا کرتیں اور بیشتر آسودگان خواب کے نام و نشان اور سوانح دریافت کرکے عبرت حاصل کرتیں۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ صبح کے گئے گئے ایک بج گیا دھوپ کی تپش اور بھوک کی شدت سے میرا حال بے حال ہوگیا۔ جسارت کرکے واپسی کے لئے عرض کیا لیکن شنوائی نہ ہوئی اور جب تک وہاں سے خوب سیر نہ ہولیں موٹر پر سوار نہ ہوئیں"

سرکار عالیہ نے جب نظام حکومت میں تبدیلی فرمادی اور مجالس انتظامی و واضع قوانین قائم ہوگئیں تو اسی نسبت سے مہماتِ اُمورِ حکومت سے وقت بھی بچنے لگا اور چونکہ زراعت اور امورِ متعلقۂ

زراعت سے خاص دلچسپی تھی اس لئے پرگنہ دوراہہ کو جاگیر میں لے لیا۔

دوراہہ ایک تاریخی مقام ہے۔ یہاں دو راستے ملتے ہیں اور ہر انسان کے لئے اس نام میں ایک صاف و صریح عبرت ہے۔ اس سرزمین پر ایک بزرگ مولانا شاہ وجیہ الدین شہید کا مزار بھی ہے جن کی نسبت مشہور ہے کہ شہادت کے بعد بھی جبکہ اُن کا سر تن سے جُدا ہو گیا تھا کفار سے کچھ دیر تک جنگ کرتے رہے۔

ایک دن سرکار عالیہ جب دوراہہ تشریف لے گئیں تو مزار پر فاتحہ پڑھنے گئیں۔ اُس وقت دل میں عبرت انگیز خیالات کا تموّج ہوا اور اُسی حالت میں بھوپال مراجعت کی۔ محل میں تشریف لاتے ہی ان خیالات کو فارسی میں قلمبند کر کے مولوی شکر اللہ[۵۱] سہیل کے پاس بھیجا کہ وہ ان کو نظم کے قالب میں ڈھال دیں۔ مولوی صاحب نے بھی ایک خاص جذبہ کے ساتھ اس فرمائش کی تعمیل کی۔ جس کو سرکار عالیہ نے بے انتہا پسند فرمایا اور "سیر دوراہہ" کے نام سے چھپوا کر بکثرت شایع کیا۔

مواخذۂ عاقبت کا خیال

سرکار عالیہ کے قلب سلیم میں مواخذۂ عاقبت کا احساس و خیال بھی کچھ کم نہ تھا اور یہی احساس و خیال در اصل ایمان کی کسوٹی ہے۔ اور اسی لئے اُن کے ہر ایک فعل و عمل میں جو حقوق اللہ و حقوق العباد سے متعلق ہوتا اس احساس و خیال کا پرتو صاف نظر آتا تھا۔

باوجود انتہائی احتیاط کے بھی بمصداق کہ "نفسِ ہیچ بشر خالی از خطا نبود" سرکار عالیہ نے دو مرتبہ اپنی رعایا سے معافی طلب کی۔

ایک[۵۲] مرتبہ جب کہ ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء میں عازمِ حج تھیں اور دوسری[۵۳] مرتبہ جبکہ عنانِ حکومت اپنے نورِ نظر اعلیٰ حضرت سکندر صولت دام اللہ اقبالہٗ کے دستِ مبارک میں تفویض فرما کر بحیثیت راعی رعایا سے رخصت ہو رہی تھیں۔

---

[۵۱] مولوی صاحب ریاست کے قدیم متوسل تھے۔ ممتاز خدمات پر مامور رہنے اور پنشن حاصل کرنے کے بعد اعلیٰحضرت اقدس دام اقبالہٗ کی ڈیوڑھی خاص میں انڈر چیف سکریٹری رہے۔ ۱۹۳۷ء میں رحلت کی۔ شاعری کا فطری ملکہ تھا فارسی و اردو دو میں نازک خیال شاعر تھے۔

[۵۲] موقع اور معافی کے متعلق سرکار عالیہ گوہر اقبال میں تحریر فرماتی ہیں :- (باقی بصفحہ آئندہ)

صدقات وخیرات

بھوپال میں صدقات وخیرات کا ایک خاص نظام ہے جو نواب سکندر بیگم (خلد نشیں) کے زمانہ سے قائم ہے۔ سرکار عالیہ نے اس میں اصلاح و توسیع فرمائی اور نئی نئی شکلیں پیدا کیں۔ پھر ہمیشہ اس امر کی بھی احتیاط رکھی کہ مستحقین محروم نہ رہیں اور غیر مستحق فائدہ نہ اُٹھائیں۔ اسی طرح آیۂ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔

یہ صدقات احکام وضابطہ کے باعث بالاعلان ہوتے تھے لیکن سرکار عالیہ خود بھی بالالتزام مخفی طور پر کرتی رہتی تھیں۔

روز صدر نشینی سے دستور تھا کہ ہر شب کو بستر استراحت پر تکیہ کے نیچے دس روپے رکھے جاتے تھے جو دن کو دستِ خاص سے حسب موقع غربا و مساکین کو عطا فرماتی تھیں۔

ایسے مواقع بالعموم اس طرح ہوتے تھے کہ محل میں کوئی غریب بڑھیا یا کوئی بچہ یا کوئی اور

(بقیہ حاشیہ)

اگرچہ جس دن سے عنانِ حکومت میرے ہاتھوں میں آئی تھی میں نے کوئی کام ایسا نہیں کیا کہ جس پر پہلے غور نہ کر لیا ہو اور غور کرنے کے بعد بھی رعایا کے لئے مفید نہ پایا ہو۔ میں نے رعایا کو کامل انصاف حاصل ہونے پر ہر قسم کی آسانیاں بہم پہنچانے کے لئے اپنے اوپر ایسی تکلیفیں برداشت کیں جو ایک عزیز کسی عزیز کی سخت بیماری سے بے چین ہو کر برداشت کرتا ہے لیکن چونکہ میں انسان ہوں اور میری حکومت شخصی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسے حکمراں پر جس کی حکومت شخصی ہو بمقابلہ ایسے فرماں روا کے جو پارلیمنٹ کی مدد سے فرماں روائی کرتا ہو حکومت اور حقوق رعایا کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہوتی ہیں میرے ضمیر نے مجھے ہدایت کی کہ قبل اس کے کہ محترم سرزمین اور مقدس گھر میں قدم رکھوں اپنی رعایا سے اپنی فرد گذاشتوں کی معافی طلب کروں۔

اس لئے ہم ۲ رجب ۱۳۲۱ھ کو مسجد آصفی میں رخصت کے وقت رعایا کے خاص خاص قائم مقاموں سے زبانی معافی مانگی۔ اور عہدہ دارانِ ریاست کو نرمی و انصاف سے پیش آنے کی بہ تاکید ہدایت کی اس وقت ایک عجیب شور گریہ وزاری مسجد آصفیہ میں برپا تھا۔ ہر شخص نہایت عاجزی سے معافی چاہتا تھا اور خود بھی معاف کرتا تھا اور چونکہ تمام رعایا کا ایک جگہ جمع ہونا ناممکن تھا اس لئے تحریری طور پر بھی استدعاء معافی کے اعلان شائع کئے گئے۔ ۹۳ ملاحظہ ہو تقریر دربار۔

مستحق آگیا اور چپکے سے اس کو دیدئے یا ہوا خوری کے وقت یا باغ میں چہل قدمی کرتے ہوئے کسی کو عطا کر دئیے یا موٹر میں جاتے ہوئے کسی غریب کو دیکھا تو اُس کو دیدیئے۔

بعض اوقات تحویل جیب خاص سے بھی ایسی رقوم صرف کرتیں اور کسی کو ان رقوم کے صرف کا پتہ معلوم نہ ہوتا۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

صبر و رضا

خداوند جلّ و علےٰ نے اپنے افضال سے سرکار عالیہ کو جہاں دُنیوی اقتدار و فرمانروائی ہردل عزیزی و شہرت اور ناموری کے ساتھ اخلاق فاضلہ سے بہرہ ور کیا وہاں ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی خصوصیات کاملہ عطا فرما کر اُخروی درجات و مراتب کا بھی امیدوار بنایا۔ اِن خصوصیات اسلامی میں بڑے بڑے سانحات پر صبر جمیل وہ بڑی خصوصیت ہے کہ تمام انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی اس میں آزمائش کی گئی ہے اور کم و بیش ہر مقبول بندہ کی آزمائش ہوتی رہتی ہے سرکار عالیہ کی بھی متعدد مرتبہ نقص الانفس سے ایسی آزمائشیں ہوئیں۔ ان کو ایسے حوادث و آلام پیش آئے جس سے قلب انسانی پاش پاش ہو جاتا ہے۔

اولاً یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیوں[۵۱] کا انتقال پھر فرماں روائی کے اوّلیں مرحلہ پر شوہر[۵۲] کی اچانک موت جو سب سے زیادہ مخلص و معتمد مشیر تھے اور جن کو ہمہ تن سرکار عالیہ کے ساتھ اصلاحات میں انہماک تھا پھر ایک عزیز پوتی[۵۳] اور پوتے[۵۴] کی جوانمرگی اور اواخر عمر میں چھ ماہ کے اندر دو صاحبزادوں[۵۵] کی رحلت کے حادثات، سخت ابتلا اور زبردست آزمائش کے مواقع تھے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ ہر حادثہ پر سرکار عالیہ صبر جمیل کی تصویر تھیں۔ اور دُنیا کے سامنے صبر کے حقیقی مفہوم کو ظاہر کرتی

---

[۵۱] صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم۔ رحلت ۱۸۸۸ء۔ و صاحبزادی آصف جہاں بیگم رحلت ۱۸۹۴ء۔

[۵۲] عالیجاہ احتشام الملک نواب احمد علی خاں صاحب بہادر رحلت ۱۹۰۱ء = رمضان ۱۳۱۹ھ۔

[۵۳] صاحبزادی برجیس جہاں بیگم۔ رحلت ۱۹۱۳ء۔

[۵۴] صاحبزادہ وحید الظفر خاں۔ رحلت ۱۹۲۲ء۔

[۵۵] نواب عالی جاہ کرنل سر محمد نصر اللہ خاں۔ رحلت ۱۹۲۴ء و نواب محسن الملک جنرل عبید اللہ خاں رحلت ۱۹۲۴ء۔

تھیں۔ اور اُن کا یہ صبر اس اسوہ حسنہ کا مصداق تھا۔ القلب یحزن والعین تدھان ولا نقول الاما یرضی ربنا انی بفراقک یا ابراھیم لمحزون۔

ظاہر ہے کہ ان حادثات سے دل اور ایسی شفیق ماں کا دل کس درجہ غم و الم اور صدمہ و رنج سے متاثر ہوا ہوگا مگر سرکار عالیہ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہتے ہوئے شفقت و محبت کے آنسو تو بہائے لیکن اپنی تمام تر توجہ اَللّٰہُ حَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ کی طرف پھیر کر مرحومین کے لئے دُعائے مغفرت اور قرآن مجید کی تلاوت سے اپنے قلب کو سکون دیا۔

اُنھوں نے ایسے نازک ترین موقعوں پر مجبوری کا نام صبر نہیں رکھا بلکہ اُن صابرین کی مصداق رہیں جن کی نسبت آیہ کریمہ وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ میں صاف و صریح بشارتِ عظیم ہے۔

زندگی کے ایسے المناک مواقع پر ہمیشہ سرکار عالیہ نے شفقت و رحمت کے آنسو بہا کر قرآن مجید کی تلاوت سے نہ صرف اپنے قلبِ محزون کو تسلّی دی بلکہ رہروِ منزلِ آخرت کے لئے آخرت کا توشہ بھی ساتھ کیا۔

ایسے جاں گسل صدمات پر جو بڑے سے بڑے صابر انسان کو مُردہ دل بنا دیتے ہیں۔ طاعتِ الٰہی اور خدمتِ خلوق سے ہمیشہ اُن کا دل زندہ تھا۔

شوہر کی اچانک رحلت جو سب سے زیادہ مشیر معتمد تھے اور جن کو ہمہ تن سرکار عالیہ کے ساتھ اصلاحات میں انہماک تھا اُن کا بعارضہ فالج انتقال ہوگیا۔

انھوں نے نواب کنسرٹ کی رحلت کے تذکرے میں اِس حقیقت ابتلا و صبر اور اُس کے اجر کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"اگر ہم غم ناک حادثات کی تاریخ پر نظر ڈالیں گے تو ہم کو بہت سے حوادث ایسے ملیں گے جو خدا کے نیک اور برگزیدہ بندوں پر گذرتے ہیں اور اُن سے محض قضا الٰہی پر صبر کی آزمائش مقصود ہوتی ہے۔ در اصل خداوند کریم انسانوں کے صبر کی آزمائش صدمات و تکالیف سے کیا کرتا ہے اگر انسان اس آزمائش میں جو صبر کا حقیقی مفہوم ہے پورا اُترتا ہے تو وہ کامیاب سمجھا جاتا ہے اور اس کو اپنی محبت و رحمت کی خوش خبری ان مقدس الفاظ میں دیتا ہے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ط اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ه

مجھ پر جو عین مشکلات کے وقت یہ حادثہ گذرا وہ دراصل میرے صبر کا امتحان تھا میں نے خدا کی مرضی پر صبر کیا اور قضاء الٰہی کے سامنے سر تسلیم جھکا کر آیات کریمہ حَسْبُنَا اللّٰهُ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ہ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ط کو اپنا ورد کیا جو میرے دل کو اطمینان دیتی تھیں کیونکہ خدائے عزوجل فرماتا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ط

مذہب کے متعلق عام معلومات

سرکار عالیہ کو عام مذہبی معلومات اور بالخصوص مسائل متعلقہ نسواں پر پورا عبور حاصل تھا ان کی مذہبی تالیفات[۱] سبیل الجنان ہدیۃ الزوجین عفت المسلمات اور وہ تقریریں جو مذہب کے متعلق زنانہ جلسوں میں فرمائیں اس کی شاہد ہیں۔ لیکن انھوں نے اپنے مذہب اور اپنی قوم کے متعلق روایت ہی سے واقفیت حاصل نہیں کی بلکہ اُس روایت میں ذاتی درایت کا بھی بہت کچھ دخل تھا ہمیشہ ہر مسئلہ پر کافی غور کیا تھا۔ اور جب کبھی کسی مسئلہ کے متعلق پورے طور پر کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تو علمائے کرام سے استصواب اور مباحثہ کیا۔ اکثر مولانا شبلی مرحوم سے بھی ایسے مسائل پر دیر تک گفتگو رہی خواجہ کمال الدین صاحب سے بھی وقتاً فوقتاً بہت سے مباحث رہے ہیں سرکار عالیہ کی تمام تصنیفات

---

[۱] ہدیۃ الزوجین اور عفت المسلمات کے انگریزی تراجم بھی شایع ہو چکے ہیں اول الذکر کتاب کی ووکنگ مشن کی طرف سے یورپ اور بالخصوص انگلستان وامریکہ میں بکثرت اشاعت ہوئی عفت المسلمات نے جس کا انگریزی میں ”الحجاب“ نام ہے بہت قبولیت حاصل کی۔ دبیر الانشا میر دبیر قاضی ولی محمد کہتے ہیں کہ ”قاہرہ اور بیروت میں ان کی تصانیف علمی طبقہ میں شرف قبولیت حاصل کر چکی ہیں اور بیروت کے ایک فاضل ادیب نے الحجاب کا ملخص ایک عربی ترکی انجمن کے سامنے پڑھا، اسی ہفتہ مراکو کے ایک ادیب نے مجھ سے سرکار عالیہ کی تصانیف کی فرمایش کی ہے اور رسالہ الحجاب کا جو میں پہلے بھیج چکا تھا بہت قدر و منزلت کے ساتھ تذکرہ کیا تھا۔“

میں ایسی تحقیقات کا رنگ نمایاں ہے۔ وہ تمام مسائل مذہب پر عبور رکھتی تھیں اور جب موقع ہوتا تو نہایت تبحر کے ساتھ گفتگو فرماتیں۔ چونکہ فطرت نے قوت حافظہ بھی کامل طور پر عطا فرمائی تھی اس لئے جو چیز یا جو بات دیکھی یا سنی وہ حاضر فی الذہن رہی۔

ایک مرتبہ سرکار عالیہ کے روبرو امہات المومنین کا کچھ تذکرہ تھا۔ اتفاق سے اس وقت تین آدمی موجود تھے جن میں ریاست کے ایک رکن مرحوم مولوی سعید الدین صاحب بہادر بھی تھے جنھوں نے دار العلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی تھی اور ان کا علم بھی تازہ تھا۔ اس تذکرہ میں اُمہاتُ المومنین کے ناموں کا شمار شروع ہوا۔ تین چار ناموں پر جا کر سب رُک گئے قبل اس کے کہ سرکار عالیہ کچھ فرمائیں مؤلف نے عرض کیا کہ :-

"حضور اب ہماری یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ ہم کو اپنی ماؤں کے نام تک یاد نہیں"

سرکار عالیہ نے دو تین سکنڈ کے وقفہ کے بعد فرمایا کہ :-

"ہاں ! بیٹے بھول جائیں لیکن بیٹیاں نہیں بھولتیں" اور پھر سب نام گنا دیئے۔

عصبیت مذہبی

سرکار عالیہ اگرچہ ایک نہایت فراخ دل اور غیر متعصب خاتون تھیں لیکن اُن کے دل صفا منزل میں مذہبی عصبیت کا وہ جوہر جو ایک مسلمان کے لئے اسلام کے ساتھ لازم ہے اپنے انتہائی درجہ پر موجود تھا اسلام پر کسی حملہ کو وہ برداشت نہیں کر سکتی تھیں مسلمانوں میں جو معائب ہیں اُن کا اعتراف کرتیں لیکن اُس کو شامتِ اعمال اور بدقسمتی پر محمول کرکے عام بحث و مباحثہ سے دُور رہتی تھیں کیونکہ ان امور میں مشغولیت کے لئے نہ وقت تھا نہ فرصت، اور تقسیم عمل کی رو سے اُن کی ذات شاہانہ سے غیر متعلق تھا۔ لیکن کبھی کبھی اکثر یورپین لیڈیز یا کسی عیسائی جنٹلمین سے اسلام یا اسلام و عیسائیت کے موازنہ پر گفتگوئیں آ ہی جاتی تھیں۔ اُس وقت ایک پُرجوش مُناظر کی طرح مباحثہ کرتی تھیں۔ غیر اقوام کے تعلیم یافتہ لوگوں میں مذہب اسلام کے متعلق جو بدعقیدگی ہے اُس کو سرکار عالیہ ہمیشہ تاریخ و روایاتِ اسلامی کی ناواقفیت پر مبنی سمجھتی تھیں اور اسی وجہ سے اپنے پرائیوٹ کتب خانہ میں بہ کثرت ایسی کتابیں موجود رکھتی تھیں جن میں اسلام کے متعلق صحیح صحیح واقفیت بہم پہنچائی گئی ہے جیسے سر سیّد مولوی چراغ علی سید امیر علی اور خواجہ کمال الدین وغیرہ کی کتابیں ہیں۔

عموماً جن لیڈیز میں مذہبی دلچسپی دیکھتی تھیں تو ان کو کچھ کتابیں تحفتہً عطا فرماتی تھیں اور اسی غرض سے متعدد کتابوں کا خود انگریزی میں ترجمہ کرایا تھا۔

ایک معرکتہ الآرا خط سرکار عالیہ کے طریق استدلال، طرز مباحثہ اور انداز عصبیت اُس خط سے معلوم ہوسکتا ہے جو حضور ممدوحہ نے مس ڈی سلنکوٹ کے نام تحریر کیا تھا مس موصوفہ الہ آباد گرلس اسکول کی ہیڈ مسٹریس تھیں۔ لندن میں ایک بہت بڑا جلسہ مشرقی عورتوں کی تعلیم میں ترقی کی تدابیر پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا اس میں بڑی بڑی تقریریں ہوئیں اور تقریر کرنے والی خواتین نے مشرقی مستورات کی تعلیم اور حالت کے متعلق اپنے اپنے خیالات و تجربات ظاہر کئے۔ مس رچرڈسن بی اے نے ایک تقریر کی تھی جس میں مسلمان عورتوں کی نسبت اور مذہب اسلام کے احکام و تعلیمات کے متعلق نہایت نامناسب اور سخت جملے استعمال کئے تھے۔

مس ڈی سلنکوٹ نے اِس جلسہ کی مطبوعہ رُوداد سرکار عالیہ کی خدمت میں ملاحظہ کے لئے پیش کر کے خواہش کی کہ حضور ممدوحہ بھی اپنے خیالاتِ عالی اور رائے مبارک سے اس جلسہ کی معاونت فرمائیں۔ سرکار عالیہ نے اس رُوداد کو بڑے شوق کے ساتھ ملاحظہ کیا لیکن جب مس رچرڈسن کی تقریر نظرِ انور سے گذری تو اُس وقت نہایت افسوس و رنج ہوا۔ اور اسی تاسف و رنج کے باعث ایک طولانی خط تحریر کیا جس میں عورتوں کے ان حقوق و درجات کا بیان تھا جو اُن کو بعثتِ نبوی (صلعم) کے بعد حاصل ہوئے، پھر مسلمان عورتوں کے علم و فضل اور جرأت و بہادری کا تذکرہ کر کے موجودہ انحطاط اور تعلیم نسواں پر اظہار خیال تھا۔ سرکار عالیہ کی مذہبی خصوصیات میں یہ بات نمایاں تھی کہ فروعی اختلاف سے اثر پذیر نہ ہوتیں اور صرف اصول پیشِ نظر رہتے اور انھیں کی اشاعت کے لئے امداد و عطا فرماتیں۔

سرکار عالیہ طلباء کی جماعت کے لئے بھی اس امر کی بڑی ضرورت سمجھتی تھیں کہ وہ ضروری معلوماتِ مذہب رکھتے ہوں اور بزرگانِ اسلام اور اپنے اسلاف کی سیرت اور حالات سے واقف ہوں لیکن عام طور سے درسی کتابوں میں غیر اقوام کے بزرگوں کے ہی حالات نظر آتے ہیں اس لئے بہ نفسِ نفیس محنت و تکلیف گوارا فرما کر اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اخلاقی ریڈروں کا ایک سلسلہ

تالیف فرمایا اور ہر عنوان کے تحت میں بزرگانِ اسلام کے مستند تاریخی واقعات و حالات کو بطور مثال درج کیا۔

احترامِ علماء وہ ہر عالم کا احترام کرتی تھیں مگر اس احترام کے ساتھ اُن کی حالت کا اندازہ بھی کر لیتی تھیں متعصب اور تاریک خیال علماء پر اظہارِ تاسف کے ساتھ اُن کی اصلاح حال کے لئے دُعا کرتیں لیکن کبھی اُن سے بیزاری کا اظہار نہیں کیا اور ہمیشہ اُن کا اعزاز ملحوظ رکھا۔ زمانۂ جدید کے روشن خیال علماء کے ساتھ تو مذہبی و قومی و مسائل پر اکثر بے تکلفانہ بحثیں فرمائیں اور خاص خاص ضروریاتِ ملّی و مذہبی کی جانب ان کو رجوع کرتیں۔

اگر ہم ایوانِ سُلطانی کے کمرۂ ملاقات میں مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور مولانا محمد احمد صاحب دیوبندی وغیرہ کو اُن کے شایانِ شان احترام کے ساتھ دیکھتے ہیں تو وہیں دوسری طرف مولانا شبلی اور خواجہ کمال الدین مُبلّغِ اسلام کو بھی اسی عزت و حرمت کے ساتھ موجود پاتے ہیں۔

وہ ان قدیم و جدید خیالات کے علماء کے باہمی اختلافات کو اچھی طرح سمجھتی تھیں۔ اُن کا صحیح فیصلہ فرماتی تھیں اور کسی ایک فریق سے متاثر نہیں ہوتی تھیں۔ ۱۹۱۲ء میں جب سیرۃ النبیؐ اوّلیں مرحلہ پر تھی اور اس کا دیباچہ اخبار الہلال میں شایع ہوا تو چند علمائے نے جن کی قیادت مولانا عبدالشکور صاحب مُدیر النجم لکھنؤ نے کی تھی اور جن کو بعض علماء بھوپال کی تائید بھی حاصل تھی سرکار عالیہ کو اپنے پورے عالمانہ اثر کے ساتھ اس امر پر متوجہ کیا کہ یہ سیرت نبوی نہ صرف اصولِ سیرتؐ کے خلاف ہوگی بلکہ دشمنانِ اسلام کو ہنسنے کا موقع پیدا کرے گی اور وہ ثوابِ عظیم جو سرکار عالیہ کا مقصود ہے حاصل نہ ہوگا بلکہ قیامت میں مواخذہ کیا جائے گا۔ تو قیامت کے مواخذہ کا یہ خوف جو ان علما کی طرف سے پیدا کرایا گیا تھا ایک حد تک مؤثر ہوا مگر سرکار عالیہ نے اپنی نیت پر اعتماد کر کے کوئی عاجلانہ کارروائی نہیں فرمائی اور نہایت عمدگی و رازداری کے ساتھ اپنا اطمینان کر لیا اور آج صرف اُسی سیرت کے سبب سے خلفائے راشدین، مہاجرین و انصار، اور صحابیات کی صحیح و مکمل سیرتیں تیار ہو کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں۔

اسلاف کی محبت سرکار عالیہ کو جو شفقت خاندان کے چھوٹوں کے ساتھ تھی ویسی ہی اُلفت

بزرگانِ خاندان کے ساتھ تھی خصوصاً اُمہاتِ کرام کی عظمت اور ان کا احترام بدرجۂ غایت تھا اور اسی بناء پر انھوں نے اُن سب کی اور اپنے والد ماجد امراؤ دولہ نواب باقی محمد خاں کی سوانح عمریاں نہایت ذوق و شوق کے ساتھ تالیف فرمائیں لیکن خاندانی تعلقات کے سلسلہ میں ۲۶، ۲۷ سال کی مسلسل و غیر منقطع مدت میں شفیق ماں (سرکار خلد مکاں) کے ساتھ جو کشیدگی قائم ہوگئی تھی اُس سے کبھی اُن کو سکینۂ قلب اور راحتِ رُوحانی نہیں ملی حالانکہ دونوں کے دلوں میں الفت کی لہریں موج زن رہتی تھیں۔ یہ حالت چند خود غرض اشخاص نے پیدا کرادی تھی جن کے مقاصد اور اغراض کی تکمیل و کامیابی اسی کشیدگی کے قائم رہنے پر مبنی تھی۔ اِسلئے سرکار عالیہ کی ہر کوشش مصالحت و صفائی ناکام رہتی تھی۔

سرکار عالیہ کی "تزکِ سُلطانی"[۵۷] میں یہ تمام واقعات مُندرج ہیں جس میں انھوں نے اسباب کشیدگی پر پوری روشنی ڈالی ہے اور بعض حالات کا ایسے دردناک الفاظ میں بیان کیا ہے جن کو کوئی شخص بغیر آنسوؤں کے نہیں پڑھ سکتا۔

لیکن ان واقعات سے جو محبت کہ ماں کے ساتھ تھی اُس میں شمہ برابر کمی نہیں ہوئی اور یہی نہیں بلکہ ان کو ماں کی شفقت پر جو اعتماد تھا وہ بھی برابر قائم رہا اور نہ اس احترام میں ذرّہ

---

۵۷ اس کتاب کے موضوع اور طرزِ بیان کے متعلق بھی سرکار عالیہ کے حسب ذیل فقرات مطالعہ کے قابل ہیں جو انھوں نے اپنے عہدِ حکومت کی تاریخ کے حصّۂ اوّل گوہرِ اقبال کی تمہید میں لکھے ہیں:۔

"اس ۲۶ سال کے عرصہ میں کچھ ایسے رنجدہ حالات اور افسوسناک واقعات بھی پیش آئے تھے جن کی وجہ سے میرا اُمرِ ثبتہ حصّہ ایک غم ناک فسانہ بن گیا اور اس نے بڑی حد تک تاریخی حیثیت سے علیحدہ ہو کر سوانح ذاتی کی صورت اختیار کرلی۔ اِن ۲۶ برسوں میں مجھ پر جو رُوحانی صدمات پہنچے اُن سے میرے دل پر نہایت سخت اثر تھا اور ابھی تک جب اُن کا خیال آتا ہے دل و دماغ پر تکلیف دہ حالت طاری ہوجاتی ہے مگر اس جوشِ بیان نے جو ایسی صورتوں میں خود بخود پیدا ہوجاتا ہے اور جس کا اندازہ کچھ ستم رسیدہ اور غم زدہ دل ہی کرسکتے ہیں میرے ضبط کو مغلوب کرلیا تھا اس لئے زبان قلم سے وہ جذباتِ غم بھی ظاہر ہوتے چلے گئے جن کو اگر ضبط کرتی تو ایک لفظ بھی زیبِ صفحۂ قرطاس نہ ہوسکتا۔"

پھر فرق آیا جو ماں کا بیٹی کے دل میں ہونا چاہیئے۔

انھوں نے نہایت جوش سے ماں کی سوانح عمری "حیات شاہجہانی" لکھی اور اردو انگریزی میں بہ کثرت شایع کی۔

اس کتاب کے دیباچہ میں تحریر کرتی ہیں :۔

"خلد مکاں علیا حضرت جناب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ تاج ہند جی، سی، آئی ای مرحومہ مغفورہ کی سوانح عمری لکھنا نہ صرف میرے لئے ایک فرض ہے بلکہ اُسے میں اپنی سعادت سمجھتی ہوں اور ایسے کام کو ایک ایسی خدمت جانتی ہوں جو دعا کے بعد میں ان کی کچھ کر سکتی ہوں۔ دُنیا مانتی ہے کہ وہ اولوالعزم، فیاض، رحیم المزاج اور مُدبر خاتون تھیں، پس ایسی خاتون کے کاموں کو زندہ رکھنے کے لئے ایک سوانح عمری کی اشد ضرورت تھی۔ ممکن تھا کہ میں یہ کتاب کسی قابل آدمی سے لکھواتی۔ لیکن مجھے یہ سعادت کیونکر حاصل ہوتی کہ میں اپنی عزیز اور شفیق والدہ کی یہ خدمت بجالاتی۔ پس جہاں تک مجھے وقت ملا اور موقع حاصل ہوا میں نے اس کتاب کو مرتب کیا .... میں نے اس لائف میں عمداً اور قصداً اُن تمام دردانگیز واقعات کو درج نہیں کیا جو میرے اور ان کے مابین پیش آئے کیونکہ ان کا فراموش کر دینا ہی بہتر ہے۔ جو کچھ واقعات پیش آئے وہ شدنی تھے میں یقین رکھتی ہوں کہ باوجود ان واقعات اور مسلسل کشیدگی کے ذرہ برابر اُن کی شفقت میں کمی نہیں آئی تھی اور نہ میری اطاعت و محبت میں کوئی فرق آیا تھا اور کیوں کر آتا میری جنت تو اُن کے قدموں کے نیچے ہے اور میری بخشش اُن کی خوشی و رضا پر منحصر ہے۔

مجھے یقین ہے کہ جب ناظرین اس لائف کو پڑھیں گے تو جہاں ان کو یہ خوشی ہوگی کہ اُن کے ملک میں ایک ایسی جلیل القدر خاتون کی شاندار لائف موجود ہے وہاں مجھے اور انھیں دونوں کو دُعائے خیر سے یاد کریں گے۔

سرکار عالیہ کی اس محبت کا اندازیوں کرنا چاہیئے کہ آخر وقت تک جب کبھی ماں کا تذکرہ آجاتا تھا تو اُن کی باتوں میں ایک جوش پیدا ہو جاتا تھا۔ تزک سلطانی اور حیات شاہجہانی کی ترتیب و تالیف کے زمانہ میں مجھے اِس جوشِ محبت کے نظارہ کا بارہا موقع ملا ہے اور میں نے اکثر

بیشتر سرکار عالیہ کو چشم پرنم پایا اور غمناک آواز سے گفتگو کرتے سُنا ۔ اسی محبت کا تقاضا تھا کہ سرکار عالیہ اپنے اسلاف کرام کے ایصال ثواب کے لئے بھی ایک معین تاریخ پر خیرات و مبرات فرمایا کرتی تھیں ۔

شکر گذاری سرکار عالیہ کے شمائل رضیہ میں ایک بڑی صفت شکر گذاری تھی ۔ وہ ہمیشہ خدائے رحمٰن و رحیم کا شکر نہ صرف دل و زبان سے بلکہ ہر موقع پر عمل کے ذریعہ سے ادا کرتی تھیں جس کو ہم اُس شفقت و ہمدردی میں نمایاں دیکھتے ہیں جو اُن کو عموماً مخلوق الٰہی اور خصوصاً جماعت مسلمین کے ساتھ تھی ۔ اس کے علاوہ بعض اوقات تحریر و تقریر میں بھی وہ خداوند کریم کے افضال و عنایات کی شکر گذاری نہایت پُرجوش الفاظ میں کرتی تھیں ۔ مثلاً ایک موقع پر اپنے جذبات شکر گذاری کو اس طرح ظاہر کرتی ہیں :-

"اس دُنیائے ظاہری میں میں اپنے آپ کو بہت خوش نصیب سمجھتی ہوں کہ اُس کے الطاف سے اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنیا کی مصداق ہوں اور میں ہمیشہ خدائے عزّ و جل سے مثل حضرت سلیمان علیہ السّلام کے دُعا کرتی ہوں ۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔

اور اُس کے حضور میں ملتجی رہتی ہوں کہ وہ زندہ رہیں اور ان میں ہر ایک صالح ہو اور وہ میرے لئے باقیات صالحات ہوں اس لئے کہ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا ۔

یہ امر واقعہ ہے کہ خداوند کریم نے جہاں سرکار عالیہ کو ابتلا و آزمائش میں ڈالا وہاں حسنات دارین سے بھی کامل طور پر تمتع عطا کرکے اپنے اس وعدہ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ کو پورا کیا ۔

لیکن خدائے تعالیٰ کا شکریہ اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ انسان انسان کا شکر گذار نہ ہو ۔ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰهَ مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ ۔

سرکارِ عالیہ ہمیشہ ہر شخص کا جس نے ذرا بھی قابلِ تشکریہ کام کیا ہو یا جس نے اُن کے مقصد یا کسی کام میں مدد کی ہو شکریہ ادا کرتی تھیں۔ یہ تشکر گذاری رسمی نہ تھی بلکہ حقیقتاً دل سے ہوتی تھی اور اس کا اظہار شقّوں، پرائیوٹ خطوں، پبلک تقریروں اور تصانیف وغیرہ میں فیاضانہ اور مؤثر الفاظ کے ساتھ ہوتا تھا۔ مثلاً میری ایک عرض داشت پر توقیع فرماتی ہیں کہ:-

"واقعی شب و روز میری یہ آرزو ہے کہ میں خدائے تعالیٰ کی رضاجوئی کی کوشش کروں اور اس کے بعد بندگانِ خدا کی بہبودی کی جو میری زندگی کا مقصد ہے۔

میں اس کو بھی بتانا چاہتی ہوں کہ جو صاحبان میرے اس مقصد میں مجھ کو امداد دیتے اور اس تمنّا کی تکمیل کی کوشش کرتے ہیں ان کا شکریہ میری زبان ہی سے نہیں بلکہ دل سے نکلتا ہے۔ خدائے تعالیٰ ان کو زیادہ توفیق عطا کرے۔

اس کوشش کی جو ہمارے قلم سے حتی الامکان ہوسکتی ہے اور جو کرتے ہیں اس کا صلہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ہے اور انشاء اللہ ضرور ملے گا لیکن تم سب سے اس قدر خواہش ہے کہ دعا خیر سے جیسے اب یاد کرتے ہو تا اپنی حیات یاد کرتے رہو اور یہی تمنا رعایا اور قوم سے ہے۔"

اُن کو سیرت النبیؐ کی تکمیل کا بے انتہا خیال تھا مولانا شبلی مرحوم کی رحلت کے بعد جب اُن کے جانشین مولانا سید سلیمان پہلی مطبوعہ جلد لے کر آئے اور باریاب ہوئے یہ ہدیۂ مقدس اور روئداد پیش کی تو سرکارِ عالیہ کا قلبِ مبارک خدا اور انسان دونوں کے شکریوں سے معمور ہوگیا بقیہ جلدوں کی تکمیل کا تذکرہ ہوا اور دار المصنفین کے ذاتی پریس نہ ہونے سے مشکلات کا ذکر آیا تو مولانا موصوف کے ہی تخمینہ کے مطابق بہ تشکریہ تکمیل سیرۃ النبی تین ہزار روپیہ دیئے۔

اپنے عہدہ داروں کی خدمات کے اعتراف و اظہارِ تحسین میں بھی نہایت فیاض تھیں جو صحیح معنوں میں ایک حقیقی تشکر گذاری ہے اور جہاں موقع ہوتا تھا انتہائی قدرشناسی کے ساتھ ان کا تذکرہ فرماتی تھیں۔ اختر اقبال کا ایک باب خاص طور پر ایسے ہی تذکروں سے معمور ہے۔

پھر یہ اعتراف و تحسین زندہ اور موجود عہدہ داروں کی ہی خدمات کا نہ تھا بلکہ اس جہان سے گذر جانے اور خدمات سے سبکدوش ہوجانے والوں کو مرورِ زمانہ پر بھی فراموش نہ فرماتی

تھیں۔ ایک اعلیٰ عہدہ دار مولوی نصیر الدین[۵۷] صاحب معین المہام مرحوم کے متعلق لکھتی ہیں کہ:۔

"وہ ہمیشہ ریاست و رعایا کی بہبودی کے خیال میں مستغرق رہتے تھے اور نہایت ہر دلعزیز بھی تھے، تمام رعایا اُن کے ساتھ محبت کرتی تھی اور بھوپال میں ہمیشہ ان کا نام عزت و نیکی کے ساتھ لیا جائے گا۔"

بخشی محمد حسین صاحب ایک قدیم اور ممتاز عہدہ دار تھے جو نواب سکندر بیگم خلد نشین کے زمانہ سے ملازم تھے اور انھوں نے تین دورِ حکومت دیکھے اور اُن میں کام کیا۔ اُن کی نسبت تحریر کیا ہے کہ:۔

"انھوں نے جیسی اعلیٰ دیانتداری اور راست بازی کے ساتھ اس طویل اور مسلسل زمانہ میں اپنی خدمات کو انجام دیا ہے وہ ہر عہدہ دار کے لئے نمونہ ہے ان پر ہر زمانہ میں بھروسہ اور اعتبار کیا گیا اور وہ اس کے اہل ثابت ہوئے۔ وہ نہایت خاموشی کے ساتھ کام کرتے تھے اور چونکہ ایمان داری اور خیر سگالی اُن کا نصب العین تھا اس لئے ہمیشہ ممتاز اور مؤقر رہے۔"

ایک فرشتہ خصلت عہدہ دار افسر الاطبا حکیم سیّد نور الحسن صاحب کا تذکرہ ان جملوں پر ختم فرماتی ہیں:۔

"ان کا وجود ایثار و خلق کا ایک بہترین نمونہ تھا جو بھوپال کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ افسر الاطبا کے نازک عہدہ پر حقیقتہً یہ انتخاب ایسا اچھا ہوا تھا کہ بہت ہی کم ہوتا ہے۔ وہ شخص اس دُنیا میں نہیں ہے مگر اس کی نیکی کی یاد باقی ہے اور آج اس کو تمام رعایا روتی ہے۔"

سنہ ۱۳۱۱ھ میں ان کی چھوٹی صاحبزادی سخت علیل تھیں ایک لیڈی ڈاکٹر مس مکینزی جن کا چند روز کے لئے بھوپال میں بطور قائمقام تقرر ہوا تھا ان کی معالج تھیں نہایت ہمدردی اور توجہ سے علاج کرتیں۔ مریضہ کی حالت میں ہنوز کوئی خاص تغیر نہ ہوا تھا کہ وہ اکّور واپس چلی گئیں اور پھر کبھی بھوپال نہ آئیں۔ صاحبزادی صاحبہ کا بھی چند ماہ بعد انتقال ہوگیا۔ ۱۸ سال بعد جب سرکار عالیہ اپنی تزک میں صاحبزادی صاحبہ کی علالت کا تذکرہ لکھتی ہیں تو دیکھئے کیسے پُرجوش

---

[۵۷] مولوی شرف الدین مرحوم جج ہائی کورٹ کے برادر بزرگ اور سید علی امام مؤید الملک کے ماموں تھے۔

الفاظ میں مس میکنزی کا ذکر فرماتیں اور شکریہ ادا کرتی ہیں :-

"گو اب دُنیا میں آصف جہاں نہیں ہیں اور اُن کی دائمی مفارقت سے جو صدمہ مقدّر میں تھا وہ ہم نے اُٹھا لیا۔ جو جو تکلیفات دیکھنی تھیں وہ دیکھ لیں اور نہ مس میکنزی ہی ہم میں موجود ہیں لیکن جس طرح کہ آصف جہاں کی یاد باقی ہے اُسی طرح مس میکنزی کی محبتیں یاد ہیں اور اُن کی شکر گذاری دل میں موجود ہے۔"

دست برداریِ حکومت اور اعلیحضرت اقدس نواب سکندر صولت کی تخت نشینی کے دربار میں سرکار عالیہ نے جو مؤثر اور قابلِ یادگار تقریر[۹۱] فرمائی ہے اس میں جہاں خداوند جل شانہ اور ارکانِ حکومت برطانیہ کا شکریہ ادا کیا ہے وہاں اپنی رعایا اور ارکینِ دولت کا بھی اظہارِ تشکّر ہے اور پھر اُن ارکین کو بھی فراموش نہ کیا جو خدماتِ بھوپال سے سبکدوش ہو چکے یا اس دُنیا کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔

وہ عموماً اپنی تالیفات میں اُن اصحاب کا شکریہ ادا کرتی تھیں جو اُن میں کسی قدر بھی مدد دیتے تھے۔ مثلاً "سیرۃ مصطفیٰ" کو جب شایع کرایا ہے۔ تو اُس کے دیباچہ میں لکھتی ہیں کہ :-

"میں آخر میں مولوی سعید الدین[۹۲] صاحب بہادر کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے میری ان تقریروں کو بنظرِ اصلاح دیکھا اور جن سے ہمیشہ مذہبی تالیفات میں مجھے مدد ملتی ہے۔"

یہ تو بڑی ہستیاں تھیں اُنھوں نے تو اپنے معمولی اہلکاروں تک کا شکریہ ادا کرنے میں فیاضی سے کام لیا ہے۔ چنانچہ اخلاق کی پہلی کتاب کے دیباچہ میں ان ناچیز ہستیوں کا اس طرح تذکرہ کرتی ہیں :-

"اگرچہ میں نے اپنے اوقات فرصت میں اس کتاب کے مسودہ پر بہت کچھ محنت کی ہے اور

---

۹۱ ملاحظہ ہو تقریر دربار۔

۹۲ ضلع سہارنپور کے ایک ممتاز خاندان کے رُکن اور دیوبند کے فارغ التحصیل نہایت روشن خیال اور ذہین عالم تھے ریاست میں معمولی ملازمت سے اعلیٰ مناصب تک ترقی پائی۔ نہایت وفادار۔ دوست پرور اور علم کے شوقین تھے آخر وقت تک روزانہ دو چار طلبا کو حدیث و تفسیر کا درس دیتے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں رحلت کی۔

انگریزی کتابوں سے اس میں مدد لی ہے لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ میرے دفتر تاریخ نے مسودوں کی صفائی اور حوالہ جات وغیرہ کی تلاش میں مجھے حسب معمول بہت مدد دی ہے۔

اس کتاب میں جس قدر نظمیں ہیں وہ منشی محمد یوسف قیصر کا نتیجہ طبع ہیں جو اچھے شاعر ہیں اور اس دفتر میں اسی لئے معمور ہیں کہ بچوں کے لئے ایسی اخلاقی نظمیں تیار کریں۔ ان نظموں نے اس کتاب کو اور بھی زینت دی ہے۔ یہ اس قابل ہیں کہ بچوں کو زبانی یاد کرائی جائیں تاکہ بچوں کو خوش الحانی کے ساتھ موزوں پڑھنے کی مشق ہو اور اُن کا اثر دل پر ہو جائے۔ ان کی محنت قابل شکر گذاری و ستائش ہے۔"

اس صفتِ شکر گذاری کی انتہا یہ ہے کہ ایک تقریب پر جس کی مدت کم رہ گئی ہے علیا حضرت اپنی تازہ تصنیف تندرستی تقسیم فرمانا چاہتی ہیں کوئی پریس اس مدت میں آمادہ نہیں ہوتا۔ لیکن مولوی سید ممتاز علی اڈیٹر تہذیب نسواں کے ذریعہ سے لاہور میں طبع ہو جاتی ہے اور پھر بعض اتفاقات سے تقریب کی تاریخ بڑھ جاتی ہے اور مؤلف سوانح کے ایک عریضہ پر توقیع فرماتی ہیں:۔

محمد امین!

بلقیس[۱] کے عقیقہ میں غالباً ابھی وقفہ ہے صرف خط لکھ دو کہ پاسنجر سے بھیج دیں۔ ضرور اس کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اپنے وعدہ پر کتاب تیار ہو گئی۔"

شفقت و رافت سرکارِ عالیہ رحمت و رافت کا ایک جلوہ گاہ تھیں۔ جس کا نظارہ اس وقت بہت ہی پُر لطف ہوتا تھا جبکہ مُلکِ محروسہ کے دَوروں میں رعایا اور کاشتکاروں کی عورتوں اور بچوں کے درمیان جلوہ افروز ہوتیں اور اس طرح بلا واسطہ رعایا کو شفقت شاہانہ سے بہرہ یاب ہونے کا موقع ملتا۔ متوسلین کے ساتھ بھی خاص شفقت فرماتی تھیں۔ فیاضانہ امدادوں کے علاوہ شادی اور تقاریب کے موقع پر اس شفقت کا زیادہ اظہار ہوتا تھا۔ دُلہنیں باریاب ہوتیں، اُن کو سلامی اور تحفے مرحمت کرتیں۔ دعوتیں قبول فرماتیں۔

---

[۱] پہلے خیال تھا کہ نواب گوہر تاج بیگم عابدہ سُلطان کا نام بلقیس جہاں بیگم رکھا جائے۔

بچّے پیدا ہوتے تو ان کا نام رکھتیں اور مبارک بادیں دیتی تھیں۔ اور ان مُبارک بادوں سے بھی زیادہ قابل فخر و احترام وہ دُعائیں ہوتیں تھیں جو ان بچّوں کے لئے زبانِ مبارک سے کرتیں۔ مثلاً ایک تقریب کے موقع پر مؤلف سوانح کی جواب مبارک باد کے آخر میں تحریر فرماتی ہیں کہ:۔

"محمد امین! اس وقت بے اختیار ایک نام یاد آگیا۔ اللہ تعالیٰ تم کو فرزند دے جس کی امید ہو رہی ہے عمر کا...... لیئق صالح جس کا نام یامین ہوگا اور ہم مبارک باد دینگے۔ انشاءاللہ تعالےٰ۔

مکرر تمہاری دلی مبارک باد کا شکریہ۔"

وہ مصیبت زدوں کی حقیقی غم خوار تھیں۔ ناممکن تھا کہ کسی کی مصیبت سُنیں یا دیکھیں اور متاثر نہ ہو جائیں اور مناسب امداد نہ فرمائیں۔ وبائی امراض کے زمانہ میں باوجود طبّی تدابیر کے جو نہایت فیاضانہ طور پر کی جاتی تھیں اور اوراد و وظائف پڑہے جاتے تھے سرکار عالیہ رعایا کے اطمینان اور طبّی تدابیر پر عمل پیرا ہونے کے لئے اعلان اور پیغام شائع فرماتیں۔ ہر وقت فکر و الم میں ڈوبی اور بارگاہِ ایزدی میں مضطربانہ دُعائیں کرتی نظر آتی تھیں۔

موسم سرما میں ہر سال غربا کو کمبل اور رضائیاں تقسیم کی جاتی ہیں۔ ایک سال اتفاق سے اُن کی تقسیم میں کچھ تاخیر ہوگئی۔ ایک دن سخت سردی تہی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تہی۔ گہرے بادل گہرے ہوئے تھے۔ جنوری کا مہینہ تھا اور سرکار عالیہ محل شاہی میں مضطرب و بیتاب تھیں اور بار بار کہتی تھیں کہ آج ان غریبوں کا جن کے پاس لباس سرمائی نہیں ہے کیا حال ہوگا۔

غریب عورتیں علی العموم محل میں آکر بے تکلفی سے اپنی تکلیف و مصیبت کی داستان سناتیں اور ہمیشہ سرکار عالیہ کی شفقت و دستگیری سے مطمئن و مسرور ہو کر ہی جاتیں۔

رعایا کو تقاریب شادی اور مکانات کی تعمیر و مرمّت اور ادائے قرض کے لئے فیاضانہ امدادیں عطا کرتیں۔ عام ملازمین اور جاگیرداران وغیرہ کو ضرورت کے وقت سودی قرضہ سے نجات دلانے کیلئے بجٹ میں ایک رقم برائے قرض رکھی جاتی۔

علاوہ ان وظائف تعلیمی کے جو ریاست اور جیب خاص سے مرحمت فرماتی تھیں ہر سال ایک معقول رقم اور زیادہ تر جیب خاص سے غربا اور غیر مستطیع طلبا کو امتحانات کی فیسوں اور

سفر کے اخراجات کے لئے عطا کرتیں۔ اور اس قسم کی امداد سے ان کو مسرت ہوتی تھی پھر اُن کی کامیابی کے لئے دُعائیں کرتیں اور کامیاب طلبا کی جب فہرست پیش ہوتی تو بے انتہا مسرور ہوتیں اور جن کی ماؤں سے واقف ہوتیں ان کو مبارک بادیں دیتیں۔

اعلیحضرت اقدس جب ایف اے کامیاب ہوئے ہیں تو لیڈیز کلب میں خواتین نے ایک جلسۂ مبارکباد منعقد کیا اور اس میں پارٹی کا انتظام کرنا چاہا لیکن سرکار عالیہ نے ان کو مشورہ دیا کہ جو رقم اس طرح خرچ کی جائے اُس کو غریب لڑکیوں کی امداد تعلیم میں خرچ کرنا چاہیئے۔ خواتین اس مشورہ پر عمل پیرا ہوئیں جس سے سرکار عالیہ کو بہت خوشی ہوئی اور جلسہ میں اُنھوں نے ایک مختصر تقریر کی جس میں فرمایا کہ :-

"مجھے اس بات سے بہی بڑی خوشی ہوئی کہ تم نے میرے مشورہ کو قبول کر کے اُس رقم کو جو آج مجھے پارٹی دینے کے لئے تم نے آپس میں جمع کی تھی کسی قومی کام میں صرف کرنا تجویز کیا ہے۔

خواتین !

اُس مالک حقیقی کی جس کے رحم و کرم سے ہم کو یہ مسرتیں حاصل ہوتی ہیں سچی شکر گذاری اسی طرح ادا ہوسکتی ہے کہ ہم ایسے موقعوں پر اُسکی مخلوق کو جن کی اعانت و دستگیری ہمارا فرض ہے فراموش نہ کریں۔

کیا فائدہ ہوتا کہ اگر ہم اس وقت کلب کی میزوں کے آس پاس جمع ہو کر چند پھل کھا لیتے لیکن اس سے بہت فائدہ ہوگا کہ یہ روپیہ غریب آدمیوں کے کام آئے گا۔ اُن کی دلی دُعائیں ہمارے حق میں مسرتوں اور خوشیوں کے خوشگوار پھل پیدا کریں گی جن کی شیرینی اور خوشبو سے ہمارے دل اور رُوح کو تازگی ہوگی۔ ....

....

جب تک خوشی کے موقع پر غریبوں کو شریک نہ کیا جائے اُس میں میرے نزدیک لطف ہی نہیں آتا۔ نیز ہمدردی کی اُس صفت کا جو خدا نے انسان کو عطا کی ہے اقتضا یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو غریبوں اور ضرورت مندوں کی مفید اور بکار آمد مدد کی جائے ....

....

اب میں تمہارے سب کے ساتھ اس دُعا میں شریک ہوتی ہوں کہ خداوند کریم حمید اللہ خاں کی تعلیمی منزلوں کو طے کرنے میں مدد کرے۔ اور اُن کی تعلیم سے قوم کو فائدہ پہنچائے۔ میں اس جگہ بھوپال کی اُن تمام ماؤں کو بھی مبارکباد دیتی ہوں جن کے بچے اس سال امتحان میں کامیاب میں کامیاب ہوئے ہیں۔ خدا کرے وہ اُن کے دلوں کو اپنی اطاعت و لیاقت سے ہمیشہ شگفتہ رکھیں۔"

درحقیقت یہ مادرانہ شفقت کا قابل احترام جذبہ تھا۔ کانووکیشن کی تقریر میں وہ اس جذبہ سے اتنی متاثر ہوئیں کہ اس تقریب کی تقریر میں جہاں ڈگری لینے والے طلبا کو بہت سی نصیحتیں کیں، وہاں ان کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ :-

"آپ اپنے اُن بزرگوں اور مُربیوں کو بھی جو یہاں موجود نہیں ہیں اپنی کامیابی پر میری دلی مبارکباد کا ہدیہ پہنچائیں۔"

اُن کی اِس رحمت و شفقت کی حد یہ تھی کہ سیاستِ ملکی میں بھی یہی جذبہ کار فرما نظر آتا تھا۔ یہی جذبہ تھا جس کی وجہ سے عالمِ اسلامی کے انتشار و تباہی پر ہمیشہ قلبِ مُبارک سخت طور سے متاثر رہا اور جس حد تک سرکار عالیہ کو امداد کا موقع ملا گراں قدر امدادیں کیں۔

سفر یورپ کے زمانہ میں جب قسطنطنیہ کی آتش زدگی کا حال معلوم ہوا تو ۷۵ ہزار روپے غربا کی امداد میں دیا اور بلقان وار کے زمانہ میں تین لاکھ روپے کے ٹرکش بانڈ خریدے۔

مظلومین سمرنا کی امداد میں ۲۵ ہزار اور ترکی یتیموں کے فنڈ میں اکتیس ہزار روپیہ عطا کیا۔ اور جب فتح سمرنا کی خوشی میں بلدۂ بھوپال کے عام مسلمانوں نے اظہار شادمانی و مسرت کے لئے ایک جلوس نکالا، غربا اور مساکین کی امداد کے لئے چندہ کئے تو عین جلوس کے دن جس وقت یہ اطلاع حضور ممدوحہ کو ہوئی بغیر کسی درخواست اور توجہ دلانے کے ایک ہزار روپیہ اپنی جیب خاص سے ان عام مسلمانوں کے چندے میں عطا فرمایا۔

سرکار عالیہ یتامیٰ پر بے انتہا شفیق تھیں اور اسی شفقت کا اثر تھا کہ ہر موقع پر انھوں نے یتیموں کی امداد کی اور بھوپال کے سرکاری یتیم خانہ کو "دار الشفقت" کے نام سے موسوم فرمایا اور جب بھوپال کی پبلک نے ۱۹۱۸ء میں اعانتِ یتامیٰ و بیوگان کا فنڈ قائم کر کے ششماہی رپورٹ

شائع کی تو بلا درخواست سکریٹری کے نام سرکار عالیہ کا خط پہنچتا ہے کہ یک صد روپیہ میری جانب سے قبول فرمائیے۔

یتامیٰ کی تعلیم و تربیت کے متعلق اُن کا ایک خاص خیال تھا اور اس خیال کو انھوں نے اپنی ایک تحریر میں بہ سلسلۂ سفر کلکتہ ۱۹۱۲ء میں اِس طرح ظاہر کیا کہ :-

"میرے سامنے اسلامیہ یتیم خانہ کا ڈپوٹیشن پیش ہوا اور یتیم بچے بھی آئے۔ ان بچوں کے بھولے بھالے چہرہ دیکھکر دل پر ایک عجیب اثر پڑا۔ اس میں شک نہیں کہ کلکتہ کے اہل اسلام نے یہ نہایت مفید کام کیا ہے۔ اگر ان بچوں کی باقاعدہ تعلیم و تربیت ہوئی تو ضرور ان میں سے کچھ نہ کچھ جوہر قابل نکلیں گے۔ کلکتہ کے علاوہ بھی ہندوستان میں چند اسلامی یتیم خانہ ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی وسعت اور اُن کی تعداد میں بہت کچھ اضافے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ قحط و وبا میں اکثر مسلمان بچے دوسری قوموں کے یتیم خانوں میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں اُن کے مذہب کی کوئی محافظت نہیں ہوسکتی۔ اگر مسلمان اپنے مصارفِ خیرات وحسنات میں سے کچھ حصہ اپنی قوم کے یتیموں پر مفید طریقے سے صرف کریں تو علاوہ اس کے کہ ان کو ثوابِ آخرت نصیب ہو دُنیا میں یہ کیا کم فائدہ ہوگا کہ ان کی قوم کے بچے ضلالت و گمراہی اور افلاس و ذلت کی مصیبت سے محفوظ رہیں گے اور ایک معزز زندگی بسر کریں گے اور اُن ہی میں بعض ایسے ایسے قابل پیدا ہوں گے جن پر قوم کو فخر و ناز ہوگا"

فیاضی اور اس کے اصول

سرکار عالیہ کی فیاضیوں اور اُن کے مختلف طریقوں کا احصا و استقصار ایک نہایت مشکل کام ہے۔ بھوپال میں تو اس ابرِ کرم کا ترشح ہمیشہ ہی رہا۔ اور ہر طبقہ اس سے متمتع ہوا۔ اگرچہ نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ (خلد مکاں) کی فیاضیاں ضرب المثل ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اُن کی فیاضی میں بے دریغ بخشش اور دریادلی شامل تھی اس سے متمتع ہونے والوں نے اس کی پوری قدر نہ کی اور اپنے کو ناکارہ اور اپاہج بنالیا۔ نہ تعلیم کی طرف توجہ کی اور نہ اور کوئی پیشہ سیکھا بلکہ محنت علم و ہنر سے گریز کرنے لگے۔

سرکار عالیہ جب صدر نشین ہوئیں اور اس حالت پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچیں کہ اگر اس فیاضی کا رُخ نہ بدلا گیا تو کچھ عرصہ میں جہل و بیکاری بمنزلہ طبیعت ثانیہ کے ہو جائے گی۔ اس لئے زیادہ تر بیکار اور غیر مفید فیاضی کی جگہ جس کا فائدہ زیادہ سے زیادہ ایک خاندان تک پہنچ سکتا تھا متمدن اور شائستہ کاموں کی بُنیاد ڈالی۔ ناکارہ لوگوں کو کام پر لگایا۔ پیشے سیکھنے کی ترغیب دی تعلیم کے لئے مجبور کیا اور ہر قسم کی تعلیم کا انتظام فرمایا اور جہاں تک ممکن ہو سکا ان ہی اُمور پر اپنی فیاضی کو مشروط فرما دیا۔

جب کسی بیوہ عورت کا وظیفہ مقرر فرماتیں تو یہ حکم بھی ہوتا کہ وہ اپنے بچوں کو مدرسہ میں داخل کرائے۔ اگر خود کسی کام کے سیکھنے کے قابل ہوتی تو اُس کو مدرسہ صنعت بیوگان میں داخلہ کا حکم ہوتا۔ جو لڑکے وظیفہ پاتے ممکن نہ تھا کہ کسی اسکول میں داخل نہ ہوں۔

قدیم سے سلاطین اور اُمرا کی فیاضیوں سے شعرا عصر کو بہت بڑا حصّہ ملا ہے اور اب بھی فرمانروایانِ مُلک قصائدِ مدحیہ پر صلے اور انعام عطا کرتے ہیں۔ بعض فرمانرواؤں اور امرا کو خود شاعری کا شوق ہوتا ہے اور شعرا کا گروہ اُن کی فیاضیوں سے متمتع ہوتا رہتا ہے۔ سرکار عالیہ اگرچہ خود شاعر نہ تھیں لیکن سخن سنج ضرور تھیں۔ مگر یہ سخن سنجی صرف اس شاعری تک محدود تھی جو حسیاتِ ملّی و جذباتِ مذہبی و قومی کی محرک ہو تاہم جو قصائد پیش ہوتے اُن کو اگرچہ خود سماعت نہ فرماتیں لیکن وہ بے صلہ نہ رہتے۔ تقاریب کے موقعوں پر عموماً شعرا مبارکباد کے قصیدے اور قطعات وغیرہ پیش کرتے اور سرکار عالیہ معقول طور پر ایک رقم عطا فرماتیں۔

عام عطیات کے بجٹ سالانہ میں ایک معقول رقم رکھی جاتی لیکن کوئی سال ایسا نہ جاتا کہ اس میں سال ختم ہونے سے پہلے ایک معتدبہ اضافہ نہ ہوتا۔

ملازمین و متوسلین ریاست کے خاندانوں کی تقریبات اور دیگر ناگزیر ضروریات میں علی قدرِ مراتب و مرتبہ فیاضانہ امداد فرماتیں۔ اکثر کو جاگیریں اور معافیاں بھی عطا فرمائی ہیں۔ یہ محسوس فرما کر کہ اکثر عہدہ دار و ملازم اور متوسل ضرورتوں کے موقعوں پر مہاجنوں سے قرض لے کر سود کے بارِ گراں سے دب جاتے ہیں یہ طریقہ بھی جاری فرمایا کہ بشرطِ ضرورت واقعی خزانۂ عامرہ سے قرض دیدیا جایا کرے جو نہایت معتدل اور غیر تکلیف دہ اقساط سے وصول ہوتا ہے پھر عام اشخاص

کو مکانات بنانے اور دوکانات اور کارخانے کھولنے کے لئے بھی اسی طرح قرض دیا جاتا اور مزید عطیات بھی ملتے۔

سرکار عالیہ کی فیاضی عام کا پہلا اصول تو اس آیۂ کریمہ کا مصداق تھا کہ وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ۔

دوسرا اصول یہ تھا کہ ضرورت اور موقع کے لحاظ سے فیاضیاں کرتی تھیں۔

چونکہ وہ فیاضی اور اسراف کے حدود کو اچھی طرح جانتی تھیں اسلئے ابتدائی چند سال کو مستثنےٰ کر کے اُن کو خزانۂ عامرہ اور فنانس حالت کی طرف سے کبھی تردد نہیں ہوا۔

عفو و درگذر سرکار عالیہ کی ان صفاتِ جمیلہ میں جن کا تعلق ذاتِ شاہانہ سے تھا، عفو و درگذر کی صفت ایسی کامل اور ایسی وسیع تھی کہ شاید ہی سلاطین اور فرمانرواؤں کی تاریخ میں کوئی اس کی نظیر ملے محل کے اندر یا متوسلین خاص کے ساتھ عفو و درگذر تو ایک عام بات تھی لیکن سیاستِ ملکی میں بھی گذشتہ ۲۵ سال میں کوئی ایک مثال ایسی نہیں ہے جس میں جذباتِ ترحم کا شمول نہ ہو۔ ایسی مثالیں البتہ موجود ہیں کہ خائن عہدہ داروں کے فیصلے کے وقت اس خیال سے کہ یہ شخص کل تک معزز تھا آج ذلیل ہو رہا ہے۔ اس کا خاندان خوشحالی و عزت کے ساتھ بسر کرتا تھا اب اُس کے بیوی بچے مصیبت و آلام میں مبتلا ہو جائیں گے۔ سرکار عالیہ نے سزا کو حد درجہ نرم کر دیا اور اکثر تو معافیٔ قصور اور چشم پوشی پر ہی اکتفا کی۔ اور اگر کوئی قدیم توسّل حاصل ہے تو مختلف طریقوں سے اُس کے خاندان کا لحاظ کیا ورنہ ریاستوں میں ایسے موقعوں پر ضبطیٔ جائداد اور سزائے جیل تو عام بات ہے۔

آزادیٔ رائے کی قدر سرکار عالیہ آزادیٔ رائے کی بے انتہا قدر کرتی تھیں۔ امورِ حکومت میں اُن کے مشیروں، عہدہ داروں اور رعایا کو آزادانہ اظہار رائے میں کوئی خیال مانع نہ تھا اور یہ امر واقعہ ہے کہ سرکار عالیہ نے ابتدا سے خود ہی یہ اسپرٹ پیدا کی تھی۔ بسا اوقات سرکار عالیہ نے اپنی رائے کو واپس لیا ہے اور مشیرانِ دولت یا عہدہ داروں کی رائے قبول کی ہے۔

سماجی اور قومی معاملات میں وہ نہایت صائب الرائے تھیں اور دوسروں کی راؤں کی

قدر و منزلت کرتی تھیں کسی فرد یا جماعت کی دل شکنی کے خیال سے کبھی اپنی رائے کو پوشیدہ نہیں رکھا اور جائز نکتہ چینی سے نہ خود بُرا مانا اور نہ اوروں کے حق میں اس سے دریغ کیا۔ لیکن کسی امر پر نکتہ چینی کرنے سے قبل اس کی تمام جزئیات اور اصل حالت پر عبور حاصل کر لیتی تھیں پیرایۂ بیان نہایت متین و سنجیدہ ہوتا تھا۔ دل شکن الفاظ سے تحریر و تقریر میں اجتناب رکھتی تھیں۔

علیگڈھ میں سرکار عالیہ نے متعدد تقریریں کیں جو قومی لٹریچر میں روح کا مرتبہ رکھتی ہیں ان میں سرکار عالیہ نے جہاں قومی کارکنوں کی تعریف و تحسین سے حوصلہ افزائی کی ہے وہاں آزادانہ نکتہ چینی سے ان کی خامیوں اور غلطیوں کی طرف بھی توجہ دلائی ۱۹۱۳ء میں جب سلطان جہاں منزل (دفتر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس) کی شاندار عمارت کا افتتاح فرمایا تو ایک معرکتہ الآرا افتتاحی تقریر فرمائی اور اس میں کانفرنس اور کانفرنس کے ساتھ کالج پر بھی نکتہ چینی کرتے ہوئے گراں قدر نصیحتیں کیں۔

نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی بھی اس موقع پر موجود تھے انھوں نے جلسہ ختم ہونے کے بعد سرکار عالیہ سے عرض کیا کہ

"حضور نے بالکل صحیح نکتہ چینی فرمائی کاش ہم حضور کی نصیحتوں پر کاربند ہوں"

لیکن اعیان کالج و کانفرنس کی ایک جماعت اس نکتہ چینی کا تحمل نہ کر سکی اور چند گھنٹوں کے بعد ایک ڈپوٹیشن کی شکل میں باریاب ہو کر انھوں نے عرض کیا کہ:۔

"علیا حضرت کے اعتراضات صحیح معلومات پر مبنی نہیں ہیں اور مناسب یہ ہے کہ اشاعت کے وقت تقریر سے اس حصہ کو خارج کر دیا جائے۔"

سرکار عالیہ نے جواب دیا کہ:۔

"یہ ناممکن ہے کہ میں اشاعت کے وقت اس حصہ کو خارج کر دوں جس کو میں نے مجمع عام میں کہا ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ اگر آپ مجھے مطمئن کر دیں کہ میری نکتہ چینی غلط ہے تو میں اس کے متعلق معذرت شائع کرنے کے لئے آمادہ ہوں"

انکسار سرکار عالیہ انتہائی منکسر المزاج تھیں اور ہر نئے ملنے والے پر سب سے پہلا اثر انکسار و سادگی ہی کا ہوتا تھا۔

نواب سکندر بیگم نے سرکار عالیہ کا نام "سلطان جہاں" رکھا تھا اور اسی نام سے وہ ہیں جہان میں مشہور ہوئیں اسی نام کا سکہ تمام دلوں پر قائم ہے لیکن خود سرکار عالیہ نے اپنا نام امتہ الرحمن[1] رکھا تھا اور پرائیوٹ خطوط کے لفافوں پر "اَلسُّلطَانُ اَمَتُہُ الرَّحمٰن" کا خوشخط طغرا بنوایا گیا تھا۔ بار بار فرمایا کرتی تھیں کہ :۔

"مجھے یہ نام بہت اچھا معلوم ہوتا ہے مگر افسوس کہ اب کوئی بزرگ ایسا نہیں ہے کہ مجھے اس نام سے پکارے۔"

تواضع و حفظ مراتب شاہانہ زندگی میں اگر تواضع اور منکسر المزاجی نمایاں ہو تو اس کو مافوق الفطر تصور کیا جاتا ہے مگر جس شخص کو سرکار عالیہ کا شرفِ حضوری حاصل ہوا ہے سب سے پہلے اُس کے قلب پر اس صفت محمود کا نقش قائم ہوا ہے۔

یہ تو معمولی بات تھی کہ سرکار عالیہ ہمیشہ سلام میں تقدیم فرماتی تھیں۔ گفتگو میں ہمیشہ مخاطب کا یا جس شخص کا ذکر کیا جائے اس کا حفظِ مراتب رکھتی تھیں حتیٰ کہ شدید اختلافِ رائے یا ناراضی کی صورت میں بھی حفظ مراتب کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نہیں نکلتا تھا جو فرماں روایان ملک کے لئے نہایت حیرت انگیز صفت ہے۔

رعب مگر باوجود سادگی و انکسار رعب کا یہ عالم تھا کہ دربار کے بڑے بڑے عہدہ دار اور اعزائے خاندان جو ہمیشہ شفقتوں کے خوگر تھے وہ بھی مرعوب ہی رہا کرتے تھے۔ اگر کبھی پسِ چلمن آواز سے آثار ناراضگی پائے جاتے تو چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگتی تھیں اور اس رعب کا یہ نتیجہ تھا کہ بڑے سے بڑا عہدہ دار بھی اپنے اختیارات کو نہایت احتیاط کے ساتھ عمل میں لاتا اور ہر وقت جواب دہی کے لئے تیار رہتا تھا۔

بے تعصبی سرکار عالیہ کا دلِ صفا منزل کدورتِ تعصب سے قطعی صاف تھا، ان کے پیشِ نظر ہمیشہ یہ حدیث شریف تھی کہ لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلیٰ عَصَبِیَّۃٍ وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِیَّۃً وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ مَّاتَ عَلیٰ عَصَبِیَّۃٍ چنانچہ انکی زندگی میں کوئی ایک مثال بھی

---

[1] رحمن کی کنیز۔

اسکے خلاف نہیں مل سکتی۔ بعض غیر مسلم والیانِ ملک سے اُن کے عزیزانہ تعلقات تھے بعض مشاہیر خواتین سے بہت خوشی کے ساتھ ملتی تھیں اور اُن کا احترام کرتی تھیں۔ مسز سروجنی نائڈو کے ساتھ تو خاص انس و شفقت تھی اور اکثر وہ اُن کی مہمانِ عزیز رہتی تھیں۔

ابتدا سے ریاست بھوپال کے ہر اعزازی طبقہ میں ہندو معززین کا نام موجود ہے ان کے ساتھ نہایت فیاضی کا برتاؤ ہوتا ہے۔ اُن کو تعلیم کے لئے وظائف دیئے جاتے ہیں۔ تمام درباروں اور اعزازی جلسوں میں شریک کئے جاتے ہیں اور کسی قسم کی قومی طرفداری جائز نہیں رکھی جاتی اور میزانِ عدل میں دونوں پلّے برابر رکھے جاتے ہیں۔ اکثر تقریروں میں دونوں کا ذکر ہوتا ہے مسلمانوں اور ہندوؤں کو باہم برادرانہ محبت کے برتاؤ کی نصیحت فرمائی جاتی ہے۔ اسی طرح عیسائیوں کے ساتھ رواداری اور الطاف کا برتاؤ ہے۔

بھوپال میں یہ بے تعصبی روایاتِ قدیم میں شامل ہے اس کی تاریخ میں مسلمان ہندو اور عیسائی شانہ بہ شانہ اور پہلو بہ پہلو ہیں اور ان میں اس درجہ اتفاق و اتحاد رہا ہے کہ وہ تاریخ بھوپال کا ایک روشن باب ہے۔

اُصولِ حفظانِ صحت اور پابندیِ وقت

سرکار عالیہ اس زمانہ سے جب کہ وہ سرکار خلد نشین نواب سکندر بیگم کی آغوشِ عطوفت میں پرورش اور تربیت پا رہی تھیں اصولِ صحت کی پابند بنائی گئیں اور یہ پابندی عہد سے لحد تک قائم رہی۔ یہی حالت پابندیِ اوقات کی تھی عالمِ وجود میں آنے کے ساتھ ہی نظامِ اوقات مرتب ہو گیا تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ اوائل عمر ہی سے وقت کو ایک قیمتی سرمایہ سمجھتی اور کبھی اس کو رائیگاں نہیں ہونے دیتی تھیں جس کام کے لئے جو وقت مقرر تھا اُسی پر صرف ہوتا تھا اور آج کو کل پر ملتوی نہیں کرتی تھیں۔ اگر کبھی اتفاقات عارض ہو جاتے تو جلد از جلد خواہ تکلیف ہی کیوں نہ اُٹھانی پڑے اُس کی تلافی فرما دیتیں۔

اصولِ حفظانِ صحت کے التزام اور وقت کی پابندی کا یہ اثر تھا کہ طبیعت محنت و مستعدی کی عادی ہو گئی تھی اور اس عمر میں ہر روز اس قدر محنت کے بعد دوسرے روز کے لئے ویسی ہی مستعد ہو جاتی تھیں۔ پھر جس طرح ان میں مختلف النوع قابلیتیں تھیں اُسی طرح اُن کے مشاغل

میں بھی تنوع تھا مگر سب اپنے وقت پر پورے ہو جاتے تھے۔

اوصافِ عسکری اس میں شک نہیں کہ سرکار عالیہ کو سپاہیانہ حیثیت سے اپنے موروثی اوصاف اور فطری استعداد کے ظاہر کرنے کا موقع نہیں ملا لیکن فوجی نظم ونسق پر جو توجہ تھی اور جن لوگوں نے فوجی ریویو کی حالتوں اور فوج کو مخاطب کر کے تقریریں کرتے دیکھا ہے اُن کو ان اوصاف کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ارضِ مقدس کے سفر میں جبکہ قافلہ پر بدّو آتش فشانی کر رہے تھے سرکار عالیہ عملاً میدانِ جنگ میں بھی شریک ہو چکی ہیں اور اس طرح محاذِ جنگ کا تجربہ بھی برائے العین حاصل کر لیا اور یہ موقع سب سے پہلے ہندوستانی والیانِ ملک میں صرف سرکار عالیہ ہی کو ملا۔ چنانچہ لارڈ منٹو نے بھی ۱۹۰۹ء میں اسٹیٹ ڈنر کی تقریر میں کہا تھا کہ:۔

> "یور ہائی نس! میں اس امر پر اظہار مبارکباد کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حال کے زمانۂ امن و امان میں آپ ہی ایک حکمراں ہیں جنھوں نے میدانِ کارزار بھی دیکھا ہے کیوں کہ مجھ کو ایسی اطلاع ملی ہے کہ سفرِ حجاز میں یور ہائی نس نے جبکہ آپ کا باڈی گارڈ آپ کا ہمرکاب تھا اعرابیوں کی ایک جماعت کو جو یکایک حملہ آور ہوئی تھی کچھ نقصان کے ساتھ پسپا کیا۔"

اگر اقتضائے عمر ہوتا اور حالاتِ ملکی اجازت دیتے تو یقیناً سرکار عالیہ محاربۂ عظیم کے زمانہ میں محاذِ جنگ پر تشریف لے جا کر اپنی عسکری قابلیت نمایاں کرتیں۔

سرکار عالیہ کو اگرچہ نشانہ بازی کی مشق نہیں رہی تھی کیونکہ سالہا سال سے اس شغل کو ترک کر دیا تھا تاہم ابتدائی مشق کا اثر اتنا ضرور موجود تھا کہ ۱۹۰۹ء میں لارڈ منٹو کی تشریف آوری کے موقع پر لیڈیز شوٹنگ میچ میں سرکار عالیہ شریک ہوئیں اور باوجودیکہ بُرقع ونقاب میں تھیں لیکن بجز لیڈی منٹو کے سب سے نشانہ بازی میں سبقت لے گئیں۔

محنت و مستعدی فطرت نے سرکار عالیہ کو محنت و مستعدی کا جو جوہر عنایت کیا تھا اُس کی مثالیں مختلف صورتوں میں نظر آتی ہیں، محل کے احاطہ میں۔ دربار کے ہال میں، امورِ ریاست کے انجام دینے میں، یورپ حجاز اور متعدد مرتبہ ہندوستان کے مختلف اقطاع کے سفر میں، شاہنشاہی درباروں، امپیرئل کانفرنسوں، قومی و ملکی مجمعوں اور

پھر پانچوں وقت اس فرض الٰہی کے انجام دینے میں جو تمام مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، سرکار عالیہ ہمیشہ مستعد اور سرگرم کار رہیں۔ ریاست کے دوروں میں سرکار عالیہ کی مستعدی ومحنت کا عجیب نظّارہ تھا۔ بعد نماز صبح کوچ فرماتیں اور ہر مقام پر پہنچ کر فوراً اجلاس شروع ہو جاتا اور اوقاتِ طعام ونماز کے علاوہ شب کے دس گیارہ بجے تک مستاجروں، جاگیرداروں اور دوسرے اشخاص کو شرف حضوری عطا کرنے، کاغذات کو سماعت فرمانے، دیہات کی عورتوں سے باتیں کرنے اور دَورے کے دوسرے ضروری کاموں میں مصروف رہتی تھیں وہ خود تحریر فرماتی ہیں کہ:۔

"مجھے اس سے بڑی تقویت تھی کہ میں ابتدا ہی سے محنت کی عادی تھی اور میں نے اپنے زمانہ ولیعہدی اور سرکار خلد مکاں کی ناراضی کے دنوں میں اپنے آپ کو آرام طلب نہیں بنالیا تھا جب میں نے ریاست کا کام شروع کیا تو نہ محنت سے گھبرائی اور نہ مجھے کوئی تکلیف ہوئی۔"

مشاغلِ علمی

مطالعہ سرکار عالیہ کے مشاغل میں سب سے زیادہ اور اہم مشغلہ مطالعہ تھا۔ خاص کمرے میں جہاں عموماً دن کا زیادہ حصّہ گذرتا کتابوں سے بھری ہوئی متعدد الماریاں تھیں۔ اس کمرہ میں مسندِ خاص کے اردگرد انگریزی، اُردو، فارسی وغیرہ کی متعدد کتابیں رکھی رہتی تھیں اور وہیں انگریزی اور اُردو کے مُوقّت الشیوع میگزین ورسائل اِدھر اُدھر رکھے رہتے تھے جن کو بلحاظِ فرصت مطالعہ فرماتی رہتی تھیں۔

مطالعہ کی قوت کا اندازہ اس بات سے ہوگا کہ جب آخری زمانہ میں سرکار عالیہ کی توجہ اُن بعض کتابوں کے تراجم کے متعلق مبذول ہوئی جن کو وقتاً فوقتاً منتخب کیا تھا تو (۶۰) سے زیادہ کتابو کے ترجمے کرائے جو ڈومیسٹک سائنس، ڈومیسٹک اکانومی، چائلڈ کلچر اور زچہ، پبلک اور بےبی ہیلتھ، بےبی ہُڈ، مدر کریفٹ، نرسری، گرل گائیڈنگ، لانڈری، بوٹانی، زیالاجی وغیرہ مضامین پر مشتمل ہیں اور جن کے ۷۰۴۶ مختلف سائز کے صفحات ہیں۔ کتابوں کے تراجم کو مترجمین بالاقساط پیش کرتے تھے اور سرکار عالیہ بالاستیعاب ان تمام تراجم کو ملاحظہ کرتے ہوئے جابجا نوٹس اور حواشی

کا اضافہ بھی فرمائی تھیں جن کے صفحات کی تعداد تقریباً ۳۰ ہزار کے قریب ہے۔

پھر سرکارِ عالیہ کی نظر نکتہ سنج اتنی عمیق تھی کہ مترجمین کے بعض فقرات کے ترجموں کی غلطی تک پر ریمارک فرمائے ہیں۔

درحقیقت مطالعہ ہی سے علم حاصل ہوتا ہے۔ سرکارِ عالیہ کی قابلِ مثال قابلیت بھی زیادہ تر مطالعہ ہی کا ثمرِ خوشگوار تھی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ باقاعدہ تعلیم ختم کر دینے کے بعد سے انھوں نے مطالعہ کو مشغلۂ زندگی بنا لیا تھا۔

ولیعہدی کے زمانہ میں بھی یہی مطالعہ جلیس و رفیق تھا جس کے روشن نتائج دورِ حکومت میں نمایاں ہوئے اور اُس دَور کے بعد جو مطالعہ جاری رہا اُس کے اثرات ہر مرحلۂ حکمرانی اور منزلِ زندگانی میں نمایاں ہیں۔

کتب خانہ کتابوں کے ساتھ انتہائی شغف و شیفتگی تھی۔ اکثر تازہ فہرستیں دیکھکر خود ہی انتخاب فرماتیں یا متعلقہ عہدہ دار منتخبہ کتب کی یادداشت پیش کرتے اور وہ فوراً طلب کرلی جاتیں یا اگر اثنائے گفتگو یا کسی کتاب کے مطالعہ میں کسی کتاب کا حوالہ یا تذکرہ آجاتا تو وہ طلب کرلی جاتی۔

جب کوئی کتاب یا مضمون لکھنے کا ارادہ ہوتا تو جن کتابوں سے بھی اس میں مدد مل سکتی جمع کی جاتیں۔ غرض قصرِ سلطانی کا کتب خانہ بیش بہا اور نایاب کتابوں کا خزانہ بن گیا متعدد وسیع کمرے مختلف مضامین و علوم اور مختلف زبانوں کی کتابوں کی الماریوں سے بھر گئے۔ اگرچہ کتب خانہ کی فہرست مرتب رہتی تھی، دو عہدہ دار بھی اُس کے انچارج تھے لیکن پھر بھی ذاتی نگرانی قائم رہتی اور اسی وجہ سے کتب خانہ محل خاص کے اندر رکھا تھا۔

ابتدائے عمر سے کتابیں جمع کرنے اور ان کو بحفاظت رکھنے کا شوق تھا چنانچہ بدوِ شعور میں جن کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور متاہل زندگی میں جو جلیس و رفیق تھیں وہ آخر تک کتب خانہ میں محفوظ تھیں مؤلفِ سوانح کو ان میں سے اکثر کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جس کے حاشیوں پر کوئی نہ کوئی یادداشت یا کوئی خیال جو دورانِ مطالعہ میں پیدا ہوا تھا لکھا ہوا نہ پایا گیا ہو۔

ترجمہ بعض ایسی انگریزی کتابوں کا جس کے موضوع سے خاص دلچسپی ہوتی بہ نفسِ نفیس ترجمہ فرماتی

تھیں لیکن لغت دیکھنے کی زحمت گوارا نہ تھی کوئی فقرہ اگر سمجھ میں نہ آیا کسی لفظ کے معنی معلوم نہ ہوئے تو کسی انگریزی داں خاتون سے سمجھ لیا کرتی تھیں، دورانِ ترجمہ میں جو خیالات پیدا ہوتے تھے ان کو بھی ساتھ ہی ساتھ قلم بند کرتی جاتی تھیں۔

بعض مرتبہ کوئی کتاب کسی ترجمہ کے لئے عطا کی اور جب کچھ اوراق کا ترجمہ پیش ہوا تو اس کو واپس طلب کر لیا اور خود ترجمہ شروع کر دیا مثلاً سلسلۂ ترجمہ میں ایک موقع پر تحریر فرماتی ہیں کہ :۔

محمدّ امین !

ولی محمد صاحب کا ترجمہ دیکھا، جو ڈومیسٹک سائنس ریڈر ششم کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ کتاب میری دلچسپی کی ہے اور اس کا ترجمہ میں خود کرنا چاہتی ہوں امید ہے کہ اس میں بہت سی باتیں بڑھا کر ہندوستان کے واسطے اس کو بہت موزوں بنا سکوں گی، اُن کے واسطے دوسری کتاب بھیجتی ہوں ترجمہ کے لئے امتحاناً دیدیجئے جب اس کا بھی ترجمہ دیکھ لوں گی اس وقت اپنی رائے قائم کر سکوں گی کہ یہ صاحب ترجمہ کے واسطے کس قدر موزوں ہیں شب کو کتاب ان سے منگا رکھئے علی الصبح یہ چھٹی ریڈر میرے نزدیک بھیجدی جائے۔ تاکہ میں اپنا کام شروع کروں جب یہ کتاب میرے ہاتھ میں آجائے گی میں دوسری کتاب تمہارے نزدیک بھیجدوں گی۔"

تصنیف و تالیف[۵۱]

اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو بہت کم حکمران ایسے نظر آئیں گے جن کے نام کے ساتھ "مصنّف" کا پُرفخر لقب شامل ہو کیوں کہ "مسندِ شاہی" شغلِ تصنیف و تالیف کے لئے وضع نہیں ہوئی ہے اور جو دماغ سیاست کی گتھیاں سُلجھانے اور حکمرانی کے پیچیدہ مسائل

---

[۵۱] یہ مضمون مؤلف سوانح کی درخواست پر مولوی محمد مہدی صاحب نے لکھا تھا جن کو عرصہ دراز تک وہ تاریخ میں نائب مہتمم رہنے کے باعث سرکار عالیہ کی سلسلہ تصنیف و تالیف میں خدمات انجام دینے کا موقع ملا۔

حل کرنے میں مصروف رہتا ہو اُس کے لئے علمی کام اُسی قدر صعب و مشکل ہے جس قدر تلوار کے لئے قلم کا کام۔ دونوں اقلیموں (علمی و سیاسی) کی فرماں روائی وہی دماغ کر سکتا ہے جس میں قدرت نے غیر معمولی قوت ودیعت فرمائی ہو۔

یہاں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تصنیف و تالیف سے یہی مُراد نہیں ہے کہ ہر قسم کی رطب و یابس جمع کر کے ایک کتاب مرتب کر دی جائے یہ تو ایسا آسان کام ہے جو ایک معمولی استعداد کا آدمی بھی انجام دے سکتا ہے بلکہ تصنیف و تالیف کا اطلاق اُسی پر صادق آتا ہے جس میں مصنّف کا دماغ صرف ہوا ہو کل مضامین تحقیق و تنقید کے بعد حسن قابلیت سے ترتیب دیئے گئے ہوں اور کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے امتیازی درجہ رکھتی ہو۔ علیاحضرت کو زمرۂ مُصنّفین میں جو ممتاز جگہ دی گئی ہے وہ ان ہی خصوصیات کی بنا پر ہے اور یہی امر قابل حیرت ہے کہ مُلکداری کے اہم ترین فرائض میں کامل مصروفیتوں کے باوجود بھی علیاحضرت نے فرائض تصنیف و تالیف میں اُسی اعلیٰ قابلیت کا ثبوت دیا جس قابلیت نے حکمرانی کی صنف میں ان کو درجہ امتیاز بخشا ہے۔ اس اعتبار سے کوئی حکمران مصنف علیاحضرت کے مقابلہ میں نہیں لایا جا سکتا اور بہ لحاظ کثرت تصانیف کسی حکمران مصنّف کا نام تاریخ کی ضخیم جلدیں نہیں پیش کر سکتیں۔

اگر صنفِ اُناث پر نظر کی جائے تو کسی ملک اور قوم کی تاریخ فرماں روا خواتین میں ایسی صاحبِ تصنیف خاتون کا نام پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ فخر بھوپال ہی کی تاریخ کو حاصل ہے جس میں مسلسل دو بیگمات صاحبِ تصنیف ہوئی ہیں۔ پہلی سرکار خلد مکاں نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ بالقابہا اور دوسری ان کی لائق و مفتخر جانشین علیاحضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ اعلیٰ اللہ مقامہا لیکن ان دونوں فخر نسواں بیگمات میں ایک بہت بڑا فرق ہے سرکار خلد مکاں کا تصنیف و تالیف مستقل مشغلہ نہ تھا لیکن علیاحضرت کی علمی و سیاسی زندگی مساوی حیثیت رکھتی ہے اور تصنیف و تالیف علیاحضرت کے مشاغل کا ایک لازمی جزو رہا یہ رسم بھی علیاحضرت ہی کی ایجاد ہے کہ ہر سالگرہ یوم ولادت اور یوم مسند نشینی کے موقع پر حکام وارکین ریاست اور خواتین کو ایک علمی تحفہ تقسیم فرمایا جاتا جس میں عموماً خود علیاحضرت

ہی کی ایک دو تصانیف ہوتیں۔ اس طرح ہر سال اردو لٹریچر میں ایک ایک مفید و قابل قدر اضافہ ہو جاتا۔

علیا حضرت کی سب سے پہلی تصنیف رَوضَۃُ الرَّیَاحِین (سفرنامہ حجاز) ہے جو حج سے واپسی کے بعد مرتب ہو کر شایع ہوئی۔ اس کے بعد جب سے آج تک (۲۷) برس کے قلیل عرصہ میں (۴۳) کتابیں جن میں ہر کتاب اپنے موضوع میں بہترین تصنیف ہے حلیہ طبع سے آراستہ ہو کر شایع ہو چکی ہیں جن کے مجموعی صفحات آٹھ ہزار سے زیادہ ہوتے ہیں ہندوستانی خواتین میں بعض بہت اچھی لکھنے والی ہیں اور اُنھوں نے اپنے مضامین اور تصنیف و تالیف سے مُلکی بہنوں کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ لیکن جس خاتون نے سب سے زیادہ اور خواتین کے لئے مفید و کار آمد لٹریچر کا اُردو میں اضافہ کیا وہ عُلیا حضرت ہی کی ذاتِ بابرکات ہے۔

طریقہ تصنیف و تالیف اس میں شک نہیں کہ ایک ایسی حکمران خاتون کے لئے جو فرائض حکمرانی کو کامل مصروفیت و توجہ کے ساتھ انجام دے تصنیف و تالیف کا کام نہایت مشکل اور بظاہر غیر ممکن ہے لیکن اُس خاتون کے لئے کوئی مشکل نہیں جس کو مبداء فیاض سے غیر معمولی دل و دماغ عطا ہوا ہو۔ علیا حضرت قدرتِ خداوندی کا ایک عجیب و غریب نمونہ تھیں حضور ممدوحہ جس طرح سیاست و حکمرانی کی اعلیٰ قابلیت لیکر پیدا ہوئی تھیں اُسی طرح قدرت نے تصنیف و تالیف کا امتیازی وصف بھی عطا فرمایا جس میں کسی کام کا جوہر طبعی ہوتا ہے وہ ظاہر و نمایاں ہوئے بغیر نہیں رہتا اس لئے غیر ممکن تھا کہ علیا حضرت جو بیدار مغزی، علم و فضل اور بصیرت میں شانِ امتیاز رکھتی تھیں اس جوہر سے کام نہ لیتیں۔ اگرچہ دفتر تاریخ سے تصنیف و تالیف میں امداد لی جاتی تھی لیکن اُس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ جو کسی مصنف کے معاون شاگردوں کی ہوتی ہے۔ موضوع خود علیا حضرت متعین فرماتی تھیں اور دفتر تاریخ کا یہ فرض ہوتا کہ وہ مواد جس کا حکم دیا جائے فراہم کرے مثلاً اگر علیا حضرت نے بھوپال کے کسی سابق حکمراں کی سوانح تالیف فرمانی چاہی تو دفتر تاریخ کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ پُرانے کاغذات اور اسناد تلاش کر کے

اور مسلوں سے واقعات کا اقتباس کر کے علیا حضرت کی روبکاری میں پیش کر دے۔ پھر علیا حضرت اُس حصہ کو تحریر فرمائیں جو اصل تصنیف یا تالیف ہوتا ہے اگر کسی کتاب میں انگریزی کتابوں سے اقتباس کی ضرورت ہوتی تو خود علیا حضرت پوری کتاب یا اُس کے بعض مقامات متعین فرما دیتیں، اُن کا ترجمہ پیش کر دیا جاتا۔ بعض اوقات خود ہی پوری کتاب کا ترجمہ کر لیتیں اور اپنے خیالات قلمبند فرمائی جاتیں۔

کتاب کا ابتدائی مسودہ صاف ہو کر پھر علیا حضرت کی خدمت میں پیش کیا جاتا اُسے علیا حضرت ملاحظہ فرمائیں اور اثنائے ملاحظہ میں جو نئے خیالات ذہن میں آتے یا کچھ اضافہ مقصود ہوتا وہ مقابل کے کالم پر قلمبند فرمائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ نظر ثانی میں کئی کئی کالم بڑھ جاتے۔ یہ بات خاص طور پر قابل بیان ہے کہ علیا حضرت جو کچھ تحریر فرمائیں وہ قلم برداشتہ ہوتا اور بہت جلد مسودہ ترمیم فرما کر واپس فرما دیتیں۔ دفتر تاریخ میں عموماً دو ہی تین روز کے بعد مسودہ ترمیم و اضافہ ہو کر واپس آجاتا۔ یہ اصلاح شدہ مسودہ پھر دوسری مرتبہ صاف ہو کر روبکاری میں بھیجا جاتا علیا حضرت پھر نہایت غور سے ملاحظہ فرمائیں اور جو الفاظ یا جملے نامناسب یا سُست نظر آتے ان کی اصلاح و درستی فرمائیں۔ حتیٰ کہ کتابت کی جزئی و معمولی غلطیاں بھی نظر سے نہ بچ سکتیں غرض یہ مسودہ آخری مرتبہ صاف ہو کر مطبع بھیجدیا جاتا۔

بعض اوقات مسودہ مکمل ہو جانے کے بعد اس موضوع میں خاص قابلیت رکھنے والے اصحاب کے پاس بغرض تنقید بھیجا جاتا اور پھر علیا حضرت اُن کی آزادانہ تنقید پر غور فرمائیں اگر اعتراض و تنقید قابلِ قبول ہوتی تو اُس کے مطابق مسودہ کی اصلاح کر دیتیں ورنہ اپنی رائے پر قائم رہتیں اور اس کو بزورِ دلائل تسلیم کرائیں۔ ایسے مباحث نہایت پُر لطف ہوتے۔

ان واقعات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ علیا حضرت کی تصانیف کا عام رُوساء و امراء کی تصانیف سے کس قدر بلند درجہ ہے۔

درجہ تصانیف | علیا حضرت کی کُل تصانیف پر اگر تفصیلی ریویو کیا جائے تو یہ مضمون

---

[1] ایسی متعدد کتابوں کے ترجمے دفتر ریاست میں محفوظ ہیں۔

ایک اچھا خاصا رسالہ ہوجائے گا۔ ان کتابوں کی بلند پائگی کا کچھ اندازہ ان تبصرات سے ہوسکتا ہے جو ملک کے مشہور فضلا، اور ناقدین فن مولانا ابوالکلام صاحب آزاد، مولوی عبدالماجد صاحب بی۔اے، مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو اور مولوی عبدالسلام صاحب ندوی کے اخبارات ورسائل میں چھپ چکے ہیں۔ اس لئے ہم صرف اجمالی تبصرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

یوں تو ہندوستان میں کتابیں لکھنے والے بہت ہیں لیکن اپنی کتاب نہایت سلیقہ مندی اور دقیقہ سنجی سے تمام شرائط تصنیف وتالیف ملحوظ رکھکر مرتب کرنے والے گنتی کے چند ہی مُصنّف ہیں۔ ان ہی میں سے ایک علیا حضرت نواب سُلطان جہاں بیگم صاحبہ بالقابہا کا نامِ نامی بھی ہے۔ حضور ممدوحہ کی کُل کتابیں تصنیف وتالیف کے مشکل فن میں کمال تجربہ کاری کا بہترین نمونہ ہیں۔ خوبی وصفائی سے خیالات ادا کرنے کی قابلیت بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے علیا حضرت اس خصوصیت میں بھی مُلک کے کسی مشہور مُصنّف سے کم نہیں ہیں علیا حضرت ہر مضمون اور ہر مطلب کو جیسے شُستہ اور دل نشین پیرایہ میں ادا فرماتیں۔ اس کی نظیر مُلک کی دیگر مصنف خواتین میں مشکل سے ملے گی۔ علیا حضرت کی ہر تصنیف حشو و زوائد سے پاک اور صرف مفید اور کام کی باتوں پر حاوی ہے۔ علیا حضرت کو علاوہ مذہب کے حفظانِ صحت میں ماہرِ فن کا درجہ حاصل تھا اور اس موضوع پر علیا حضرت نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں وہ مُلک میں بے حد مقبول ہوچکی ہیں۔ پنجاب۔ بنگال، پونہ اور حیدرآباد دکن کے سررشتہ تعلیم نے تندرستی اور بچوں کی پرورش وغیرہ کتب انعامی میں داخل کیں۔

تعلیم پر علیا حضرت نے اپنے لکچروں میں جن بیش بہا اور قابل قدر خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ اس پیچیدہ اور نازک مسئلہ پر مکمل ہدایت نامہ ہیں۔

فنِ تربیت وتدبیرِ منزل وہ فن ہے جس پر علیا حضرت نے خاص طور پر توجہ فرمائی اور اپنے سالہا سال کے تجربہ اور غور وفکر کے بعد ایک نہایت مبسوط کتاب چار حصّوں میں تصنیف کی۔ ہدیۃ الزوجین اور حفظِ صحت اس کتاب کے دو ابتدائی اجزا ہیں۔ اور دو آخری حصّے معیشت ومعاشرت کے نام سے موسوم ہیں۔ اس موضوع پر اُردو میں اس قدر جامع، کثیر المعلومات اور موجودہ ضروریات پر حاوی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ علیا حضرت کی تصانیف کی ایک بڑی

خصوصیت یہ بھی ہے کہ خشک اور روکھے پھیکے مضامین اس قدر دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں جس سے زیادہ کسی قادر الکلام مصنف سے ممکن نہیں ہے۔

خلاصہ مافی الباب یہ ہے کہ علیا حضرت کو تصنیف و تالیف میں جو مرتبہ حاصل ہے وہ ملک کے کسی مشہور مصنف سے کم نہیں ہے۔ اور صنف اناث میں کسی خاتون کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے۔"

مولانا ابوالکلام آزاد کا تاثر

ہندوستان کے مشہور خطیب و ادیب مولانا ابوالکلام آزاد نے سرکار عالیہ کے مذاق علمی اور مشغلہ تصنیف و تالیف کے متعلق تاریخی واقعات کے ساتھ نہایت زبردست تبصرہ کیا ہے جس میں لکھتے ہیں کہ :۔

"لیکن انقلاب کا یہ کیسا درد انگیز منظر ہے کہ جس قوم نے تلوار کے سائے اور تخت کی خود فراموشیوں میں بھی حیاتِ علمی بسر کی ہو آج اس کے مدارس و جوامع کے صحن اور علم و فن کی مجالس ذوق علمی سے خالی ہوں اور ایوان و دربار سے کیا امید کیجئے کہ خود ہمارے مدرسے اور دار العلوم ہی مصنف پیدا کرنے سے عاجز ہو گئے۔

لیکن الحمد للہ کہ ایک نظیر موجودہ عالم اسلامی میں ایسی موجود ہے جو ریاست و ملک رانی کے ساتھ شوق علم اور ذوقِ تصنیف و تالیف کو بھی جمع کرتی ہے اور مزید برآں یہ کہ وہ صنفِ رجال میں سے نہیں ہے جس کو اپنے تقدم کا ہمیشہ غرور بیجا رہا ہے بلکہ اس صنفِ اناث میں سے ہے جس کو دماغی اور ذہنی اشغال سے ہمیشہ معذور سمجھا گیا ہے اور اگر فی الحقیقت ایسی ہی چند مثالیں ہر دور میں ملتی رہیں تو بقول فضلت النساءُ علی الرجال یہ وجود گرامی آج نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلامی کے لئے موجب صد افتخار ہے۔ حضور عالیہ کی ذاتی قابلیت و لیاقت قوتِ تدبیر و نظمِ ریاست، سیاست دانی و کار فرمائی۔ جوشِ مذہبی و اسلام خواہی، علم پروری اور جود و سخا اعمال خیریہ و کارہائے حسنہ ایسے اوصاف جلیلہ و عظیمہ ہیں جن میں سے ہر ایک وصف بجائے خود کسی انسان کے شرف و امتیاز کے لئے بہترین وظیفہ ہو سکتا ہے ان سب پر مستزاد یہ کہ وہ بحیثیت ایک مصنفہ اور اہل قلم کے بھی جلوہ افروز ہیں اور مسلسل متعدد و مفید کتابیں ان کی تالیفات میں سے چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ ہر کام کی قیمت اس کے عوارض اور اضافی حالات کی نسبت سے قرار دی جاتی ہے۔ اگر ایک

فقید علم مدرسہ و خانقاہ کے حجرہ میں بیٹھکر دُنیا کے تمام تفکرات و تردّدات سے قطع تعلق کرکے تصنیف و تالیف میں مصروف ہے تو اس کے اشغال علمیہ کے نتائج جس قدر اعلیٰ و اکمل ہوں ہونے ہی چاہئیں وَلِکُلِّ فنٍّ رجالٌ لیکن ایک فرماں روائے ریاست لاکھوں مخلوقات الٰہی کی نگرانی و خدمت گذاری اور ایک پورے خطہ ارضی کے نظم و ارادہ کے ساتھ اگر ایک صفحہ بھی تالیف کرکے پیش کر دے تو ہزار درجہ اس سے کہیں زیادہ موجب استحسان و شرف و احترام ہے۔ حق یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی یہ ایک بہت بڑی بخشش و توفیق ہے جو فرماں روائے بھوپال کو مرحمت ہوئی ہے۔ دولت و قوت کو اگر ایک بانیت الٰہی کی خدمت اور مرضات الٰہیہ کی راہ میں خرچ کیا جائے اور جس خوش طالع کو امارت و ریاست کے ساتھ اس کے استعمال صمیم کی بھی قابلیت عطا ہو اُس سے بڑھ کر اس آسمان کے نیچے کوئی خوش بخت نہیں شب زندہ دار صائم الدہر اور دائم نوافل گذار ہوں مجاہدین فی سبیل اللہ جو اپنے نفوس کو حفظ کلمۂ حق و صداقت کی راہ میں قربان کریں علمائے شریعت و صوفیائے طریقت جو اپنی خدماتِ علم و تفقہ اور ارشاد و ہدایت سے خلق اللہ کو سعادت اندوز فرمائیں۔ یہ سب کے سب بھی ان مدارجِ عالیہ اور فضائلِ الٰہیہ سے محروم ہیں۔

پس اصل یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ نے سرکار عالیہ کو خدمت ملک و ملت کی توفیق مرحمت فرمائی ہے تو اس کے لئے قوم کو جتنا اُن کا شکر گذار ہونا چاہیئے اس سے کہیں زیادہ اُن کو اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہونا چاہیئے۔

مقصد و جذبۂ تصنیفی یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہر اہلِ قلم اور ہر مصنّف و مؤلّف کسی خاص مقصد کو پیش نظر رکھ کر اور کسی خاص جذبہ سے متاثر ہو کر تصنیف و تالیف کے لئے آمادہ ہوتا، محنت کرتا، اور قلم اُٹھاتا ہے۔ اسی فطری قاعدہ کے مطابق سرکار عالیہ کے مشغلۂ تصنیف و تالیف میں للّٰہیت اور خالص قومی و مذہبی اور انسانی ہمدردی کا مقصد و جذبہ کار فرما تھا وہ اس کو رفاہِ عام اور اجر و ثواب کا کام سمجھ کر محنت کرتی تھیں۔ بھوپال میں طاعون پھیلا ہوا ہو حضور محدوحہ پریشان ہیں۔ اور رعایا کی تکالیف سے بے چین ہو کر دعائیں کرتی ہیں کبھی کبھی مطالعہ کتب سے دل بہلانے لگتی ہیں کہ اسی ضمن میں ایک تصنیف کا خیال پیدا ہوتا ہے اور فوراً قلم اُٹھا کر ابواب و عنوانات

کی تقسیم اور خاکہ مُرتب فرما کر مؤلف سوانح کو اس طرح ہدایت صادر فرماتی ہیں کہ :۔

"واقعی اس وقت بوجہ پلیگ کے رعایا پریشان ہے۔ اور ان کی پریشانی سے ممکن نہیں کہ ہم کو اثر نہ ہو ایسے وقت میں تم بھی ضرور پریشان ہو گے لیکن ایسے اوقات میں طبیعت کی پریشانی دُور کرنے کو کوئی شغل ضرور ہے غرض ایسے ہی خیالات سے اکثر کتابیں دیکھتی رہتی ہوں یہ ایک کتاب اخلاقی تعلیم کی میرے ہاتھ میں تھی۔ اس میں دیکھکر یہ چند فصلیں لکھ دی گئیں۔ بعض مولوی صاحبان اور ڈاکٹر صاحبان سے مدد لینا ہوگا یقین ہے کہ بہت سی کتب دیکھنا ہوگا لیکن یہ قومی خدمت ہے اور اپنے اغراض بھی اس میں شامل ہیں خدا تعالیٰ تا حیات میرے، میرے خیر خواہان اور اولاد کو اور اُن کی اولاد کو زندہ رکھے اور جلد مرض کو دُور کرے۔"

اِسی طرح ایک اور موقع پر تحریر فرماتی ہیں کہ :۔

جب ریاست کے کاموں سے اور تمام انتظامات کے غور و فکر سے طبیعت میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے تو یہ شغلہ بہبودیٔ صنفِ نازک باعث ہماری راحت و آرام کا ہوتا ہے۔"

تصنیف و تالیف کا موضوع

سرکار عالیہ کا موضوع زیادہ تر مذہب، اخلاق حفظانِ صحت اور تدبیر منزل تھا۔ اس کے علاوہ ریاست کے ارتقا کی تاریخ یعنی اپنی زندگی اور حکومت کے حالات بھی کئی جلدوں میں مرتب فرمائے اور اپنے والدین محترمین اور جدّہ معظمہ نواب قدسیہ بیگم کی سوانح عمریاں خود تالیف کیں اور نواب سکندر بیگم (خلد نشیں) کی سوانحعمری کی تالیف میں شریک رہیں۔

باغات اور فنِ باغبانی کی دل چسپی کے لحاظ سے اس موضوع پر بھی دُو رسالے مرتب فرمائے۔ غرض مذہب، اخلاق حفظانِ صحت اور سیرت و تاریخ وغیرہ پر کم و بیش تیس سال میں پچاس کتابیں مؤلفہ و مُصنّفہ ہیں۔ جن میں سے بعض نظرِ ثانی نہ ہو سکنے کی وجہ سے شایع نہ ہو سکیں۔

ذاتی تصنیف و تالیف کے علاوہ ایسے دوسرے مصنّفین و مؤلفین کے مسودات بھی بنظرِ تنقید ملاحظہ فرماتیں جو اُن کی طباعت کے لئے درخواست کرتے یا خود سرکار عالیہ موضوع معیّن فرما کر تالیف و تصنیف کی ہدایت کرتیں، اور ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں۔

۱۲ دسمبر سنہ ۲۶ء

محمد امین صاحب

ولی محمد صاحب کا ترجمہ دیکھا جو ڈومسٹک سائنس [illegible] کا ہے

میرا خیال ہے یہ کتاب میری دلچسپی کی ہے اور اسکا ترجمہ میں خود کرنا چاہتی ہوں

[illegible] امید ہے کہ میں اسمیں بہت سی باتیں بڑھا کر ہندوستان کے واسطے اسکو

[illegible] موزوں بنا سکونگی انکے واسطے دوسری کتاب بھیجی ترجمہ کے واسطے انکو امتحاناً

دیدیجیے جب اوسکا بھی ترجمہ دیکھ لونگی اوسوقت اپنی رائے قائم کرسکونگی کہ یہ

صاحب ترجمہ کے واسطے کسقدر موزوں ہیں شاید کو کتاب الی منگا رکھی ہے

علی الصباح یہ چٹھی رپورٹ میری نزدیک بھیجی جاتی تاکہ میں اپنا کام شروع کرو

جب یہ کتاب میری ہاتھ میں آجائیگی میں دوسری کتاب تمہاری نزدیک بھیجدونگی

تاکہ تم ولی محمد صاحب کو ترجمہ کرنے کو دیدو

سلطان

میں تقلید بغیر انجام سوچے کرنا مصیبت میں ڈالتا ہے مثلاً اب ہماری خواتین نے کرتی
تہمد کو خیرباد کہہ دیا ہے اور لیس وغیرہ کپڑوں میں لگاتی ہیں جو واقعی بہت
سادگی پیدا کرتا ہے خوبصورت معلوم ہوتا ہے انسانی طبیعت ہی ایسے واقع ہوئی
ہے وہ ہر جدید چیز کو پسند کرتا ہے لیکن اگر ذرا گہری نظر سے دیکھیں ہماری خواتین
لگاکر ان کی اس تقلید میں بجز اپنے ملک اور خود کے نقصان کے کوئی فایدہ
نہیں ہوتا گوتہ تہمد پرانا ہوکر بھی کچھ نہ کچھ وصول کر دیتا ہے لیکن لیس وغیرہ
کے لیس پرانا ہوا اور کوڑے کی طرح پھینکنے کے قابل ہوگیا دوسرے اپنے ملک کی کمائی
دوسرے ملک جاتی ہے ایسے تقلید دان سے اور ہر ور ہندوستان کی صنعت
کم ہوتی جاتی ہیں کم ہوتا کیسے برباد ہوگئیں لباس میں بھی یہی حال ہے
میرا اس لکھنے سے یہ مطلب نہیں کہ دوسرے ملکوں کی چیزیں نہ خریدی جائیں
وہ بھی بنی نوع انسان کی بنائی ہوئی ہیں اگر اونکا فایدہ سمجھو تو اپنے ہی
جنس کو پہنچتا ہے لیکن ان خواتین بہنے خواہش بعد کا درد لیکن تھوڑی نظر عمیق
ڈالو اور خیال کرو ہماری بوڑھیں بیدنیر ہی تمہاری تقلید کرتی ہیں اونہوں نے
بھی گوتہ تہمد کو وہ مروج دیا جو تمہارے لیس وغیرہ کا طبقوں میں ہوگیا کیوں مروج
نہیں دیا اپنی وضع داری کو نہ چھوڑا اپنی قوم کے مفاد کی پالیسی نظر رکھا تفرقہ پیدا ہونے میں

صفحہ مسودہ کتاب زیر تصنیف قلمی خاص سرکار عالیہ

تعریض سے احتراز سرکار عالیہ نے ہمیشہ اپنی تصنیف و تالیف اور تحریر و تقریر میں بدرجۂ غایت اس امر کو ملحوظ رکھا کہ اشارۃً وکنایتہً زبان و قلم سے بھی کوئی ایسا جملہ نہ نکلے جس سے دوسرے کے احساسات مجروح ہوں اگر کسی اعتراض یا تعریض کا موقع آیا یا الزامی جواب ناگزیر ہو گیا تو نہایت لطیف پیرایہ میں اس کو ادا کرتی تھیں اور ہر شخص سے اسی بات کی متوقع رہتی تھیں، چنانچہ ایک مرتبہ زہرہ بیگم فیضی صاحب نے اپنی ایک تصنیف "سرگذشت" ہدیتہً پیش کی اور اس پر رائے چاہی اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تحریر فرماتی ہیں کہ :-

"اب میں آپ کو اپنی رائے سے اطلاع دیتی ہوں جس کی آپ نے اپنے خط میں خواہش کی ہے کہ آپ کی کتاب کی نسبت میری کیا رائے ہے۔

۱- میں نے آپ کی کُل کتاب کو پڑھ لیا ہے جو کچھ آپ نے اس جنس کی نسبت لکھا ہے بجا اور دُرست ہے لیکن بے نتیجہ مُردہ بدست زندہ۔ ساتھ ساتھ آپ کو اس کے وجوہات بھی بتانے چاہیئے تھے کہ کیوں ہندوستان کی عورتوں کی اور ہندوستان کی مسلمان عورتوں کی ایسی حالت ہو گئی اگر چند ورق اس کتاب میں وجوہات کے بھی ہوتے تو انسب تھا۔

۲- خواتین کا صاف نام و پتہ لکھا ہونا کیوں غریب مجبوروں کی دل شکنی کرنا کہاں تک دُرست ہے۔

۳- نام لکھنے سے آپ کی نسبت یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ آپ گھروں میں جا کر شرفا کے حالات کو پبلک میں پیش کرتی ہیں تمثیلاً شروع کتاب میں آپ نے ایک خاتون کے موٹاپے کی ہجو کر کے تصویر کھینچی ہے یہ کس قدر نامناسب ہے اس میں اس کا کیا قصور یہ تو بنانے والے پر اعتراض ہے میں آپ کی سچی دوست ہوں اس لئے اپنے خیالات کا آپ پر اظہار کرنا اپنا فرض سمجھی۔ اگر آپ مجھے اس کتاب کو پہلے سے بتاتیں تو میں ضرور اصلاح کر دیتی۔ چند کتابیں میں آپ کو انگریزی کی بھیجتی ہوں کہ عورتوں کی زیادہ آزادی سے یورپ کے لوگ کس قدر متاثر ہو گئے ہیں۔"

شان و روشِ خط سرکار عالیہ کے تعلیمی نظام الاوقات میں اگرچہ خوش خطی کی مشق لازمی رکھی گئی تھی لیکن قبل اس کے کہ خط میں پختگی اور خوبی آئے اس مشق کا سلسلہ

ختم ہوگیا جس کا ہمیشہ افسوس کیا کرتی تھیں تاہم کثرتِ کتابت کی وجہ سے خام بھی نہ رہا اور اس نے ایک خاص روش وشان اختیار کرلی۔ البتہ عبارت نقطوں اور مرکز سے عموماً معرا ہوتی تھی اور اس کی وجہ محض یہی تھی کہ قلم کی رفتار خیالات کی رَو کا ساتھ نہ دے سکتی تھی اور یہی سبب تھا کہ کہیں کہیں ترجموں اور مضامین وغیرہ میں الفاظ بھی رہ جاتے تھے مگر اس طرح نہیں کہ مطلب خبط ہو جائے۔

مصروفیاتِ عمرانی

انتظام جاگیر سرکار عالیہ جب فرماں روا ہوئیں تو زمانہ ولی عہدی اور ڈیوڑھی خاص کی جاگیر خالصہ میں شامل کرکے مصارف شاہی کے لئے نقد رقم مقرر کرلی۔ لیکن دست برداری کے وقت وہی جاگیر ڈیوڑھی خاص میں واپس لے لی۔ اور اس کے انتظام اور زراعت پیشہ رعایا کی فلاح وترقی میں مختلف طریقوں سے ذاتی دلچسپی کا اظہار فرماتی رہیں۔ اسی غرض سے دیہات جاگیر میں متعدد اقسام کے فارم قائم کئے کیٹل فارم پر خاص توجہ تھی۔ چنانچہ ایک فارم میں عمدہ نسل کی منٹوگائیں داخل کی گئیں۔

آب پاشی سے بھی شوق تھا اور اس کے وسائل کی توسیع پر خاص توجہ تھی۔ جس سے پیداوار مالیہ میں معقول اضافہ ہوا۔ جا بجا مناسب رقبات میں خود کاشت کا سلسلہ بھی جاری تھا جس کی نگرانی اور معائنہ کے لئے وقتاً فوقتاً تشریف لے جاتی تھیں۔

خطابت وحُسنِ بیان

قوتِ گویائی بھی سرکار عالیہ کے مجموعۂ کمال کی ایک مخصوص صفت ہے۔ تقریر کرتے وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ فصاحت در روانی اور سلاست وشیوا بیانی حضور ممدوحہ کے سامنے دست بستہ کھڑی

ہے اور اس سے جس طرح چاہتی تھیں کام لیتی تھیں۔

....

سرکار عالیہ کو تحریر و تقریر میں آیاتِ قرآنی اور احادیث نبویؐ سے موزون و مناسب استدلال کرنے کا ایک خاص ملکہ تھا جس سے زورِ دلائل اور اثرِ بیان دونا ہو جاتا تھا۔ تقریر کرنے سے پہلے اپنے خیالات قلم بند فرما لیتی تھیں۔ جیسا کہ اکثر مہذب ممالک کے مقررین کا عام قاعدہ ہے کہ تحریری تقریر سامعہ نوازِ بزم و انجمن ہوتی ہے لیکن اگر ایسا اتفاق بھی ہوا کہ بغیر کسی ماقبل اطلاع کے کسی جلسہ میں تقریر کرنے کا موقع آگیا تو فی البدیہہ زبانی تقریر کرنے میں بھی مجبور نہ تھیں بلکہ اُس میں تحریری تقریر سے زیادہ زور اور جوش پیدا ہو جاتا۔ چنانچہ کلب کے جلسوں میں متعدد مرتبہ زبانی تقریر کی اور ۱۹۲۸ء میں بمقام دہلی عورتوں کے عظیم الشان جلسہ میں دیر تک تقریر فرمائی۔

سرکار عالیہ کی خطابت میں سب سے زیادہ ما بہ الامتیاز وصف یہ تھا کہ مختلف النوع مسائل پر اظہارِ خیالات کا طرز، جملوں کی ترتیب، الفاظ کی نشست، بلاغت و فصاحت سب اُن ہی مسائل کی شان کے مطابق ہوتی تھی۔ پھر اس خطابت میں مردانہ اور زنانہ موقعوں کا امتیاز بھی صاف نظر آتا ہے مردانہ جلسوں میں چہرۂ مبارک مستور و زیر نقاب رہتا لیکن یہ عجیب بات تھی کہ تقریر کے اثر میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا حالاں کہ خطابت اور تقریر میں مقرر و خطیب کے چہرہ کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ گفتگو میں نہایت نرمی اور رواداری ہوتی مگر نہ ایسی کہ رعب و عظمت کے اثر سے خالی ہو رعب و عظمت اور رحم و عطوفت بظاہر متضاد چیزیں ہیں مگر سرکار عالیہ کا تکلّم ان دونوں چیزوں کے امتزاج کی ایسی صحیح اعتدالی کیفیت تھی کہ اس کی خصوصیت کسی طرح لفظوں میں نہیں بیان کی جا سکتی۔

تقریر کی جان فصاحت و بلاغت اور دقیقہ سنجی ہے۔ سرکار عالیہ کی تقریر ان سچے موتیوں کی ایک مسلسل لڑی ہوتی تھی۔ علامہ شبلی مرحوم سے زیادہ کون باریک بین اور دقیقہ رس ہوگا انھوں نے سرکار عالیہ کی گفتگو سُن کر جو رائے قائم کی وہ ہم اِس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

مولانا شبلی کی رائے

"مجھ کو حکمرانانِ اسلام سے متعدد رؤسا اور والیانِ مُلک کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہے۔ اُن سے گفتگو اور ہم کلامی کی نوبت آئی ہے لیکن میں بغیر کسی قسم کی رواداری اور تملّق کے اِس کہنے پر مجبور ہوں کہ میں نے اِس

وقت کسی رئیس یا والیٔ ملک کو اس قدر وسیع المعلومات خوش تقریر، فصیح اللسان، نکتہ سنج اور دقیقہ رس نہیں دیکھا۔ وہ تقریر فرما رہی تھیں اور میں محو حیرت تھا کہ کیا دہلی اور لکھنؤ کی سرزمین کے علاوہ اور کسی ملک کا آدمی بھی ایسی شستہ اور فصیح اردو بولنے پر قادر ہو سکتا ہے؟۔

وہ مختلف علمی اور انتظامی امور پر گفتگو کرتی تھیں اور میں سوچتا تھا کہ مخدرات اور حجلہ نشین بھی اس قدر معلومات حاصل کر سکتی ہیں؟"

اسی مضمون میں دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

"غرض اس قسم کے مضامین پر کامل ڈیڑھ گھنٹہ گفتگو کی اور اس فصاحت کے ساتھ کہ میں ہمہ تن محو حیرت رہا۔ تقریر میں بعض بعض جملے ایسے ہوتے تھے جو انشاپردازی کی شان ظاہر کرتے تھے مثلاً "جب سے عنانِ حکومت میں نے اپنے ہاتھ میں لی ملک کی تعلیمی حالت پر میرا دل رو رہا ہے۔ یہاں کے لوگ لیاقت حاصل نہیں کرتے بلکہ استحقاق آبائی پیش کرتے ہیں" لیکن یہ جملے اُن کی زبان سے اس سلاست اور صفائی کے ساتھ ادا ہوتے تھے کہ مطلقاً تصنع اور آورد نہیں معلوم ہوتی تھی۔

خصوصیاتِ صنفی

سرکار عالیہ کی تربیت و تعلیم میں اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا کہ اُن کے وجود گرامی میں وہ تمام اوصاف نوعی بھی مجتمع ہوں جو ایک خاتون کے لئے طغرائے امتیاز ہیں چنانچہ انھوں نے اُن اوصاف کو نہ صرف متاہل زندگی میں بلکہ فرماں روایانہ زندگی میں بھی علی وجہ الکمال نمایاں کیا۔

رشتوں کے تعلقات کا لحاظ تعلقاتِ زوجیت میں شوہر کی اطاعت و رضاجوئی ایک مشرقی اور خصوصاً مسلمان خاتون کی سب سے نمایاں صفت ہے۔ سرکار عالیہ کو اس صفت میں بھی امتیاز خاص حاصل رہا۔ اعزائے شوہر کے ساتھ مودت و مرحمت اور حفظ مراتب و پاس قرابت کو اِن تعلقات کے آغاز سے آخر وقت تک قائم و برقرار رکھا۔ اقربا اور اخوانِ ریاست کے

ساتھ بزرگانہ شفقت کی مظہرِ اتم تھیں۔ خاندانی تقریبوں میں فردِ خاندان کی حیثیت سے شریک ہوتیں اور ان تمام مراسم کو جو باعتبار رشتہ اُن پر ادا کرنے لازم ہوتے خوشی و مسرت کے ساتھ انجام دیتیں، اخراجاتِ تقریبات میں اعانت کرتیں۔ اکثر قریبی اعزا کی تقریبات ایوانِ شاہی میں ہوتیں اور بہ نفس نفیس ہر ایک تقریب کا انصرام فرماتیں اور موقع اور قربتِ قرابت کے لحاظ سے جوڑے اور زیور عطا فرماتیں۔ اپنی تقریبات میں سب کو مدعو کرتیں اور نہایت فیاضی کے ساتھ ان کے حقوقِ مراتب ادا کئے جاتے، یہ نوازشیں خاندان ہی تک محدود نہ تھیں، بلکہ جملہ متوسلین بھی علیٰ قدرِ مراتب و توسل بہرہ یاب ہوتے۔

اصول و نظام خانہ داری

سرکار عالیہ کو ڈومیسٹک سائنس سے ہمیشہ دل چسپی رہی اور یہی وجہ تھی کہ جس طرح ریاست کے مصارف معینہ بجٹ کے اندر رہتے اسی طرح محل کے مصارف کا بھی مقرّرہ تکملہ تھا اور معمولی سے معمولی چیز بھی اس کے اندر رہتی۔

محل میں نہ تو کوئی چیز بیکار رہتی، اور نہ بلا ضرورت، اور یہی اس سائنس کا اصل اصول ہے ساتھ ہی چیزوں کی ترتیب اور دیکھ بھال بھی خود کرتی تھیں۔ پرانی چیزوں کو دوسری ہیئت میں تبدیل کر کے کام میں لاتی تھیں۔ اور جہاں تک ممکن تھا کوئی چیز نہ بیکار آتی اور نہ بیکار جاتی۔

آرائشِ محل و کمرۂ نشست

محل میں جس قدر کمرے ہیں اُن کی آرایش میں سرکار عالیہ کا مذاقِ سلیم نمایاں تھا، بعض کمرے یورپین طرز پر اور بعض ہندوستانی طریقِ معاشرت کے لحاظ سے آراستہ تھے۔ سرکار عالیہ کی نشست عموماً فرش پر رہتی تھی جس پر سند قالین بچھا رہتا تھا۔ سامنے اور ایک بازو پر فرشی میزیں ہوتی تھیں جن پر ریاست کی مِثلیں، موقت الشیوع اخبار و رسائل اور تازہ کتابیں رکھی رہتی تھیں۔

لباس و زیور

لباس میں انتہائی سادگی تھی جو خالص ہندوستانی طرز کا اور ستر پوشی کا تھا۔ گھٹنے تک کرتا بہت پسند تھا جس کو خود انھوں نے نہایت خوبصورت بنا دیا تھا۔ بھوپال میں عام طور پر یہ "سرکاری کرتے" کے نام سے مشہور ہے اور بہت پسند کیا جاتا ہے۔ کپڑا بھی معمولی قیمت کا ہوتا تھا البتہ کبھی کوئی قیمتی اور وہ بھی زیادہ قیمت کا نہ ہوتا استعمال کرتی تھیں۔ صوفیانہ رنگ پسند تھے۔ مگر کرتہ اور ڈوپٹہ سفید ہی ہوتا، البتہ بُرقع کا کپڑا قیمتی ہوتا تھا جو خاص خاص موقعوں پر استعمال کیا جاتا۔ سرکاری و قومی تقریبات کے مواقع پر مغل بیگمات کی طرح تاج نما ٹوپی پہنتی تھیں۔

زیورات کا تو ابتداء سے ہی شوق نہ تھا اور پھر گذشتہ ۳۰ سال سے تو خیال تک نہ تھا البتہ تقریبات میں ہلکا زیور ہاتھوں میں پہن لیتی تھیں۔

غذا غذا میں بھی سادگی ہوتی تھی، ترکاریاں۔ دالیں۔ اور چٹ پٹے کھانے زیادہ مرغوب تھے مرغن غذائیں ناپسند تھیں۔ کھانا عموماً فرش پر تناول فراتی تھیں جو فرشی میز پر چُنا جاتا تھا اور اکثر مہمان خواتین شریکِ طعام ہوتی تھیں وسیع مطبخ میں اگرچہ بلحاظ موسم ہر قسم کے کھانے تیار رہوتے تھے لیکن کبھی کبھی بہ نفسِ نفیس کوئی چیز تیار کرتیں اور اس کو اپنے صاحبزادوں پوتے پوتیوں کو بطور تحفہ بھیجتیں یا نہایت خوشی خوشی سب کو ایک جگہ کھلاتیں۔ رمضان المبارک میں تو شام کو بذاتِ خاص افطاری تیار کرنے یا اس کی تیاری میں شریک رہنے کا دلچسپ مشغلہ تھا۔

باغات سے سبزی اور ترکاریوں کی ڈالیاں پہلے ملاحظۂ اقدس میں پیش ہوتیں اور پھر خود اُس دن کے پکانے کے لئے منتخب فرماتیں۔

باغات سے دلچسپی باغات سے خاص دلچسپی تھی، متعدد باغات سرکارعالیہ کے مذاقِ سلیم کی بہار دکھا رہے ہیں لیکن محل اور کمروں کے گملوں میں پودوں کے انتخاب کا خاص ملکہ اور مذاق تھا، اسی شوق کا نتیجہ تھا کہ فنِ باغبانی پر متعدد کتابیں ترجمہ کرائیں اور خود تالیف کیں۔

دستکاری امبرائیڈری نٹنگ اور کروشیا میں مہارتِ تامہ تھی۔ اور جب کبھی وقت ملتا کوئی نہ کوئی چیز تیار کرتیں، خصوصاً نمائشوں کے لئے تو وقت نکال کر بھی کچھ نہ کچھ بناتیں علیگڈھ، الہ آباد کی مشہور نمائشوں اور بھوپال کی نمائش مصنوعات خواتین ہند اور لاسیم کلب لندن کی نمائشوں میں سرکارعالیہ کی مصنوعات ایک امتیازی حیثیت رکھتی تھیں۔

مُصوّری مصوری میں پینٹنگ سے خاص دلچسپی تھی، زیادہ تر قدرتی مناظر تیار کرتی تھیں، اثنائے سفرِ حجاز میں اس فن کو جہاز میں سیکھا تھا اور پھر مشق سے اس کو ترقی دی اور مناسبتِ طبیعت کی وجہ سے مناظرِ قدرت کی نقشہ کشی میں یدطولیٰ حاصل ہوگیا۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں ایک مرتبہ مسدس حالی مطالعہ کر رہی تھیں، اُس کے مطالعہ سے جب فارغ ہوئیں تو ایک جذبۂ خاص کے ساتھ مولانا حالی کے اس تخیل کو کہ :-

ملے کوئی ٹیلہ اگر ایسا اونچا کہ آتی ہو واں سے نظر ساری دُنیا

چڑھے اس پہ پھر اک خرد مند دانا کہ قدرت کے دنگل کا دیکھے تماشا
تو قوموں میں فرق اس قدر پائے گا وہ
کہ عالم کو زیر و زبر پائے گا وہ

وہ دیکھے گا ہر سو ہزاروں چمن واں بہت تازہ تر صورتِ باغ رضواں
بہت اُن سے کمتر، پہ سرسبز و خنداں بہت خشک اور بے طراوت مگر ہاں
نہیں لائے گو برگ و بار اُن کے پودے
نظر آتے ہیں ہونہار اُن کے پودے

پھر اک باغ دیکھے گا اُجڑا سراسر جہاں خاک اُڑتی ہے ہر سو برابر
نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جس کی جل کر
نہیں پھول پھل جس میں آنے کے قابل
ہوئے رُوکھ جس کے جلانے کے قابل

جہاں آگ کا کام کرتا ہے باراں جہاں آکے دیتا ہے رو ابرِ نیساں
تر و دسے جو اور ہوتا ہے ویراں نہیں راس جس کو خزاں اور بہاراں
یہ آواز پیہم وہاں آ رہی ہے
کہ اسلام کا باغِ ویراں یہی ہے

کئی دن محنت کر کے تصویر میں دکھا دیا۔

سرکار عالیہ کی مصوری پر اکثر ماہرینِ فن نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے

شاعری و موسیقی

سرکار عالیہ کو شاعری و موسیقی سے بھی ایک نسبت تھی وہ خود شاعر نہ تھیں لیکن سخن سنج تھیں اور اچھے شعر اور اچھی نظم کا لطف حاصل کرتی تھیں بعض اوقات کسی تخیل یا واقعہ کو نظم کے قالب میں لانے کے لئے فرمایش کرتی تھیں۔

باجوں میں پیانو پسند تھا لیکن بجانے کی مشق نہ تھی۔ البتہ ستار اوائلِ عمر میں سیکھا تھا اور اواخر عمر میں کبھی کبھی تھوڑی دیر کے لئے شغل بھی کر لیتی تھیں۔

سرود و نغمہ سے بھی دل چسپی تھی مگر تمام شوق کے کاموں میں اس کا آخری درجہ تھا اور

صرف اسی حد تک کہ کبھی اور وہ بھی دوسروں کے اصرار سے گھڑی دو گھڑی ڈومنیوں کا گانا سن لیا یا کسی خاتون نے کوئی قومی نظم یا نعت و منقبت سنا دی، ایک خط میں آبرو بیگم صاحبہ کو استنبول سے لکھتی ہیں :-

"ایک ٹرکش لیڈی کا ہم نے گانا سنا، ٹرکش ترانہ ہندوستان کی لے سے بہت ملتا ہے۔ یہاں بھی وقت کے راگ ہیں یعنی شام کا علیحدہ، صبح کا علیحدہ، جیسے ہندوستان میں بھیروں، سارنگ، دیپک، پیلو، وغیرہ، ہم اب جس ہوٹل میں ہیں وہ دریائے باسفورس کے کنارے ہے، پہلے "پیرا پیلس" میں تھے اب "سمر پیلس" میں۔

اکثر شب کو بجرہ میں ترکی خواتین ستار بجاتی گاتی ہوئی سیر کرتی ہیں۔ ہم نے گاتے سنا۔ بالکل لہجہ ہندوستان کا ہے، ویسے ہی آواز کو بھرنا، گٹکری لینا لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آتے کیونکہ زبان ٹرکش ہے ....

....

ہاں وہی ٹرکش خاتون جو ہم سے ملاقات کو آئی تھیں جنہوں نے مہربانی کر کے ہم کو اپنا گانا سنایا تھا وہ شاعرہ بھی تھیں اور باجے کے نوٹ خود بناتی ہیں، مجھ کو کتاب دی جس میں اُن ہی کی نظم اور ان ہی کے بنائے ہوئے نوٹ ہیں، جس وقت میں اُن کی خوبصورت صورت دیکھ رہی تھی اور خوش آہنگ باجہ جو وہ بجا رہی تھیں اور خوش الحانی کے ساتھ ان کے ٹرکش گیت سن رہی تھی تو مجھ کو اپنی خواتین لیڈیز کلب یاد آئیں غرض ان تمام خیالات کو دور کر کے یہی سمجھا کہ اس وقت جو لطف اس خاتون کی خوش الحانی نے دیا ہے ضروری ہے کہ اپنی خواتین کلب کو بھی اس میں شریک کرنا چاہیئے اور اس کا یہی طریق ہے کہ اس کی تصنیف تمہارے نزدیک بھیجدوں، اس نے اس میں پیانو کے نوٹ بھی بنا دیئے ہیں اس کو مس ردررا بجائیں گی اور ہماری آبرو بیگم اور فاطمہ بیگم جو ٹرکش لیڈیوں کی طرح ہیں گائیں گی اور ہماری خواتین کو بھی لطف حاصل ہو جائے گا اور وہ ضرور ہمیں بھی یاد کریں گی، پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ زبان داں نہ ہونا بڑی مشکل پیش کرے گا، اس خیال سے دوسری کتاب منصب علی کے نزدیک بھی بھیجدی گئی ہے کہ کسی سے ٹرکش کا ترجمہ اشعار اردو میں کرا کے اردو ہی میں اس مضمون کو نظم کرا لیں۔

اور فارسی میں بھی ہے۔ کیا ہمارے بھوپال کے مردوں میں بھی اس قدر لیاقت نہ ہوگی جو ترکش خواتین میں ہے نہیں ضرور ہوگی ناامید نہ ہونا چاہیئے، انشاء اللہ میں بھی اگر اس ترجمہ کی نظم کو اپنی خواتین کی زبان سے سُنوں گی ....

....

مجھ کو یقین ہے کہ اگر منصب علی سے یہ کام نہ ہوسکا تو ہمارے سکریٹری صیغہ متفرقات اس نظم کا ترجمہ کر کے اُردو میں، فارسی میں، عربی میں ضرور اشعار موزوں کریں گے اور مس رو در انگریزی میں اس ہی مضمون کے اشعار کہیں گی۔ مضمون "حریت" چھپے گا ....

تربیت و تعلیم اولاد اولاد کی تعلیم و تربیت میں سرکار عالیہ کو خاص ملکہ اور شغف تھا اور انھوں نے اپنی اولاد کی تربیت میں اُن تمام اصول کو ملحوظ رکھا جو ایک تعلیم یافتہ ماں کا سب سے زیادہ شاندار کام اور سب سے درخشندہ جوہر قابلیت ہوسکتا ہے۔

دو بڑے صاحبزادوں نواب سر محمد نصر اللہ خاں، نواب جنرل محمد عبید اللہ خاں کی تعلیم و تربیت کی ابتدائی منزل میں نواب احتشام الملک بہادر سہیم و شریک تھے لیکن دَورِ فرماں روائی میں جو تعلیم و تربیت ہوئی وہ صرف سرکار عالیہ کا ہی حصّہ تھا۔

ابتدائی تعلیم میں اخلاق فاضلہ کی تربیت، جسمانی صحت، سپاہیانہ فنون اور بذریعۂ درس کتابی قوائے عقلی کی نشو و نما پر توجہ رکھی گئی اور قدیم و جدید طریقوں کو ملا کر ایک نیا طرز اختیار کیا گیا اور ان اصول میں پوری کامیابی ہوئی، مذہبی جذبات کی بُنیاد پر سرکار عالیہ اور نواب احتشام الملک بہادر دونوں کی ابتدا ہی سے تمنا تھی کہ صاحبزادوں میں سے ایک ضرور حافظ قرآن مجید ہو اس لئے نواب جنرل محمد عبید اللہ خاں کو حافظہ قوی ہونے کے لحاظ سے منتخب کیا گیا انھوں نے تین سال میں قرآن مجید حفظ کر کے والدین کی اس تمنا کو پورا کر دیا۔

حفظِ قرآن مجید کے تذکرہ میں سرکار عالیہ تحریر فرماتی ہیں کہ :۔

"نواب احتشام الملک بہادر کی توجہ ہر وقت اُن پر تھی اور اس دن کی خوشی بیان نہیں ہوسکتی جس دن کہ قرآن مجید کا آخری سورہ صاحبزادہ صاحب نے حفظ کر کے سُنایا تھا ان کو مجھ سے زیادہ اور مجھے ان سے سوا مسرت تھی"۔

اعلیٰحضرت اقدس کی تعلیم بھی اسی اصول پر شروع کی گئی لیکن ابتدا میں قرآن مجید اور اُردو کی تعلیم خود سرکار عالیہ نے اپنے ذمہ رکھی اور جب درسی کتابوں کی خواندگی کا وقت آیا تو امداد کے لئے قابل استاد مقرر کئے گئے ختم قرآن مجید کے بعد لفظی ترجمہ شروع کرایا گیا۔

غرض سرکار عالیہ کے دَورِ فرماں روائی شروع ہونے تک اعلیٰحضرت نے ابتدائی تعلیم ختم کرلی اب چونکہ سرکار عالیہ کی مصروفیتیں بھی بہت زیادہ ہوگئیں اس لئے مزید تعلیم کے لئے قابل اساتذہ مقرر ہوئے تاہم جب فرصت ملتی سبق سُن لیا کرتیں۔ سفرِ حجاز کے دَوران میں ترجمہ قرآن مجید کا کچھ حصّہ خود ہی پڑھایا۔

اس کے بعد انگریزی تعلیم کے لئے ایک یوروپین مسٹر سی۔ ایچ۔ بین ایم۔ اے ڈاکسن (؟) کی خدمات حاصل کی گئیں اور چونکہ چیفس کالجوں کا معیارِ تعلیم سرکار عالیہ کے نزدیک چنداں مفید نہ تھا جس پر وہ خود نہایت زبردست معترض تھیں اور اس کے مقابلہ میں یونیورسٹی کی تعلیم کو زیادہ پسند کرتی تھیں۔ اس لئے اعلیٰحضرت کو کسی چیفس کالج میں داخل کرنے کی بجائے الگزنڈرا ہائی اسکول بھوپال میں باضابطہ داخل کرایا علاوہ بریں یہ مقصد بھی پیشِ نہادِ خاطر تھا کہ طبقۂ اُمرا و منصب دارانِ ریاست اور عامّہ رعایا میں تعلیم کی تحریص و ترغیب پیدا ہو۔

سرکار عالیہ کو بعض اصحاب نے اصرار کے ساتھ یہ مشورہ دیا کہ اسی زمانہ میں انگلستان کی کسی یونیورسٹی میں داخل کرا دیا جائے لیکن قبولِ خاطر نہ ہوا۔ اور یہ طے فرمایا کہ اسی وقت سے جب تک کہ اعلےٰ تعلیم کی منزل تک پہنچنے کے لئے ایک دو سال باقی ہیں محمڈن کالج کے اسکول میں داخل کرایا جائے کیوں کہ سرکار عالیہ کے خیالِ مُبارک میں

> ہندوستان میں مسلمان طلبا کے لئے محمڈن کالج علی گڈھ سے بہتر اور کوئی کالج نہیں ہوسکتا اور یہی ایک ایسا کالج ہے جس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ مسلمان طلبا کے مذہب، ان کی قومیّت اور برٹش سلطنت کے ساتھ خیالات وفاداری کی نشو و نما ہوتی ہے۔ اور جو مسلمانانِ ہند کی آیندہ ترقیوں اور امیدوں کا مرکز ہے۔

چنانچہ شایانِ شان انتظامات کے بعد مسٹر پین کی آتالیقی میں ۱۹۱۱ء[۱] کے سشن میں اعلیٰحضرت داخل کردیئے گئے۔

---

[۱] نواب زادہ حمید اللہ خاں۔

اس عظیم الشان ادارۂ تعلیمی کے انتخاب میں مذکورۂ بالا خیال کے ساتھ یہ خیال بھی محرک تھا کہ اعلیحضرت میں ابتدا سے پبلک اسپرٹ اور قومی کاموں میں دلچسپی پیدا ہو۔

سرکارِ عالیہ ان مقاصد میں کامیاب ہوئیں اور اعلیحضرت نے اس قومی درسگاہ میں تکمیلِ تعلیم کی لیکن سرکارِ عالیہ نے اسی تعلیم و تربیت پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ صاحبزادوں کے مراتبِ جلیلہ اور درجاتِ عالیہ کے لحاظ سے حکومت اور ملکی نظم و نسق کی بھی تعلیم و تربیت پر توجہ مبذول کی۔

پہلے ملکِ محروسہ کا دورہ کرایا تاکہ ترتیب و تہذیبِ دفاتر، ضروریاتِ رعایا اور حالاتِ ملکی کا مطالعہ و معائنہ کریں، اس کے بعد محکماتِ ریاست تفویض کئے اور مہماتِ امور کے مشوروں میں شریک کیا۔ نواب جنرل محمد عبید اللہ خاں کو ان کے رجحانِ طبع کے لحاظ سے فوجی تعلیم و تربیت دلانے کے بعد بتدریج ترقی دیکر سپہ سالارِ ریاست بنایا۔

اگرچہ اس وقت کسی شخص کے دماغ میں دور کا خیال بھی پیدا نہ ہوسکتا تھا کہ سرکارِ عالیہ کے بعد بھوپال کا تمام تر مستقبل، اُس کا ارتقا اور اُس کی قسمت اعلیحضرت اقدس کے ہاتھوں میں سپرد ہوگی۔ لیکن اذا اراد اللہ شیئاً ہیّأ اسبابہ حضور ممدوح کی تعلیم و تربیتِ ملکی بھی اسی منصبِ عظمیٰ کے لحاظ سے شروع ہوئی۔ اولاً صیغۂ بلدیہ تفویض کیا گیا تاکہ قائمقامانِ رعایا کے ساتھ شریک ہوکر کام کرنے کا موقع ملے اور شہری حقوق کی واقفیت اور ہمدردی حاصل ہو، اس کے بعد سرکارِ عالیہ نے اپنا چیف سکریٹری بنایا اور چند ماہ بعد ہی صیغۂ تعلیم و انجنیری کے متعلق ضروری ہدایات فرماکر ملکِ محروسہ کے دورہ کا حکم دیا۔

اعلیحضرت نے چار مہینہ تک دورہ کیا اور ہر ڈپارٹمنٹ اور ہر شعبہ کے جزئیات تک کو بنظرِ غائر ملاحظہ فرمایا اور ایک مبسوط رپورٹ سرکارِ عالیہ کے ملاحظہ کے لئے تیار کی جس میں قابلِ اصلاح امور پر نہایت قابلیت کے ساتھ توجہ منعطف کرائی اور بعض ترقیوں کے متعلق تجاویز پیش کیں۔

سنہ ۱۹۲۲ء میں جب سرکارِ عالیہ نے تنظیمِ جدید کے سلسلہ میں اسٹیٹ کونسل قائم کی تو فرزندِ اکبر کو وائس پریسیڈنٹ اور منجملہ (۵) ممبروں کے دونوں صاحبزادوں کو بھی ممبر مقرر فرمایا، فرزندِ اوسط نواب محسن الملک جنرل محمد عبید اللہ خاں فردوس مکاں کے پاس فوجی محکمہ رہا اور مالیات و قانون و انصاف اعلیحضرت کو تفویض کیا گیا۔

اس انتظام و انتخاب کے نہایت اعلیٰ نتائج نکلے خصوصاً جب اعلحضرت سریر آرائے بھوپال ہوئے تو ایک طرف سرکار عالیہ کو اطمینان تھا اور دوسری طرف رعایا کو۔ گذشتہ نو دس سال میں حضور ممدوح کی ہمدردی و دلسوزی اور قابلیت و اوصاف حکومت کا جو تجربہ ہوا تھا اُس سے رعایا مطمئن و مسرور تھی۔ پھر ایجنٹ گورنر جنرل اور ملک معظم قیصر ہند کے قائمقام اعلیٰ کو والیانِ ملک کی تخت نشینی کے وقت ان سے بہترین نظم و نسق ملکی کی نسبت جو امیدیں ہوتی ہیں وہ اعلیٰ حضرت کی تخت نشینی کے وقت تیقن کے درجہ میں تھیں جیساکہ ایجنٹ گورنر جنرل نے دربار خریطہ کی تقریر میں اور ہز اکسلنسی لارڈ ارون نے ڈنرا سپیچ میں ظاہر کیا۔

زنانہ تعلیم و تربیت کا نمونہ

صاحبزادیوں میں ملقبیں جہاں بیگم تو سرکار خلد مکاں کے پاس رہتی تھیں۔ اِس لئے سرکار عالیہ کو ان کی تعلیم و تربیت کا کوئی موقع نہ تھا البتہ صاحبزادی آصف جہاں بیگم نے سرکار عالیہ کے سایۂ شفقت میں تربیت و تعلیم حاصل کی لیکن ابھی بارہ سال ہی کی عمر تھی کہ وہ ایسی بیمار ہوئیں کہ زندگی ہی ختم ہوگئی تاہم وہ اُردو اور دینیات کی تکمیل کر چکی تھیں اور فارسی شروع کی تھی۔

زمانۂ فرماں روائی میں نواب جنرل محمد عبید اللہ خاں کی صاحبزادی برجیس جہاں بیگم کو سرکار عالیہ نے اپنے پاس رکھکر پرورش کیا تھا جب ان کی تعلیم کا زمانہ آیا تو بڑے حوصلہ کے ساتھ شروع کی لیکن نو سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔

البتہ ہر ہائی نس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم اور علیا جناب گوہر تاج بیگم عابدہ سلطان ولیعہد ریاست طال اللہ عمرہما و اقبالہما سرکار عالیہ کی زنانہ تعلیم و تربیت کا بہترین نمونہ ہیں۔

ہر ہائی نس کی تعلیم کے لئے اگرچہ قابل اساتذہ مامور تھے مگر باوجود ان مصروفیتوں کے جو ابتدائی دورِ حکومت میں سرکار عالیہ کو تھیں تعلیم کی نگرانی ہی نہیں فرمائی بلکہ مذہبی تعلیم کا ایک حصّہ اپنے ذمہ لیا، مذہبی تربیت کے لئے ذاتی مثال اور ذاتی توجہ بہت کافی تھی۔

امور خانہ داری اور ڈومیسٹک سائنس کی تمام تر تعلیم سرکار عالیہ نے ہی فرمائی دستکاری اور فنونِ لطیفہ کے لئے یورپین لیڈیز مقرر تھیں۔

غرض چند ہی سال میں ہر ہائی نس نے اپنی سعادت و استعداد فطری اور شوق و محنت سے

سرکار عالیہ کے مقصد کو علیٰ وجہ الکمال پورا کر دیا لیکن چونکہ تعلیم کا زمانہ کبھی ختم نہیں ہوتا اس لئے سرکار عالیہ کے نقشِ قدم پر ہر ہائی نس کی تعلیم بدستور جاری رہی۔ انگریزی اُردو میں کامل دستگاہ حاصل کی۔ فارسی مادری زبان ہے تاہم اخلاق کی اکثر متداول کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں۔

حفظِ صحت اور مضبوطی و توانائی کے لئے تعلیم کے ساتھ کھیل بھی لازمی ہوتے ہیں اور ایسی جسمانی ورزش سے دماغی شگفتگی بھی قائم رہتی ہے، اس لئے ابتدا سے ٹینس، بیڈمنٹن وغیرہ ہر ہائی نس کی تعلیم کا جزو رکھے گئے۔

سرکار عالیہ نے ہر ہائی نس کی کتابی تعلیم اور محل کی تربیت پر ہی اکتفا نہیں فرمائی بلکہ ابتدا سے چند سفروں کو مستثنےٰ کر کے تقریباً ہر سفر میں اپنا رفیق بنایا اور اس طرح نہ صرف ہندوستان اور یورپ کے مشہور مقامات کی سیر کی اور مشہور و ممتاز بیگموں مہارانیوں اور جلیل القدر یورپین لیڈیز اور قومی کارکن خواتین سے ملاقاتیں کیں بلکہ وہ تجربہ حاصل ہوا اور اس غور و خوض کی عادت پیدا ہوئی جس سے ایسی جلیل القدر شخصیت کو اپنے معاصرین میں امتیازِ خصوصی حاصل ہوتا ہے اور ملکی و ملی اور قومی ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

سرکار عالیہ نے ہر ہائینس کو اوائلِ عمر ہی سے اپنے صنفی اور قومی کاموں میں معین و شریک بنایا اور اس طرح دل میں ایک خاص ولولہ اور جوش پیدا کر دیا۔

غرض ہر ہائینس سرکار عالیہ کی تعلیم و تربیت کا بہترین نمونہ ہیں۔

علیاجناب نواب گوہر تاج بیگم نے روزِ ولادت سے ہی سرکار عالیہ کے آغوشِ شفقت میں پرورش پائی اور جب تعلیم کا زمانہ اور قرآن مجید کے شروع کرنے کا وقت آیا تو سرکار عالیہ نے ہی درس دیا اور متن و ترجمہ خود پڑھایا، اس مذہبی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ اُردو فارسی اور انگریزی کی بتدریج تعلیم شروع ہوئی اور نہایت منتخب اور قابل اساتذہ مقرر کئے گئے۔ انگریزی زبان اور زمانۂ حال کی ترقی یافتہ دستکاری اور فنونِ لطیفہ کی تعلیم کے لئے قابل اور ماہرِ فن یورپین لیڈی کا انتخاب ہوا۔

ساتھ ہی سپاہیانہ فنون اور تعلیم نظم و نسق ملکی کی بھی ابتدا ہوگئی۔

اس تمام تعلیم و تربیت میں صنفی ہمدردی کا عنصر خاص طور پر شامل کیا گیا جو گویا گہوارہ سے

ہی سے شروع کی گئی اور اسی فضا میں پرورش ہوئی۔

عالمِ طفولیت ہی سے مجالس و مجامع نسواں میں شرکت سے اپنی صنف کی ہمدردی کا درس دیا گیا۔

خاندانی تقریبات

سرکار عالیہ کسی تقریب میں فضول تکلفات کو کبھی روا نہ رکھتی تھیں، لیکن شاہی تقریبات کے لئے تمام وکمال موزوں لوازم ضرور ہوتے، ایسے موقعوں پر بالعموم دو دربار منعقد کئے جاتے، ایک مردوں کا اور دوسرا عورتوں کا۔

مردوں کے دربار میں سرکار عالیہ پسِ چلمن تشریف فرما ہوتیں۔ تمام اشخاص حسب مراتب یکے بعد دیگرے پیش ہوتے اور ان کو سرکار عالیہ خلعت عطا فرماتیں۔

عورتوں کے دربار میں اپنے معمولی لباس میں سب کے سامنے جلوہ افروز ہوتیں اور شاداں و فرحاں خلعت تقسیم فرماتیں، حاضر دربار خواتین اسی وقت خلعت کے قیمتی ڈوپٹوں کو اوڑھ لیتیں۔ اور سرکار عالیہ کی شفقت و عطوفت اور شگفتگی مجسم شکل میں عیاں ہوتی، ایسی تقریبات میں یورپین لیڈیز بھی شریک کی جاتیں اور اگر وہ متوسل ریاست ہوتیں تو ان کو بھی خلعت عطا ہوتے۔

نواب عالی جاہ کرنل سر محمد نصر اللہ خاں صاحب بہادر کے سی، ایس، آئی اور نواب محسن الملک بریگیڈیر جنرل حافظ حاجی محمد عبید اللہ خاں صاحب بہادر سی، ایس، آئی، کی شادیاں بھی اسی اصول پر ہوئیں اور تمام مستحقین و متوسلین کو نہایت فیاضی کے ساتھ انعام و اکرام مرحمت فرمائے۔

ہز ہائی نس سکندر صولت افتخار الملک نواب حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر خلد اللہ ملکہٗ کی شادی شاہ شجاع والیِ کابل کے خاندان میں شہزادہ جہانگیر کی پوتی کے ساتھ ہوئی جن کا خاندان عرصہ سے پشاور میں بظلِ سرکار برطانیہ سکونت پذیر ہے، ۲ ر رجب ۱۳۲۳ھ = ۲ ر ستمبر ۱۹۰۵ء کو بکمال تزک و احتشام بارات پشاور گئی اور واپسی میں بمقام سانچی سرکار عالیہ نے اس کا خیر مقدم کیا۔

اس شادی میں جہاں شاہانہ شان و شوکت کا پورا اہتمام کیا گیا تھا وہاں یہ امر بھی ملحوظ رکھا گیا تھا کہ کوئی فضول اور غیر مشروع رسم ادا نہ ہو۔ البتہ مستحقین اور خاندانِ ریاست کو بیش بہا جوڑے اور گراں قدر نقد انعامات عطا کئے گئے، نیز خیرات و صدقات میں غربا کو روپیہ تقسیم کیا گیا،

اس میں شک نہیں کہ سرکار عالیہ کے تمام اعمال شاہانہ کی طرح یہ تقریب بھی دیگر والیانِ ریاست کے لئے ایک قابل تقلید مثال تھی جس کو خلاف شرع اور فضول مراسم کی آمیزش سے ہر طرح محفوظ رکھا گیا تھا۔ چوں کہ شادی صغر سنی میں ہوئی تھی اس لئے ممکن ہے کہ ناظرین اس تقریب کا حال پڑھکر متعجب ہوں کہ سرکار عالیہ جیسی روشن ضمیر اور مصلح رسوم نے صغر سنی کی شادی کی مثال کیوں قائم کردی لیکن اس کا جواب سرکار عالیہ کی اس تقریر مبارک میں موجود ہے جو اسی تقریب میں حضورِ ممدوحہ نے برٹش افسرانِ رزیڈنسی و ایجنسی کی دعوت میں فرمائی تھی جس میں انھوں نے فرمایا کہ :۔

میں گمان کرتی ہوں کہ اس چھوٹے سے دولھا کو دیکھکر آپ خیال کرتے ہوں گے کہ اس صغر سنی میں دلھن بیاہ لانے کی کیا ضرورت تھی، شاید آپ کو یہ بھی خیال ہو گا کہ ہندوستان کے رسم و رواج کا اثر مجھ پر بھی ہے اور صغر سنی کی شادی کو جو عموماً معیوب سمجھی جاتی ہے میں بھی مستحسن سمجھتی ہوں میرا اصل مقصود شادی میں عجلت کرنے کا یہ تھا کہ اپنی ننھی سی بہو کو اپنا نورِ نظر بنا کر اپنی نگرانی میں تعلیم و تربیت دے سکوں کیوں کہ عمدہ تعلیم و تربیت کو مستورات کے لئے سب سے بہتر اور سب سے زیادہ خوشنما زیور سمجھتی ہوں یہ ایسا بیش بہا اور پائدار زیور ہے جس کی آب و تاب کبھی کم نہیں ہو سکتی، مجھے امید ہے کہ اس توضیح کے بعد آپ اس صغر سنی کی شادی کو موافق مصلحتِ وقت خیال کر کے میری تمنا میں میرے ہم زبان ہوں گے۔

خدا کرے کہ دلھن کی تعلیم و تربیت میری مرضی اور خواہش کے موافق ہو جائے۔

یہ مصلحت تھی جس سے سرکار عالیہ نے اس صغر سنی کی شادی کو روا رکھا اور اس تقریب میں عجلت فرمائی۔

سرکار عالیہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئیں اور ہر ہائی نس کی تعلیم و تربیت ایسے اصول پر کی جو خاندان کے لئے ایک مثال ہو گئی۔

ایک پر عظمت اور شاندار تقریب

بھوپال میں سرکار قدسیہ بیگم کے زمانہ سے تقریب نشرہ ایک روایتی و تاریخی تقریب ہو گئی ہے۔ یہ تقریب دو حصّوں میں تقسیم کی جاتی ہے ایک سورۂ بقر کے اور دوسرے پورے قرآن مجید کے ختم ہونے پر۔

سرکار خلد نشیں اور سرکار خلد مکاں کی تقریبات نشرہ بڑی دھوم اور تکلفات سے ہوئیں۔

اور سرکار عالیہ کی یہ تقریب تو ایسی فیاضی سے ہوئی جو ان دونوں سے فوقیت لے گئی دو ماہ تک اس کا سلسلہ جاری رہا، اسی طرح سرکار عالیہ کی صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم کا نشرہ ہوا۔

اب ۱۳۳۹ھ میں سرکار عالیہ نے اعلحضرت اقدس دام اقبالہٗ کی دو صاحبزادیوں (نواب گوہر تاج بیگم عابدہ سلطان ولیعہد ریاست اور صاحبزادی ساجدہ سُلطان) کی تقاریب نشرہ سورۂ بقر و ختم کلام مجید بڑے حوصلہ و فیاضی جدّت و ندرت اور عظمت و ذوق سے کیں جو حقیقتاً اُمرا کے لئے نہایت دلچسپ مثال ہے۔ ۲۱ر شوال کو شیرینی تقسیم کی گئی، یہ شیرینی چینی کی بڑی سفید رکابیوں میں تھی جن کے گول کناروں پر تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے فکلوا واشربوا ھنیئاً مریًا اور طغرا میں عابدہ سُلطان اور نشرہ ختم قرآن، سرخ حرفوں میں نہایت خوشخط لکھا ہوا تھا ان رکابیوں میں برفیوں کی لوذاتیں تھیں جس پر چاندی کے ورق لگے ہوئے تھے ان پر پستوں کی ہوائیاں عجب بہار دے رہی تھیں کابیاں نور کے طباق معلوم ہوتے تھے۔

مساکین اور غربا کی دعوت ہوئی اور اُن کو جوڑے تقسیم ہوئے ریاض الاثمار میں جو قصر سُلطانی کے مغربی جانب تالاب کے کنارے واقع ہے، خاندان کی بیگمات مدعو ہوئیں اور ایک پُر لطف جلسہ ہوا۔ اور پھر پہلی تاریخ ذیقعدہ بروز جمعہ خواتین کی ایک بڑی پارٹی اسلام نگر[1] کے قدیم محل میں ہوئی۔ محل کے نیچے ایک ندی بہتی ہے اور ندی کے اس طرف گھنے اور سایہ دار اونچے اونچے درختوں کے جھنڈ ہیں جس کے آگے ایک سرسبز اور پُر رونق میدان ہے اس کو موسم کی فضا نے اور بھی نظر فریب اور دلچسپ بنا دیا تھا۔

ایک مہینہ تک خاندانِ شاہی کی طرف سے بھی دعوتوں اور جوڑوں کا سلسلہ جاری رہا۔

۲۹ر ذیقعدہ اصل تقریب کا دن تھا، قصر سُلطانی کے سب سے بڑے دالان میں جو اعلیٰ فرش فروش سے آراستہ تھا ایک تخت "ریکہ"[2] کی صورت میں جوئی اور گلاب کے پھولوں سے سجایا

---

[1] یہ ایک تاریخی جگہ ہے اور بھوپال کا سب سے پہلا دار الریاست ہے جس کو بانیٔ ریاست سردار دوست محمد خاں نے اپنے ابتدائے عہد میں تعمیر کیا تھا، سرکار خلد مکاں کا مولد بھی یہی مقام ہے اور محلات شاہی میں یہاں کے محلات بہت بابرکت سمجھے جاتے ہیں۔

[2] ریکہ اُس تخت کو کہتے ہیں جس میں ملکِ عرب میں دُلہن بٹھائی جاتی ہے۔

گیا تھا اس کے گلابی پردوں، زرنگار چھت اور مخملی فرش نے عجب بہار پیدا کر دی تھی ایک چھوٹا سا دروازہ تخت کے پیچھے عروسِ نشرہ کے آنے کے لئے رکھا گیا تھا اور سامنے کی طرف ایک محراب نما شکل کا دروازہ بنایا گیا تھا۔ دروازہ کے پہلوؤں میں آبنوس اور صندل کی دو رحلیں رکھی ہوئی تھیں جن پر دو نفیس خوبصورت مُطلّا جزدانوں میں قرآن مجید تھے، تخت کے قریب ہی اختران عروس استقبال کے لئے کھڑی تھیں۔ یہ اختران عروس خاندان وارا کینِ ریاست کی نوعمر لڑکیاں منتخب ہوئی تھیں جو ترکی حرم کے لباس میں تھیں اور پورا لباس بادشاہ پسند یعنی نافرمانی رنگ کا تھا۔

تمام دالان مہمان بیگمات وخواتین سے معمور تھا۔ تخت کے بالمقابل عین سرے پر سرکار عالیہ اور بیگماتِ خاندان کی نشست تھی۔

۶ بجے صاحبزادیوں کے تشریف لانے کی آہٹ معلوم ہوئی اور ایک خاتون نے بلند آواز سے خاموش کہہ کر حاضرین کی توجہ کو صاحبزادیوں کے تشریف لانے کی طرف مائل کیا اور بیک لمحہ صاحبزادیاں خراماں خراماں تشریف لائیں۔ اخترانِ عروس نے استقبال کیا، چنور برداروں نے چنور ہلانا شروع کئے اور دونوں تختِ سعادت پر جلوہ افروز ہوئیں، اس وقت ایک عجیب محویّت کا عالم طاری ہوگیا۔

دونوں نور کی مورتیں یا جنّتُ النعیم کی حوریں آسمانی رنگ کے عربی لباس میں ملبوس تھیں۔ سر پر عرب کا قصادہ تھا جو مجیدیوں کے بندہن سے باندھا گیا تھا گویا آفتاب کی کرنیں معلوم ہوتی تھیں۔ اس پر تاج الماس زیب سر تھا۔ مقیشی سہرے پر موتی کی لڑیاں لٹک رہی تھیں اور یہ سہرا اس طریقہ سے بنایا گیا تھا کہ ان مہر و ماہ کے چہروں پر نقاب نہ بن جائے۔

سر وشانہ پر ڈوپٹہ اسی انداز سے تھا جس طرح نماز میں اوڑھا جاتا ہے اور اس میں اُن کا چہرہ بالکل نورِ معصومیّت بن کر نظر آرہا تھا۔

پاؤں میں کوئی زیور نہ تھا البتہ گلے اور ہاتھوں میں کچھ مُرصع زیورات تھے، کانوں میں ہیرے کے بُندے تھے جو چہروں کی شعاعِ نور سے ماند ہو رہے تھے۔

اس شان کے ساتھ دونوں صاحبزادیاں پیکرِ نور بنی ہوئی تخت پر جلوہ افروز ہوئیں۔ ہر طرف ایک عالمِ سکوت اور خاموشی تھا کہ صاحبزادی عابدہ سُلطان نے نہایت ادب وتعظیم سے اپنی معصوم آواز

میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور سورہٗ بقر کا پہلا رکوع الٓمٓ سے مُفلحون تک اور للہِ مَا فی السّمٰوٰت کو آمن الرسول سے ختم سورۃ تک اور پارہ تبارک اللذی میں "مرسلات" کا پچھلا رکوع ایسی بلند آواز اور ایسے لہجہ میں پڑھا کہ اس وقت ہر انسان تصویرِ ادب تھا اور خالقِ ارض و سما کی عظمت و اجلال اور اس کی رحمت سے قلوب متاثر ہو رہے تھے۔

جب یہ رکوع ختم ہوا تو آمنا باﷲ وحدہٗ کی آوازوں سے تمام محل گونج گیا۔ اس کے بعد معوذتین پڑھکر اپنی قرأت کو ختم کیا۔

صاحبزادی ساجدہ سلطان نے بہت ہی بے تکلّفی سے اُسی لہجہ اور طرزِ ادا کے ساتھ سورہ "بقر" کا اوّل رکوع مفلحون تک اور سورہٗ بقر کا آخری رکوع فانصرنا علی القوم الکافرین تک اور معوذتین پڑھ کر قرارت کو ختم کیا۔

جب ان دونوں نے یکے بعد دیگرے قرآن مجید کی سورتوں کو پڑھا ہے تو نورٌ علیٰ نور کی کیفیت آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔

ختم قرأت کے بعد سرکار عالیہ نے دونوں قرآن مجید نواب گوہر تاج بیگم کے ہاتھوں میں دیئے اور وہ ان کو لئے ہوئے ریکہ سے باہر نکلیں تمام بیگمات اور خواتین نے سروقد تعظیم ادا کی۔ اُن کے پیچھے صاحبزادی ساجدہ سُلطان تھیں اور دونوں صفوں کے درمیان خراماں خراماں متحرک نور کی طرح چاندی سونے کی پھولوں کی بارش میں اپنے خاندان کی صفِ اوّل میں شامل ہونے کو جا رہی تھیں اور خواتین ان پھولوں[۱] کو نہایت ذوق و شوق سے چُن رہی تھیں۔

دونوں نے قریب پہنچکر اپنی محترم چچیوں اور دیگر بیگماتِ خاندان کو سلام کیا اور سب نے دُعاؤں کے ساتھ اُن کو پیار کیا۔

جب یہ اپنی جگہوں پر متمکن ہوگئیں تو اخترانِ عروس نے بہ آوازِ بلند قرآن مجید کا ایک رکوع مصری لہجہ میں پڑھا واقعی یہ عجیب سماں تھا اور عجیب عظمت و جلال کی شان نظر آتی تھی اور جلوہٗ رحمت

---

[۱] اکثر عورتوں کا عقیدہ ہے کہ یہ پھول بہت سے مرضوں کی دوا ہیں اور ان کے باندھنے سے آدھا سیسی کا درد جاتا رہتا ہے۔

آنکھوں سے نظر آرہا تھا۔

رکوع ختم ہونے کے بعد سرکار عالیہ کی ایک جدید تالیف "افضال رحمانی" جو اسی موقع کے لئے حضور ممدوحہ نے تالیف فرمائی تھی جستہ جستہ پڑھی گئی جس میں بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، قرآن مجید اور درود و سلام کے ایسے فضائل تھے جو احادیث میں مروی ہیں۔ اس کے بعد موئے مبارک کی زیارت ہوئی، یہ وہ موئے مبارک ہے جس کو سلطان المعظم نے سیاحت قسطنطنیہ کے زمانہ میں سرکار عالیہ کو تحفتہً دیا تھا اور جو قصر سلطانی میں ایک صندل سفید کے حجرے میں محفوظ ہے۔ زیارت کے بعد سب بیگمات اور خواتین نے کھانا کھایا اور عطر و پان تقسیم ہوئے، گلاب پاشی کی گئی اس طرح نو اور دس بجے رات کو یہ تقریب ختم ہوئی۔

سرکار عالیہ کی فیاضی صرف داد و دہش تک ہی منحصر نہیں رہی بلکہ اس موقع پر علمی فیاضیاں بھی کیں، خوبصورت جلدوں کے مترجم قرآن مجید اور اپنی مؤلفہ کتاب "افضال رحمانی" اور متعدد کتابیں[۵۱] جن کی نفیس جلدیں اور سیٹ بندھے ہوئے تھے تقسیم کیں۔

پردہ اور ترک پردہ

مسلمان عورت اور پردہ ایک ایسا عنوان ہے جس کا تعلق ہر مسلمان کی انفرادی اور قومی زندگی سے ہے اور جو صدیوں سے ایک اہم مذہبی اصول و مسئلہ بنا ہوا ہے۔

اسلامی تاریخ میں اس پر افراط و تفریط اور اعتدال کے تینوں دور گذر گئے ہیں۔ اور مختلف نتائج مترتب ہوئے ہیں۔

---

[۵۱] حسب ذیل کتابیں تقسیم ہوئیں، سیرت عائشہ مؤلفہ سید سلیمان ندوی۔ الزہرا مؤلفہ مولوی راشد الخیری۔ راز حیات مؤلفہ خواجہ کمال الدین مرحوم۔ ترکی حرم ترجمہ غلام حیدر خاں صاحب۔ الصالحات مؤلفہ منشی محمد اسمٰعیل ہاتف ملازم دفتر تاریخ۔ بیاض گل مؤلفہ منشی سید محمد یوسف قیصر منصرم دفتر تاریخ۔

سرکارِ عالیہ کا اس مسئلہ کے متعلق خاص نقطۂ نظر اور خاص طریق عمل رہا ہے جو حضور ممدوحہ کے مراحلِ زندگی میں نمایاں ہے اور اس سے حقیقتاً مسئلہ پردہ پر نہایت زبردست روشنی پڑتی ہے۔

عمل کے متعلق یہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ سرکارِ عالیہ نے بچپن کے ابتدائی سالوں یعنی ۱۶ برس کی عمر تک بغیر کسی قسم کے پردہ کے تعلیم پائی جس میں اخلاقی و ادبی مضامین کے ساتھ مذہبی تعلیم اور خصوصاً ترجمۂ قرآن مجید اور سپاہیانہ عنصر بھی خاص طور پر شامل تھا۔ پھر ازدواجی زندگی اور ربّۃ العائلہ کی حیثیت سے محل کی چار دیواری میں بسر کی۔

جب سریر آرائے حکومت ہوئیں تو پہلے دربار میں بُرقع و نقاب سے تشریف لائیں اور پھر یہ بُرقع و نقاب ہر ایک موقعے اور ہر ایک تقریب اور ہر غیر محرم سے ملاقات میں قائم رہا حتیٰ کہ جب جلالتمآب خلیفۃ المسلمین سلطان محمّد خامس سے ملنے کے لئے استنبول تشریف لے گئیں تو وہاں بھی یہ خصوصیت قائم رکھی۔

مگر حضور ممدوحہ نے بحساب شہور شمسی عمر کی اکھتّرویں منزل میں پہنچکر بُرقع و نقاب کو ترک فرمادیا۔ محل سے باہر جب تشریف لے جاتیں تو صرف چہرۂ رضیا لمعہ افگن ہوتا اور باقی تمام جسم ستر کامل میں رہتا جس ہیئت کو پردۂ شرعی کی مکمل تصویر کہہ سکتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت بیّنہ ہے کہ سرکارِ عالیہ نے اپنے اس سی سالہ دَورِ زندگی میں صنفی ترقی و بہبودی کو خاص طور پر اپنا مطمح نظر رکھا۔ تقریباً تمام اقطاع ہند کا سفر کیا، مصر و عرب، یورپ اور ٹرکی کی سیاحت فرمائی اور ہر جگہ نسوانی ترقی و تنزل کا بنظر امعان ملاحظہ کیا۔ تمدّنی و معاشرتی حالات، آزادی نسواں کے نتائج اور ذمائم و محاسن غرض ہر کُلّی و جزئی حالت کو عمیق نظر سے مشاہدہ فرمایا اور اس ملاحظہ و مشاہدہ اور تجارب سفر سے جو رائے قائم کی اور جو خیالات پیدا ہوئے اور جن نتائج کو اخذ کیا اُنھیں وقتاً فوقتاً پبلک اسپیچوں میں ظاہر بھی فرمادیا جن کا مغز سخن ان صفحات میں بھی موجود ہے۔

سرکارِ عالیہ نے اِس مسئلہ پر ایک معرکۃ الآرا کتاب "**عفت المسلمات**" بھی تالیف فرمائی جو پردہ کے متعلق منقولی و معقولی حیثیت سے جامع و اکمل ہے لیکن اس تیس سال میں اُس غفلت کے تجربہ نے جو مسلمانوں میں من حیث القوم تعلیم نسواں کی طرف سے ہے سرکارِ عالیہ کو

اس طرف مائل کر دیا کہ مسلمان عورتیں پردۂ مروّجہ کے لئے مکلف نہیں۔

ہندوستان کا یہ پردہ درحقیقت مردوں کے استبداد اور تسلّط کی یادگار ہے جس کو احکام شرعی کی تاویلات کرکے مضبوط کر دیا گیا ہے جس نے اُن پر اس تعلیم کا دروازہ جو انسان کی انسانیت کے لئے لازمی ہے بند کر دیا۔ وہ قدرت کے اُن مشاہدات اور یقینی تجربات سے محروم ہوئیں جو انسان کی تکمیلِ انسانیت کے لئے ضروری ہیں اُن کی صحت تباہ ہوچکی ہے اور قوائے جسمانی پیدائشی طور پر مضمحل ہوگئے ہیں۔ ان میں اس قسم کی نزاکت پیدا ہوگئی ہے کہ جس نے اُن کے دلوں سے ہمت و جرأت کو نکال کر خوف اور وہم پیدا کر دیا ہے حتیٰ کہ وہ ایک خفیف خطر کا مقابلہ نہیں کرسکتیں وہ اس پردۂ مروجہ کی وجہ سے فرائض تک ادا کرنے سے قاصر ہوگئی ہیں۔ ان کو وسعتِ معلومات اور تعلیم نظری کا کوئی موقع نہیں رہا۔

جو اولوالعزم خواتین قومی و ملی ارتقاء تمدّنی و معاشرتی اصلاحات اور اشاعتِ تعلیم میں حصّہ لے سکتی ہیں اور اپنی عملی کوششوں سے قوم کی رفتارِ ترقی کو تیز کرسکتی ہیں۔ اس پردۂ مروّجہ کی وجہ سے مجبورِ محض ہیں۔

بلاشبہ ان کو اسلام کی اُن رعایتوں سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے جو چہرہ اور کفّین کھولنے کے متعلق ہے اور یہی وہ حدِّ اعتدال ہے جس کو شریعت حقہ نے قائم کیا ہے اور جس کی مظہر کامل ہکر رعالیہ کی ذات والاصفات تھی۔ اس کے آگے افراط کی حد ہے جس کا احکامِ الٰہی سے رُوگردانی کے بغیر عبور ناممکن ہے۔
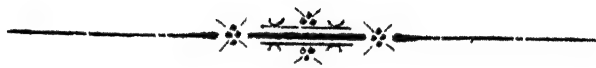
علالت اور وفات

علالت اواخر ۱۹۲۹ء تک سرکار عالیہ کی صحت بہت اچھی تھی حسب معمول تمام مشاغل جاری تھے اور چوں کہ مختلف مقامات میں ذاتی کاشت بھی شروع کر دی تھی اس کے ملاحظہ کے لئے اکثر صبح اور کبھی کبھی شام کو موٹر میں تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ باغ ضیاء الابصار میں معمولاً چہل قدمی بھی فرمایا کرتی تھیں لیکن دسمبر میں کچھ کچھ طبیعت ناساز ہوئی۔ بظاہر سوئے ہضم اور خرابی معدہ کی شکایت تھی۔ پھر کچھ دنوں بعد انفلوئنزا کا اثر محسوس ہوا جس کے بعد روز بروز طبیعت مضمحل ہوتی گئی اسی زمانہ میں بمقام دہلی بے بی ویک کا جلسہ تھا اس میں ہر اکسلنسی لیڈی اروِن نے شریک ہونے اور اپنے خیالات عالی سے متمتع کرنے کے لئے خاص طور پر مدعو کیا تھا۔ اس وقت طبیعت کی حالت اتنی اعتدال پر تھی کہ ایک مؤثر اور پُر معنیٰ تقریر تیار فرمائی اور دہلی روانہ ہو گئیں مگر دہلی پہنچ کر طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ اور انفلوئنزا کا ایسا سخت حملہ ہوا کہ مشیران طبّی نے کامل سکون اور قطعی آرام کا مشورہ دیا۔ اس دوران میں بے انتہا اضمحلال ہو گیا۔ اس کے بعد پھر طبیعت اصلاح پر آگئی اور آغاز فروری میں مراجعت فرمائی۔

چوں کہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا طبیعت بھی کسی قدر اچھی تھی اور اتنی قوت محسوس فرمانے لگی تھیں کہ ۷ ؍ تا ۳۰ ؍ رمضان المبارک مسلسل روزے رکھے۔ حسب معمول عیدگاہ میں دوگانۂ عید ادا کیا۔ اپنے مقررہ کاموں میں بھی مصروف رہتی تھیں۔ باغ میں چہل قدمی بھی فرماتی تھیں۔ موٹر میں ہوا خوری یا زراعت کے معائنہ کے لئے بھی تشریف لے جاتی تھیں۔ تاہم کچھ نہ کچھ شکایتیں پیدا اور رفع ہوتی رہتی تھیں۔

ساعتِ آخریں کا انتظار اور حیاتِ انسانی کا مفہوم مگر اب یہ حالت ہو گئی تھی کہ باتوں باتوں میں کوئی نہ کوئی ایسی بات کہہ جاتی تھیں کہ گویا وقتِ موعودہ کا انتظار کر رہی ہیں۔

وہ ابتدا سے ہی انسانی زندگی کی حقیقت کو کما حقہٗ سمجھتی تھیں۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں جب تزک سلطانی تالیف فرما رہی تھیں تو ایک موقع پر لکھتی ہیں کہ:-

"فی الواقع جو انسان چشم بصیرت رکھتا ہے وہ انسانی زندگی کو مثل حباب کے سمجھتا ہے اور دُنیا کو ایک مسافر خانہ جانتا ہے اور حیاتِ دُنیوی کو ایک لہو و لعب سمجھ کر زندگی آخرت کو ہی مقصود آفرینش سمجھتا ہے وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔"

تصوّف کی طرف توجہ

پھر آخر عمر میں حوادث و آلام اور صوفیائے کرام کے مطالعۂ حالات نے طبیعت کو تصوّف کی طرف زیادہ مائل کر دیا تھا۔ اُس زمانے کے تمام حالات پر غور کرنے والے اصحاب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ سرکارِ عالیہ کچھ عرصہ سے مقاماتِ سلوک طے فرما رہی تھیں اور اُن کے قلب میں تقربِ الٰہی کا ذوق و شوق بڑھ رہا تھا اور یہی باعث تھا کہ بعض اوقات مُراقب بھی رہتی تھیں۔

عملِ جرّاحی اور رحلت

بہرحال یہ شکایات جو اس عرصہ میں پیدا ہو گئی تھیں ڈاکٹروں کی تشخیص میں گال اسٹون کے سبب سے تھیں۔ چنانچہ میجر ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن اسٹاف سرجن، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور میجر باٹ کے مشورے سے اپریشن کیا جانا قرار پایا۔ اور ۱۱ ذی الحجہ کو ۱۱ بجے دن کے وقت قصرِ سلطانی میں اپریشن کیا گیا جو بظاہر نہایت کامیاب ہوا لیکن شب میں طبیعت خراب ہو گئی اور لحظہ بہ لحظہ حالت متغیر ہی ہوتی گئی مگر سرکارِ عالیہ باوجود انتہائی کرب و بے چینی اور تکلیف و اضمحلال کے مطمئن نظر آتی تھیں۔

۱۲ ذی الحجہ کو جب ساعتِ آخریں قریب آگئی تو اعلیٰ حضرت اقدس کو اپنے پاس بُلا کر فرمایا

"میں اب دُنیا سے رخصت ہو رہی ہوں اور تم کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔"

ان وداعیہ کلمات کے چند ہی منٹ بعد روحِ مبارک نے جسدِ خاکی سے مفارقت کی اور اس وقت اطمینانِ قلب اور استقلال کی جو حالت تھی وہ اِس آیت کریمہ يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۘ کی پوری مصداق تھی۔

تدفین اس سانحہ کی اطلاع ہوتے ہی ہر کہہ و مہہ کے دلوں پر رنج و الم کی جو گھٹائیں چھائیں وہ آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت بن کر برسیں۔ مرد، عورتیں، بچے، جوان اور بوڑھے مسکین اور غریب، امرا اور عہدے دار اور اُن سب کے فرمانروا کے قلوب ایک ہی خیال ایک ہی ملال اور ایک ہی رنج سے متاثر تھے۔

قصرِ سلطانی کے بیرونی میدان میں مخلوق کثیر جمع ہوگئی کہ اپنی مادرِ شفیق کی آخری خدمت کو بجالائیں اور اس کے مقدس جنازے پر گوہرہائے اشک سے نذرِ عقیدت پیش کریں۔

۵ بجے قصرِ سلطانی سے جنازہ باہر لایا گیا جس پر رضائے الٰہی کا نور برس رہا تھا اور نماز کے بعد مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب دفن کی گئیں یہ جگہ کچھ مدت پہلے خود تجویز فرمائی تھی اور جو راحت منزل اور قصرِ سلطانی کے درمیان واقع ہے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

حقیقت میں[۵۷] نہیں رہتا ہے کوئی جاوداں باقی ۔۔۔ مگر رہ جاتی ہیں دُنیا میں اُس کی نیکیاں باقی
جو یہ سچ ہے کہ اچھے لوگ دُنیا میں نہیں مرتے ۔۔۔ تو سُلطانِ جہاں زندہ ہیں جب تک ہے جہاں باقی
بنے گا مشعلِ راہِ ہدیٰ نقشِ قدم اُن کا ۔۔۔ قیامت تک رہیں گی اُن کی یہ ہمدردیاں باقی
ملے گا قلبِ انسانی میں دُنیا کے سُراغ اُن کا
رہیگا ہاں اِسی گھر میں سدا روشن چراغ اُن کا

---

[۵۷] سید محمد یوسف صاحب قیصر۔

تمام شد

نواب[سلہ] احتشام الملک عالیجاہ نظیر الدولہ سلطان دولہا میر احمد علی خاں صاحب بہادر

نواب صاحب خاندان جلال آباد کے محترم بانی سالار میر محمدؐ جلال خاں کی چھٹی پشت میں تھے آپ کے خاندانی حالات اور اعزازات جو حکومت سلاطین خاندان مغلیہ و گورنمنٹ برطانیہ میں ہوتے رہے "تاریخ[سلہ] جلالی" میں مفصّل لکھے ہوئے ہیں۔ چونکہ راقمہ کو اختصار منظور رہے۔ اس لئے نواب صاحب کی ذاتی کیفیت لکھنے پر اکتفا کیا گیا۔

نواب صاحب موصوف بمقام جلال آباد بماہ ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر تک وہیں نشو و نما اور تربیت پائی۔

۱۲۸۳ھ میں سرکار خلد نشیں کے ہمراہ آگرہ سے بھوپال آئے۔ یہاں اُن کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا۔ نیز فنون سپہ گری کے ماہرین اُن کی اُستادی کے لئے مقرر ہوئے۔ تھوڑے عرصہ میں اعلیٰ استعداد حاصل کرلی۔

نواب صاحب خلیق، مُدبّر، دلیر۔ اور خوش اطوار تھے وہ بہت خوش رو بھی تھے۔ جیسا کہ تصویر سے ظاہر ہوتا ہے۔ حلم بھی اُن کی طبیعت کا ویسا ہی جوہر تھا جیسی کہ دلیری و خودداری۔ وہ وضع کے پابند تھے۔ ع "تواضع زگردن فرازاں نکوست" پر ہمیشہ ان کا عمل تھا۔ ملازموں کی خطاؤں سے کچھ اس انداز کے ساتھ درگذر کرتے تھے کہ اُن کے ملازموں کے دل میں اپنی خطا کی ندامت کے ساتھ ایک گرویدگی اور جوشِ احسانمندی پیدا ہوجاتا تھا۔ اپنے مخالفوں سے بھی درگذر کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا۔ اور نہ کبھی کسی اور وقت ان کو اپنی تکلیفات کے انتقام کا خیال آیا۔

وہ اپنے بچوں اور خاندان میں ہمیشہ گلِ خنداں اور شگفتہ نظر آتے تھے جو اجنبی شخص اُن سے

سلہ نواب سر محمد نصر اللہ خاں بہادر مرحوم مغفور نے اپنے علمی شوق سے جلال آباد کی تاریخ مرتب کرائی تھی مگر اسکی اشاعت کی نوبت نہ آئی۔

ملتا تھا، ان کے اخلاق کا ثنا خواں ہوتا تھا۔

وہ اپنے خاص خدام کے ساتھ بے انتہا لطف و مدارات کا برتاؤ کرتے تھے لیکن اُس میں بھی ایک خاص رعب شامل ہوتا تھا۔

ان کو شکار اور نشانہ بازی کا خاص شوق تھا۔ گھوڑے کی سواری بہت پسند کرتے تھے۔ چوگان کے نہایت شایق تھے، اُن کا دل جوش تہور و شجاعت سے بھرا ہوا تھا۔ چونکہ وہ ایک ایسے زمانے میں پیدا ہوئے تھے جو امن و امان کا ہے اس لئے بجز شکار کے اور کوئی موقع اپنی شجاعت دکھلانے کا نہ ملا۔

وہ خود ہی اپنی وسیع معلومات، دانشمندی اور عقل خداداد سے فائدہ حاصل نہیں کرتے تھے بلکہ مجھے بھی اس میں برابر کا شریک کرتے تھے۔ لباس وغذا میں فضول اور نمائشی تکلفات کو قطعاً ناپسند کرتے تھے۔ ضوابط اوقات کے نہایت مستعدی کے ساتھ پابند تھے۔ ان کو تعمیر مکانات سے خاص طور پر دلچسپی تھی، چنانچہ عمارات "باغ حیات افزا" اور "صدر منزل" جو اسم بامسمیٰ ہے (کیونکہ میری صدر نشینی کا جلسہ اسی میں ہوا تھا) انکی خوش سلیقگی اور عمارتی دلچسپی کے نمونے ہیں۔ یہ باغ اور محل میرے زمانۂ ولیعہدی میں میری اور اُن کی جاگیر سے تیار ہوئے ہیں۔

قدرتی مناظر کے نظارے اُن کو بہت پُر لطف معلوم ہوتے تھے۔ اور اکثر اپنی جاگیر کے موضع "سمروہ" میں جہاں اُنھوں نے ایک مکان شکار کی ضرورت سے تیار کرایا تھا ہفتوں قیام کرتے تھے۔

ضیاء الدین کی ٹیکری، جہاں میں نے "قصر سلطانی" بنایا ہے ان کو نہایت پسندیدہ تھی۔ اسی واسطے وہاں کی مجموعی آبادی کا نام میں نے "احمد آباد" رکھا ہے جو حقیقتاً ایک دلچسپ منظر اور فضا کی جگہ ہے۔ وہ اپنے اُس درجہ اور مرتبے کو جو میرے شوہر ہونے کی حیثیت سے اُن کو حاصل تھا اچھی طرح سمجھتے تھے اور اس کا لحاظ کرتے تھے کبھی ظاہر و باطن میں اپنے درجہ اور مرتبے کے خلاف کوئی امر نہیں کیا۔

وہ میرے سچے مددگار تھے اور مجھے ہمیشہ اُن کی اصابت رائے اور بیدار مغزی کا تجربہ حاصل ہوتا رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ اُن کے تجربوں سے مجھے بہت سے قیمتی فوائد حاصل ہوئے۔

اکثر پولیٹیکل افسروں کو انکی قابلیتوں کی آزمائش کا موقع ملتا اور ہمیشہ ان کی نسبت عمدہ رائے قائم کی گئی۔ کرنیل "بار صاحب بہادر" و "میجر میڈ صاحب بہادر" ایجنٹ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا اُن کے متعلق خاص رائے رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ:۔

نواب سلطان دولہ احتشام الملک عالیجاہ احمد علی خاں بہادر

"اگر وہ انگلستان میں ہوتے تو سلطنت کے اہم امور کے انتظام کے قابل ہوتے اور پولیٹکل مدبروں کے زمرہ میں اُن کا نام لیا جاتا۔"

ان میں گو بردباری اور تحمل کی نہایت نمایاں صفت تھی، لیکن وہ اپنے اعزاز اور شان کے منافی کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

میں اس موقع پر بلاخوف تردید یہ بھی لکھتی ہوں کہ میرے خاندانی جھگڑوں میں جو پولیٹکل قالب میں ڈھل گئے تھے اُنھوں نے نہایت دانشمندی سے کام لیا اور کبھی کوئی امر ایسا نہیں کیا، نہ مجھے ایسی ترغیب دی جس سے کوئی جھگڑا پیدا ہو یا کسی معاملہ میں طوالت ہو جائے۔

اسی وجہ سے مخالفوں کو باوجود کوشش کے کوئی موقع نہ ملا وہ ہمیشہ ان ناگوار تنازعات پر متاسف رہتے تھے۔

سرکار خلد مکاں کی محبت اور ادب ایک سعادت مند بیٹے کی طرح اُن کے دل میں جاگزیں تھا اور جب تک یہ جھگڑے نواب صدیق حسن خاں صاحب نے برپا نہیں کئے تھے سرکار خلد مکاں بھی مادرانہ طور پر خیال و شفقت فرماتی تھیں۔

نواب صاحب کو ہمیشہ اس بات پر فخر تھا اور خدا کا شکر کرتے تھے کہ اس نے اُن کو حاسد نہیں کیا بلکہ محسود بنایا ہے۔

انھوں نے اپنے مکارم اخلاق اور عمدہ عادات و صفات اور اعلیٰ قابلیتوں سے ثابت کر دیا کہ سرکار خلد نشیں و خلد مکاں کا انتخاب بدرجہ کمال اعلیٰ اور افضل تھا۔

چنانچہ انھیں کی بیش بہا تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے جو اُن کے صاحبزادوں میں عمدگی کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ (تزک سلطانی صفحات ۹۶ تا ۹۹)

میں اپنی کتاب کی پہلی جلد (تزک سلطانی) میں صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں کے کلام مجید حفظ کرنے محراب سُنانے اور نواب صاحب بہادر کی خاص خوشی اور شوق کا ذکر کر چکی ہوں۔ اب ان کی بڑی خوشی یہ تھی کہ صاحبزادہ موصوف کے ختم کلام مجید کے روز بڑے دھوم دھام سے تمام اخوان و اراکین ریاست و معززین وغیرہ کو جو پہلے شریک نہ ہو سکتے تھے اس موقع پر شریک کر کے رئیسانہ تقریب کریں۔ کیونکہ پہلے جو تقریب کی تھی اس میں بسبب سرکار خلد مکاں کی کشیدگی کے وہ اپنا حوصلہ نہ نکال سکے تھے۔ موتی محل کے سامنے والے میدان میں ایک بڑا شامیانہ نصب تھا جس میں سامعین کے آرام و افطار اور کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔

اوائل رمضان المبارک ہی سے صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں برابر محراب سناتے تھے اور نہایت شان کیساتھ نماز تراویح ادا ہوتی تھی۔

نواب صاحب اعلےٰ اوصافِ سپاہیانہ بھی رکھتے تھے۔ اس لئے سب سے پہلے ان کی توجہ رسالہ اردلی خاص کی طرف مبذول ہوئی۔ انھوں نے طرح طرح کی وردیوں کے نمونے منگوا کر ایک عمدہ وضع کی وردی انتخاب کی۔ امپیریل سروس ٹروپس سے کپتان عبد القیوم خاں کی خدمات کو رسالہ کی درستی اور اسکو باقاعدہ بنانے کیلئے منتقل کرنے کی تجویز میرے سامنے پیش کی جس کو میں نے منظور کیا۔

چونکہ عید الفطر قریب تھی اور میرا عیدگاہ میں جاکر نماز عید میں شریک ہونا ضرور تھا اسلئے خود عیدگاہ ملاحظہ کرنے گئے۔

غرض ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ کو شب کے ۱۲ بجے تک وہ کام میں مصروف تھے۔ منشی خوشی لال سے جو روبکاری کے منشی تھے اس شب کو احبا و اعزا کو خطوطِ اذن، شرکت دعوت کیلئے لکھولئے۔ میں نے بھی بارہ بجے رات تک کام کیا۔ ایک بجے کے قریب میں نے اپنی بیش خدمت کو بھیجا کہ جاکر دیکھے کہ نواب صاحب کام سے فارغ ہوگئے یا نہیں۔ تاکہ میں ایک فہرست کے متعلق ان سے مشورہ کرلوں۔ اُس نے آکر جواب دیا کہ ہنوز کام کررہے ہیں۔ چونکہ رات زیادہ ہوچکی تھی میں اپنے کمرہ میں جاکر سوگئی۔ ۲ بجے بیش خدمت نے مجھے یہ کہہ کر کہ "سحری کا وقت ہوگیا ہے" اُٹھایا۔ جب میں بیدار ہوگئی تو مجھ سے کہا کہ "نواب صاحب نہیں اُٹھتے ہیں"۔ میں خود گئی کہ ان کو اُٹھاؤں، آواز دی، نہ جاگے۔ پھر دوبارہ سہ بارہ آواز دینے پر بھی نہ جاگے تو ایک نامعلوم صدمے نے میرا دل بٹھا دیا۔ میں نے غور کرکے دیکھا تو نفس کی آمد و شد اور نبض کی حرکت بند تھی۔ فوراً نواب محمد نصر اللہ خاں اور صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں کو طلب کیا گیا۔ وہ دونوں گھبرائے ہوئے آئے۔ پہلے کرنل صاحب آگئے تھے۔ انھوں نے دریافت کیا کہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ نواب صاحب کو دیکھو نبض ساقط اور تنفس بند ہے۔ اتنے میں نواب محمد نصر اللہ خاں محل سے آگئے انھوں نے بھی یہی سوال کیا اور وہی جواب سُنا۔ دونوں پر عالمِ سکوت و حیرت طاری تھا اور سخت صدمہ تھا۔

میں نے نواب محمد نصر اللہ خاں سے کہا کہ "ضبط و صبر کرو اور تم حکیم سید نور الحسن اور ڈاکٹر ولی محمد (فیملی ڈاکٹر) اور وزیر صاحب کو بُلاؤ"۔ انھوں نے ان سب کو فوراً بلوایا۔

نواب صاحب جنت آرامگاہ کی ہمشیرہ صاحبہ کو اطلاع دی گئی۔ سب سے پہلے حکیم سید نور الحسن آئے۔ انھوں نے علاماتِ سکتہ کو دیکھنا شروع کیا اتنے میں ڈاکٹر ولی محمد بھی آگئے انھوں نے بھی آلے لگائے گو مجھے ان کی

موت کا یقین کامل ہوگیا تھا لیکن ایسی حالت میں پھر بھی امید پیدا ہوجاتی ہے وہی امید مجھے اس جملہ کے سُننے کیلئے مضطرب کئے ہوئے تھی کہ سانس باقی ہے اور نبض کی حرکت جاری ہے لیکن یہی آواز آئی کہ جو کچھ خدا کا حکم ہونا تھا ہوچکا۔

ان الفاظ نے بالکل امید منقطع کردی اور وہ صدمہ پہنچا یا جو بیان نہیں ہوسکتا۔ دراصل صدمہ کا لفظ قلم سے لکھا جاسکتا ہے اور زبان سے بولا جاسکتا ہے لیکن نہ اُسکی حالت تلفظ سے ادا ہوسکتی ہے اور نہ کسی طرح تحریر میں آسکتی ہے۔ اسی عرصہ میں منادی سحر کی توپ چلی اور سب روزہ دار ہوگئے۔

ناظرین اندازہ کرسکتے ہیں کہ ایسے وقت میں جب کہ سچے مشیروں اور قابل ہمدردوں کی مجھے سخت ضرورت تھی ایک ایسے بیدار مغز خیر خواہ گرامی قدر مشیر کا جس نے ۲۷ سال ہر طرح کی رفاقت اور خیر خواہی میں میرے ساتھ بسر کئے اور جس سے زیادہ دُنیا میں کوئی عمدہ اور قابل مشیر نہ تھا۔ خانگی معاملات اور ریاستی انتظامات میں جیسی اعلیٰ اور صائب رائیں انھوں نے دیں اور جیسی دلسوزی کے ساتھ میری ہمدردی کی اُس کا کامل اندازہ میرا ہی دل کرسکتا ہے پس اس کا یکایک انتقال کرجانا میرے لئے کیسا سخت اور دل شکن اور غم انگیز حادثہ تھا۔

اگر ہم غمناک حادثات کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہم کو بہت سے حادثے ایسے ملیں گے جو خدا کے نہایت نیک اور برگزیدہ بندوں پر گذرتے ہیں اور اُن سے محض قضائے الٰہی پر صبر کی آزمایش مقصود ہوتی ہے۔ دراصل خداوند کریم انسانوں کے صبر کی آزمایش صدمات اور تکالیف سے کیا کرتا ہے اگر انسان اس آزمایش میں جو صبر کا حقیقی مفہوم ہے پورا اُترتا ہے تو وہ کامیاب سمجھا جاتا ہے اور خدا اُس کو اپنی محبت اور رحمت کی خوش خبری ان مقدس الفاظ میں دیتا ہے ولنبلونکم بشئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون۔

مجھ پر عین مشکلات کے وقت یہ سخت حادثہ گذرا وہ دراصل میرے صبر کا امتحان تھا میں نے خدا کی مرضی پر صبر کیا اور قضائے الٰہی کے سامنے سر جھکا کر آیات کریمہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل (و) نعم المولےٰ ونعم النصیر۔ کو اپنا ورد کیا جو میرے دل کو اطمینان دیتی تھیں کیونکہ خدائے عزوجل فرماتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

محل کے تمام آدمی جمع تھے۔ وزیر صاحب ریاست خبر پاتے ہی سراسیمہ اور پریشان آئے نواب صاحب کی لاش دیکھکر بے اختیار منہ سے آہ نکل گئی۔ صاحبزادے باپ کے جسدِ بے جان کے پاس بیٹھے تھے، چہروں پر پژمردگی چھائی ہوئی تھی اور آنکھوں سے اشک جاری تھے۔

صاحبزادہ حمید اللہ خاں جن کی عمر سات سال کی تھی اس وقت آرام میں تھے ان کو اس حادثہ کی خبر ہی نہیں کی گئی کیونکہ اس امر کا بڑا اندیشہ تھا کہ ایسی حالت میں اُٹھانا اُن کے نازک دل کو سخت صدمہ پہنچائے گا۔ مگر جب وہ صبح کو اُٹھے تو اُنھوں نے اپنے آپ کو دُنیا میں یتیم پایا۔ اس وقت اس یتیم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہونا اور اپنے باپ کی شفقتوں کو یاد کرکے آہ سرد بھرنا اور بھی بجلی کا کام کرتا تھا۔

دونوں بڑے بھائی (نواب محمد نصر اللہ خاں اور صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں) اپنے چھوٹے بھائی کو تسکین دیتے دیتے خود آبدیدہ ہو جاتے تھے میرے دل کا صدمہ اس حسرت سے اور بھی بڑھ جاتا تھا کہ نہ علاج کا موقع ملا اور نہ تیمارداری کا۔

نواب صاحب اگرچہ نہایت نیک تھے لیکن ان کی قسمت میں بجز خانگی خوشیوں کے جو میری ذات اور اولاد سے وابستہ تھیں کسی قسم کی مسرت نہ تھی۔

بچپن میں ہی سب سے زیادہ مہربان اور مُربّی سرکار خلد نشین کا داغ نصیب ہوا۔ ان کے بعد اگرچہ اسی طرح سرکار خلد مکاں کی شفقت کا لطف حاصل رہا لیکن تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ نواب صدیق حسن خاں کی کاوشوں نے ان کی تمام خوشیوں کو تلخ بنا دیا۔ پھر نہ سرکار خلد مکاں کی شفقت رہی نہ محبت۔

جب میں صدر نشین ہوئی تو اب اُن کی قابلیتوں کے جوہر ظاہر ہونے اور حوصلوں کے نکلنے کا وقت آیا تھا کہ یکایک انتقال ہوگیا۔ اور عین خوشی کے ایام اور مسرت کے زمانہ میں جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے انھوں نے دُنیا کو چھوڑا۔

سفیدۂ سحر نمودار ہونے سے پہلے ہی پہلے تمام شہر میں یہ غمناک خبر مشہور ہوگئی لیکن لوگوں کو یقین نہ آتا تھا اور وہ جوق جوق صدر منزل پر آتے تھے اور جب اس خبر کی تصدیق ہوتی تھی تو ایک آہ بھر کر اور صدائے واحسرتا بلند کرکے وہیں ٹھہر جاتے تھے غرض اندر و باہر نالہ و شیون کی صدائیں بلند تھیں اور ایک کہرام مچا ہوا تھا۔

صاحب پولیٹیکل ایجنٹ کو صبح چار بجے ہی اس حادثہ کی اطلاع بذریعہ تار کی گئی۔ نواب صاحب کا پیا ہوا پانی (جو ایک گلاس میں پی کر چھوڑ دیا تھا) آدھا جلا ہوا سگار پینے کا تمبا کو سب سربمہر حفاظت سے رکھوا دیا گیا تاکہ اس کا کیمیاوی امتحان کیا جائے۔ گیارہ بجے پولیٹیکل ایجنٹ بھوپال پہنچ گئے اور سیدھے محل پر آئے ان کے

ہمراہ مس بلانگ لیڈی ڈاکٹر تھیں۔ انھوں نے بھی آلہ لگا کر دیکھا اور یہ مرض تشخیص کیا کہ ذرا سی شہ رگ کسی وجہ سے پھٹ گئی اُس کا خون آہستہ آہستہ دماغ میں پہنچا جس سے نیند کو غلبہ ہوا اور آخر میں دل کمزور ہو گیا اور اس کی حرکت یکایک بند ہو گئی۔

چار بجے ڈاکٹر ڈین صاحب آ گئے انھوں نے ان چیزوں کو کیمیکل ایگزامینیشن (امتحان کیمیائی) کیلئے بمبئی بھیجا اور حالات سُنکر یہی تشخیص کیا کہ دل تو پہلے ہی سے کمزور تھا اب کسی صدمہ پہنچنے سے اسکی حرکت بند ہو گئی۔

چونکہ ڈین سے جو دل کا سیدھا کان ہے خون نکل کر دماغ کو گیا اور وہاں جا کر جمنا شروع ہو گیا اس سے نبصر (چھنگلی) سے نیلاہٹ شروع ہو کر ہاتھ اور بازو پر دوڑ گئی۔ چہرہ بھی نیلا ہو گیا۔ خون کے زور کے سبب سے منہ پر ورم آ گیا۔ تمام بدن میں نیلے نیلے دھبے پھیل گئے تھے۔ امتحان کیمیاوی سے ان چیزوں میں کوئی مضر و مُہلک شے نہ پائی گئی۔

دراصل وہ سات سال سے درد قلب کی شکایت رکھتے تھے ذرا پہاڑ پر چڑھنے یا گھوڑے پر سوار ہونے یا معمول سے زیادہ محنت کرنے میں خفیف سا درد ہونے لگتا تھا۔ کئی مرتبہ ڈاکٹر جوشی اور ڈاکٹر ڈین صاحب وغیرہ کو بھی دکھایا مگر انھوں نے کوئی مرض تشخیص نہیں کیا اور یہی کہا کہ کچھ نہیں ہے۔ لیکن وہ کمزور و نحیف ہوتے جاتے تھے۔ ان کی چونکہ صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم اور صاحبزادی آصف جہاں بیگم کی علالت میں بڑے بڑے نامی اطبا اور ڈاکٹروں سے صحبت رہی تھی اور وہ خود بھی اوقات فرصت میں طبی معلومات بڑھاتے رہتے تھے اس لئے ان کو اپنی حالت سے ہمیشہ خطرہ رہتا تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ میری موت اسی میں ہو گی۔ ہم لوگ کہتے کہ یہ وہم ہے اور اس خیال کو ان کے دل سے دُور کرنے کی کوشش کرتے۔ درد کو ضعف معدہ کے سبب سے درد ریاحی سمجھتے۔ انتقال سے تین برس قبل درد میں کمی ہو گئی تھی۔ کمزوری جاتی رہی تھی اور قوت عود کر آئی تھی۔ اُن کو بھی یقین ہو چلا تھا کہ رفتہ رفتہ صحت کامل ہو جائے گی۔

میری صدر نشینی کے بعد باوجود سخت محنتوں کے صحت اچھی تھی اور مرنے سے چار پانچ دن پہلے بھی کہا کہ اب مجھے بہت خفیف درد محسوس ہوتا ہے امید ہے کہ یہ بھی رفتہ رفتہ جاتا رہے گا۔

۲۰ رمضان کو ۲۰ سیر وزن کی چیز ایک ہاتھ سے اُٹھا کر پھینکی، میں اتفاق سے کھڑی تھی دیکھا کہ رنگ زرد ہو گیا اور پسینہ آ گیا۔ میں مُنہ دیکھ کر چپ ہو گئی کیوں کہ جب ان کو کسی ایسے کام سے جو قوت کا ہوتا تھا منع کیا جاتا تو ناگوار گذرتا تھا۔ دوسرے دن صبح کو اسی شانہ میں جس سے وزن پھینکا تھا درد بتایا۔

انتقال کے دن درد جاتا رہا تھا اور طبیعت صاف تھی روزہ افطار کرنے کے بعد کھانا کھا کر دالان

میں بیٹھے تھے۔ ایک عرب عبداللہ بن تمیم نامی گھوڑے لائے تھے۔ ان کے متعلق بہت دیر تک باتیں کرتے رہے میری طبیعت کسل مند تھی۔ کہنے لگے کہ آپ روزوں سے تھک گئی ہیں۔

وہاں سے اُٹھ کر سائبان کے نیچے بیٹھ گئے حالانکہ جاڑے کا موسم تھا اور سخت سردی تھی لیکن ایک گھنٹے بیٹھے رہے میں نے کئی مرتبہ اُٹھنے کو کہا مگر گھوڑوں کے شوق اور باتوں میں نہ اُٹھے مجبور ہو کر میں کام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ میرے آنے کے ایک گھنٹے بعد اُٹھکر وہ بھی ہمایوں منزل میں جو اب صاحبزادہ حمیداللہ خاں کا رہائشی محل ہے آکر کام کرنے لگے۔

بارہ بجے کے بعد کسی قدر آسایش لینے کے واسطے تکیہ پر سر رکھکر لیٹ گئے۔ کیونکہ تھوڑی دیر بعد سحری کے لئے اُٹھنا تھا۔ لیکن وقت آپہنچا تھا اسی حالت میں رُوح پرواز کر گئی۔

میں نے صاحب پولٹیکل ایجنٹ کے آنے کے بعد اس آخری کام کے لئے جو نہایت جاں فرسا تھا انتظام کیا جس کو ابھی عرصہ چھ ماہ کا گذرا ہے کہ اپنی والدہ معظمہ کے لئے کر چکی تھی۔

قریب تین بجے کے تجہیز و تکفین ہو کر سب تیاری ہوگئی۔ چار بجے جنازہ جس پر فرشتگان رحمت سایہ کئے ہوئے تھے صدر منزل سے اُٹھایا گیا اور باغ حیات افزا کو روانہ ہوا۔ صاحب پولٹیکل ایجنٹ بہادر و تمامی اعیان دارا کین و رعایا جنازہ کی مشایعت میں تھے۔ عیدگاہ قدیم میں نماز ہوئی اور باغ حیات افزا میں اپنی دونوں بیٹیوں (صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم اور صاحبزادی آصف جہاں بیگم) کے پاس دفن کئے گئے۔

دُنیا میں بہت سی حسرت ناک موتیں ہوتی ہیں۔ لیکن ایسی حسرت ناک موت بہت ہی کم ہوتی ہے۔

تمام انتظامات تقریب درہم برہم ہوگئے تمام مسرتیں تہ خاک ہوگئیں، جو لوگ تعزیت ادا کرنے کو آتے وہ اسی خیمہ میں جس میں دعوت کا انتظام تھا بٹھائے جاتے جس دن کہ ان کے سوگواروں اور عزاداروں کا ہجوم تھا وہ دن ختم کلام اللہ کی تقریب کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔

افسوس اُنکی یہ آرزو بھی پوری نہ ہوئی اور محض انتظام میں ذرا سا نقص رہ جانے کے سبب ایک دن کے لئے ملتوی کی گئی تھی۔ دوسرے دن اُن کی موت کی وجہ سے نہ ہو سکی۔ تیسرے دن صاحبزادہ محمد عبیداللہ خاں نے کلام مجید ختم کیا۔ کیونکہ وہ ایک ضروری امر تھا لیکن نہ وہ روشنی کی گئی اور نہ وہ خوشی تھی البتہ غیر معمولی خضوع و خشوع تھا اور اسی حالت میں کلام مجید ختم کر کے انھوں نے اس کا ثواب اپنے عزیز و شفیق باپ کی رُوح کو پہونچایا جن کو کلام پاک سے ایک دلی رغبت و شوق تھا۔ (گوہر اقبال صفحات ۴۳ تا ۴۰)

فہرست مؤلّفات و مصنّفات حضور سرکار عالیہ فردوس آشیاں

نمبر شمار	نام کتاب	موضوع	صفحات	کیفیت
۱	سبیل الجنان	مذہب	۴۶۰	
۲	عفت المسلمات	"	۲۰۶	
۳	ہدیۃ الزوجین	"	۸۱	
۴	سیرت مصطفیٰ	"	۱۵۸	
۵	مدارج الفرقان	"	۴۰	
۶	افضال رحمانی	"	۶۸	
۷	اسلام میں عورت کا مرتبہ	"	۴۸	
۸	فضائل شہور	"	۶۵	
۹	التربیت	اخلاق	۲۴	
۱۰	تربیت الاطفال	"	۱۴۸	
۱۱	اخلاق کی پہلی کتاب	"	۵۹۵	
۱۲	اخلاق کی دوسری کتاب	"		
۱۳	اخلاق کی تیسری کتاب	"		
۱۴	اخلاق کی چوتھی کتاب	"		
۱۵	باغ عجیب سہ حصہ	"	۴۲۸	
۱۶	مہذب زندگی	"	۲۸۰	
۱۷	رہبر نسواں	"	۳۶۲	
۱۸	مقصد ازدواج	"	۸۰	
۱۹	معیشت	خانہ داری	۴۵۶	

نمبر شمار	نام کتاب	موضوع	صفحات	کیفیت
۲۰	معاشرت	خانہ داری	۲۵۱	
۲۱	فرائض النسا	"	۲۲۹	
۲۲	مطبخ	"	۲۰۸	
۲۳	فرائض باغبانی	"	۶۵	
۲۴	ہدایات باغبانی	"	۱۲۸	
۲۵	تندرستی	حفظان صحت	۱۵۳	
۲۶	ہدایات تیمار داری	"	۳۴	
۲۷	حفظ صحت	"	۱۳۹	
۲۸	درس حیات	"	۲۵۹	
۲۹	روضۃ الریاحین	تاریخ وسیر	۲۴۵	
۳۰	تزک سلطانی	"	۲۲۴	
۳۱	گوہر اقبال	"	۳۵۳	
۳۲	اختر اقبال	"	۲۵۴	
۳۳	ضیاء الاقبال	"	۵۲۶	غیر مطبوعہ۔
۳۴	حیات قدسی	"	۲۳۴	
۳۵	حیات شاہجہانی	"	۱۶۳	
۳۶	تذکرۂ باقی	"	۹۲	
۳۷	حیات سکندری	"	۵۰۰	شرکت تالیف۔
۳۸	خطبات سلطانی حصہ اول	خطبات	۳۲۹	
۳۹	خطبات سلطانی حصہ دوم	"	۵۰۰	غیر مطبوعہ۔
۴۰	سلک شہوار	"	۱۸۸	
۴۱	ترجمہ۔آئین سکندری (مؤلفہ نواب سکندر بیگم)	نصائح	۱۲۸	

چند تاثرات

سرکار عالیہ کی شخصیتِ جلیلہ صفاتِ جمیلہ اور اخلاقِ حمیدہ کے تاثرات قدرتی طور پر نہایت عمیق اور وسیع تھے اور جب کبھی خاص اہتمام کے ساتھ مکمل و جامع سوانح عمری مرتب ہوگی تو اُس میں اُن تاثرات کا پورا جلوہ نظر آئے گا تاہم اس کتاب کے متعدد عنوانات میں کچھ نہ کچھ جھلک موجود ہے اور ذیل میں دیگر چند تاثرات جو نہایت دلچسپ اور پُر معنی ہیں اور ایک کے سوا مخصوص طور پر حیاتِ سلطانی کے ہی لئے مؤلف کی درخواست پر حاصل ہوئے نہایت شکر گزاری کے ساتھ مندرج ہیں۔

پہلا تاثر، ہندوستان کے کثیر الاشاعت اخبار ٹائمز آف انڈیا کے سابق و مشہور اڈیٹر سر اسٹینلی ریڈ کے اس مضمون کا اقتباس ہے جو انہوں نے ۱۹۲۶ء میں اپنے زمانۂ ادارت کی واقفیت و تجربہ کے لحاظ سے لندن کے اخبارات میں شائع کرایا تھا۔

دوسرا، الگزنڈرا ہیلی صاحبہ کا ہے جو صوبہ دہلی کے چیف کمشنر اور پنجاب و صوبہ متحدہ کے گورنر سر مالکم ہیلی کی بیگم صاحبہ ہیں۔

تیسرا، ہز اکسلنسی لیڈی ولینگڈن کا ہے جو ان کے شوہر نامدار ہز اکسلنسی لارڈ ولنگڈن نے تحریر فرمایا ہے۔

ان جلیل القدر متاثرین کے سرکار عالیہ کے ساتھ دیرینہ روابط اور خاص مراسم تھے اور اکثر و بیشتر بے تکلفانہ ملاقاتیں رہتی تھیں۔

چوتھا، تاثر جناب زہرہ بیگم فیضی صاحبہ کا ہے جو بمبئی کے ممتاز خاندان فیضی کی ایک ایسی موقر و معتبر خاتون ہیں جن کو اپنی علمی و قومی دلچسپی اور خدمت کے باعث عالمِ نسواں میں خاص امتیاز و شہرت حاصل ہے اور بار ہا بھوپال کے قیام میں اور دیگر مختلف

مواقع پر ان کو سرکار عالیہ کے اخلاق و اوصاف کا مشاہدہ و تجربہ ہوا ہے۔

---

(۱)

مغرب میں ہم لوگ مشرق کی عورتوں پر خواہ مخواہ ترس کھاتے ہیں کہ وہ پردہ کے اندر قید ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس نامناسب قید کی وجہ سے وہ مسائل زندگی میں کوئی حصہ نہیں لے سکتیں۔ لیکن جو لوگ ہندوستان سے واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہاں عورتیں کتنا زبردست اثر رکھتی ہیں اور اس کی بہترین مثال وہ عزم و استقلال والی خاتون ہیں جو اس وقت ہماری معزز مہمان ہیں.....

تقریباً ایک چوتھائی صدی سے بیگم صاحبہ والیہ بھوپال نے فرائض حکمرانی کو نہایت ہی فراست استحکام اور عزم و استقلال کے ساتھ انجام دیا ہے۔ سات ہزار میل رقبہ کی مملکت جس میں سات لاکھ نفوس آباد ہیں اور ۴٬۳۵٬۰۰۰ پونڈ کا مالیہ ہے یہ مطلقاً انکے سپردگی میں ہے۔ نظم و نسق کے فرائض کی مسلسل مصروفیت بالکل پردہ اور خلوت میں رہکر سرانجام پاتی ہے۔ جس وقت سے عنانِ حکومت اُنکے نازک مگر مستعد ہاتھوں میں آئی ہے اُس وقت سے انتظام مستحکم اور معقولیت کے ساتھ ترقی پذیر ہے۔ کوئی نقص اس کے پاس نہیں آیا اور پبلک نے باوجود جستجو کے کوئی شکایت نہیں سُنی۔ آپ برقعہ کے اندر ملفوف اور نقاب کاندھوں کے نیچے تک پڑی ہوئی آزادی کے ساتھ اپنی رعایا کے لوگوں میں نقل و حرکت فرماتی ہیں۔ گو آپ کو اصلی فکر اپنی رعایا کی فلاح و بہبودگی ہے تاہم آپ ہندوستانی سیاست کے وسیع تر مسائل میں بھی حصہ لیتی ہیں۔ حکومت کے بارے میں کوئی اہم فیصلہ بلا والیہ بھوپال سے مشورہ لئے ہوئے نہیں کیا جاتا۔ مرکزی حکومت ہند کے حلقہ میں آپ کا اثر بہت ہی زبردست ہے۔ (ایوانِ والیان میں) والیہ بھوپال کی ہمیشہ بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے اور آپ کا عاقلانہ اور تجربہ آموز مشورہ برقعہ کے اندر سے براہِ راست یا کسی نمایندہ کے ذریعہ سے ایوان کو حاصل ہوتا ہے۔

علاوہ بریں والیہ بھوپال اول تو اُن مہتم بالشان فرمانرواؤں میں ہیں جنھیں

ہم بجا طور پر قلمرو ہند کے مستحکم ستون کہتے ہیں۔ دوسرے اس لحاظ سے بھی کہ اُنھوں نے عمدہ مثال قائم کی۔ اپنے طویل دورِ حکومت کے تنہائی کے برسوں میں متغیر اور اکثر منتشر ہندوستانی حالات میں استحکام پیدا کرنے کی حامی رہیں اور یہ استحکام رجعت پسندانہ نہ تھا بلکہ مستقلاً مائل بہ ترقی اور اُن کی رعایا کی ذہنیت و استعداد کے لحاظ سے موزوں۔ لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم آپ کا بحیثیت ایک خاتون کے خیر مقدم کرتے ہیں یعنی ایک ایسی شخصیت جس نے اس کی درخشاں مثال قایم کر دی کہ ہندوستان میں پردہ کے اندر رہکر فرزانہ اور عزم و استقلال والی خواتین کیا کارہائے نمایاں انجام دے سکتی ہیں۔ وہ منظرِ عام پر تو زیادہ نہ نظر آئیں گی مگر مسائل ملکی میں اپنا حصہ پورا لیں گی اور اس کے نشر و اشاعت سے گریز کریں گی۔ جن لوگوں نے اُنھیں دیکھا ہے وہ اُن کے نازک مگر مستحکم قد و قامت پر ملکہ وکٹوریہ کی جوانی کی شباہت یاد کرنے لگتے ہیں۔

(اقتباس مضمون سر اسٹینلی ریڈ)

---

(۲)

میں ہز ہائینس کو نہایت ہی عزیز اور مخلص دوست خیال کرتی تھی۔ جب ہم دہلی میں تھے تو دیگر احباب کی طرح اُنھوں نے بھی اکثر ہمیں لکھا کہ چندے قیام کے لئے وہاں آنا چاہتی ہیں اور یقیناً وہ یہ محسوس کرتی تھیں کہ ہمارے یہاں وہ دو ایک خادموں کے ساتھ غیر رسمی طور پر آسکتی تھیں۔

وہ اپنی مہمات اُمور اور مشکلات صفائی کے ساتھ بیان کرتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا کہ اُن کے گرد و پیش کے حالات غیر معمولی ہیں اور بعض معاملات میں وہ پریشان و متفکر ہیں۔ اُن کی خاندانی روایات کا تقاضا تھا کہ رسوم قدیمہ کی پابندی ہو لیکن وہ خود طبعاً جدت پسند تھیں اور جدید طریقوں کے اتباع کی کوشش کرتی تھیں۔ طویل مدت حکمرانی اور مہتم بالشان ذمہ داریوں کے سر انجام نے اُنھیں اشخاص و معاملات سے کافی روشناس کر دیا تھا اور فطری ذہانت و دقیق النظری کی امداد سے وہ اکثر پیش آمدہ مشکلات میں

روشنی وہدایت حاصل کرتی تھیں۔ اُن کا دل جذبات محبت سے لبریز تھا اور اس جذبہ سے جو تعلقات پیدا ہوتے تھے اُن کا وہ ہمیشہ وابستگی کے ساتھ لحاظ رکھتی تھیں۔ درحقیقت میرا یہ خیال ہے کہ یہی محبت کا جذبہ اور اپنے اعزا میں سے جس پر وہ اس کی بارش کرتی تھیں اس کی بہر صورت امداد کرنے کی خواہش اُن کی طبیعت ثانیہ تھی بحیثیت مجموعی میرا خیال ہے کہ وہ کسی مجلس میں بھی ایک ممتاز خاتون سمجھی جاتیں۔

(دستخط) الگزینڈرا ایملی

---

(۳)

نمبر ۱ لائنس پلیس۔ ایس ڈبلیو ۱

۳۱ ردسمبر ۱۹۳۸ء

ڈیر مسٹر محمد امین :-

میری بیوی نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ جو خط آپ نے اُنھیں لکھا تھا اُس کا اُن کی جانب سے جواب لکھدوں۔ اُس بلند پایہ خاتون یعنی مرحومہ بیگم صاحبہ بھوپال کے ساتھ ہمارے دوستانہ تعلقات تھے اُن کے بارے میں ہم حسب ذیل پیام بھیج رہے ہیں۔

خوش قسمتی سے اپنے دورانِ قیام ہند کے ابتدائی زمانہ میں ہمارا اُن سے تعارف ہوگیا۔ ہمیں خوب یاد ہے کہ وہ گورنمنٹ ہاؤس کی ایک پارٹی میں بمبئی تشریف لائی تھیں اور ہمارے لڑکے کو لیکر اپنا ایڈی کانگ بنا لیا تھا اور باصرار اُسے شام کی پارٹی میں اپنے ہمراہ رکھا۔ ہمیں اس کے بعد اپنا وہ خوشگوار دورہ بھوپال بھی یاد ہے جبکہ ہم نے یہ محسوس کیا کہ وہ نہ خود اپنی رعایا میں بلکہ سارے ہندوستان میں بہت ہی ہردلعزیز و با اثر ہیں۔ اور سب سے آخر میں ہمیں لندن میں اُنکا ورود بھی خوب اچھی طرح یاد ہے جبکہ اُنکے چھوٹے صاحبزادے کے وارث تخت وتاج ہونے کا مسئلہ زیر بحث تھا اور وہ یہ تہیہ کر کے گئی ہیں کہ اس مقصد میں کامیابی حاصل کئے بغیر وہ واپس نہ ہونگی۔ چنانچہ اُنھیں کامیابی ہوئی۔

ہم دونوں سے اُنکے تعلقات مودت بہت ہی گہرے اور مخلصانہ تھے۔ وہ نیک طینت خاتون تھیں اور ہمیشہ ایسے لوگوں سے محبت کرتی تھیں جو ملک کی بہتری کی خدمت انجام دیتے تھے۔ اُنھیں اپنی رعایا کی فلاح وبہبودگی اور اُن کی حالت سدھارنے اور وسائل تعلیم میں اضافہ کرنے کی ہر وقت فکر رہتی تھی۔ ہم دونوں مرحومہ کو ہمیشہ اس طرح یاد رکھیں گے کہ وہ ہندوستان میں ہماری مخلص ترین دوستوں میں تھیں اور ایسی خاتون تھیں جو اپنی اعلیٰ صفاتِ ذاتی، اعلیٰ رتبہ اور اثر و اقتدار کے لحاظ سے اُن تمام لوگوں کے لئے جنھیں خوش قسمتی سے اُن کے دورانِ قیام میں ہندوستان کے اندر رہنے کا موقعہ ملا۔ ایک بیش بہا نمونہ پیش کرتی تھیں۔ فقط

آپ کا نہایت ہی مخلص

(ولنگڈن)

---

(۴)

حضور عالیہ ہز ہائنس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ فرماں روائے بھوپال فردوس آشیاں نے اپنی کمال محبت اور ایثار اور باشندگانِ بھوپال کی بہبودی کو مدِنظر رکھ کر اپنے سامنے اپنے انتظام سے نواب محمد حمید اللہ خاں اپنے لختِ جگر نورِ نظر کو اپنا جانشین بنایا تاج اپنے ہاتھوں میں تھام کر پہنایا اور آپ ریاست سے سبکدوش ہوگئیں وہ بڑے عزم وحوصلہ کی بیگم تھیں۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ اپنے اختیارات دے کر عینِ حیات بے اختیار ہو جانا بہت مشکل ہے۔ مگر سرکار عالیہ نے جس طرح اس مشکل کو آسان کر کے دکھایا اس نے ایک دُنیا کو متحیر بنا دیا۔

سرکار عالیہ نہایت ذی حوصلہ بیدار مغز سلجھے ہوئے خیالات کی مالک تھیں۔ اس کے ساتھ حلم، انکسار، بردباری، نرمی، تواضع، دل داری، یہ سب باتیں آپ کے اوصاف میں شامل رہیں۔ آپ بچوں کی باتوں کو بھی خوشی سے سنتی رہتیں۔ اور بعض دفعہ زبانِ مبارک سے فرماتیں کہ بچوں سے بھی ضرور کوئی نہ کوئی بات حاصل ہو جاتی ہے۔ ان کو خاموش

نہیں کر دینا چاہئے نہ بے طرح ٹوک دینا ٹھیک ہے۔ ورنہ ان کے حوصلے پست ہو جانے کا خوف ہوتا ہے۔

آپ کی باتوں میں ایک خاص اثر تھا۔ نہایت شگفتگی سے باتیں کرتیں۔ اور سامعین کو ایک خاص لطف پیدا ہوتا۔ گھنٹوں آپ کی لطف آمیز باتوں میں وقت چلا جاتا۔ اور معلوم نہ ہوتا کہ کتنا سارا وقت نکل گیا۔

سرکار عالیہ عورتوں کی دستگیری کو اپنی زندگی کے مقاصد کا جزو اعظم سمجھتی تھیں امیر، غریب، دور، نزدیک کسی کو مشکلوں کا سامنا ہوتا۔ سرکار کی مادرانہ شفقت اور عنایتانہ نظر فوراً ادا آتی اور بھاگے دورسے انہی کی خدمت میں پہنچ جاتے اور ضرور کچھ نہ کچھ ہو کر ہی رہتا۔

سرکار عالیہ کی زبانی بارہا سن چکی ہوں کہ بی بیو۔ قرآن پاک کے معنی سمجھو اور اپنے شوہروں سے اپنی حق طلبی کرو۔ تم کو خدا نے بہت کچھ حق دئے ہیں۔ اپنے جائز حقوق اُن سے مانگو۔ حق تلفی اپنے ہاتھوں سے نہ کرو۔

سرکار عالیہ تبادلۂ خیالات کی ازبس شائق تھیں اور نہایت تحمّل سے اوروں کی سنتیں اور اپنی کہتیں۔ مزاج ایسا واقع ہوا تھا کہ کیا کہوں آپ کے اوصافِ حمیدہ تاجِ سلطانی کے سچے نگینے تھے جن کی شعاعیں ہر طرف پھیلی تھیں۔ ہمشیرہ ہر ہائنس بیگم صاحبہ جنجیرہ کو آپ ہمیشہ راحت منزل میں ٹھیرا کر راحت حقیقی بخشتیں۔ آپ کے ہمراہ اکثر اوقات میں بھی ہوا کرتی تھی۔ گھنٹوں سرکار کی لطف آمیز باتوں سے بہرہ اندوز ہوتے رہتے وہ زمانہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ گو کہ وہ محفل درہم برہم ہو گئی افسوس!!

سرکار عالیہ ہمیشہ یہ پسند فرماتی تھیں کہ ہم لوگوں کا قیام متصل ہو۔ تاکہ ملنے جلنے میں آسانی رہے۔ راحت منزل قصر سلطانی کے احاطہ میں شامل ہے۔ اور یہ تمام و کمال علاقہ احمد آباد کے نام سے موسوم ہے۔ سرکار بڑی زندہ دل اور حاضر خیال بھی تھیں اور جیسے کہ میں پہلے بیان کر چکی ہوں۔ عورتوں کی دستگیری آپ کا خلقی ورثہ تھا۔ ہر کسی عورت کی مصیبت کے لئے وہ بیتاب ہو جاتی تھیں۔ اور ہر قسم کی تدبیریں بتلاتی تھیں۔

ایک وقت تشویش اور مشکل کے زمانے میں سرکار عالیہ نے بیگم صاحبہ جنجیرہ کو تسبیح بتلائی تھی۔ جو نماز صبح کے پڑھنے گے ۱۱-۱۱ دفعہ اول و آخر درود شریف کے ساتھ تھی۔ خدا نے بہت آسانی دی۔ تسبیح ۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ؕ یَا قَدِیْمُ یَا قَیُّوْمُ یَا اَللّٰهُ یَا فَرْدُ یَا وِتْرُ یَا رَحِیْمُ یَا وَارِثُ یَا وَاحِدُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ؕ

میرا مطلب یہ ہی کہ تمام ریاست کے امور طے کرنے کا بار تو آپ کے ذمہ تھا ہی مگر اس قسم کی اعانت حقیقی آپ کی طرف سے عجیب طرح کی تسکین کا باعث ہو جاتا۔ ایسے خلوص سے کون کسی کو بتلاتا ہی۔ آپ کے خط بڑے پُر لطف ہوا کرتے۔ خطوں میں کیسی کیسی باتوں پہ آپ مباحثہ کرتیں یا لطف سے تحریر فرماتیں۔ آپ کا نوازشنامہ بڑا دلچسپ ہوا کرتا۔

حسب سابق راحت منزل میں ہمارا قیام تھا ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کچہری میں تشریف فرما تھیں آپ کا انتظار کرتے ہوئے قصر سلطانی کی سہ دری میں بیٹھے۔ کیا دیکھتی ہوں کہ سامنے ڈھیروں کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ آپ کی مصاحبہ سے دریافت کیا کہ میں ان کتابوں کو دیکھ سکتی ہوں انہوں نے کہا ہاں ضرور، میں نے ایک کتاب دیکھنی شروع کی۔ دیکھا کہ سرکار سے تعلق رکھتی ہی۔

ذرا سی دیر دیکھا اور سرکار تشریف لائیں۔ خیر کتاب کو چھوڑ آپ سے باتیں ہونے لگیں۔ کھانے کے بعد جب ہم لوگ واپس راحت منزل آئے۔ اور سو گئے سویرے سرکار عالیہ کی خدمت میں میں نے عریضہ روانہ کیا جسکا مضمون یہ تھا کہ کل آپ کی خدمت میں جسوقت ہم لوگ آئے تھے تو وہاں خطبات سلطانی پر نظر پڑی کچھ پڑھا اور رُک گئی کہ اجازت بغیر کیسے آگے بڑھوں۔ اسوقت تو خاموش رہی مگر دل چاہتا رہا کہ ایک جلد اپنے پاس بھی ہو۔ بس اتنا لکھا اور روانہ خدمت کر دیا۔

بواپسی حامل رقعہ کے ساتھ وہی کتاب اور نہایت دلچسپ تحریر آپ نے روانہ فرمائی جسکا مضمون یہ ہی۔ عنوان اس طرح شروع کرتی ہیں۔

ندیا نالہ پر بھول آئی کنگنا - جو تم میرا کنگنا نہ دیو دُرار کروں گی انگنا میں بھول آئی کنگنا -
پھر تحریر فرمایا -

خواہر زہرہ بیگم صاحبہ آپ اپنا کنگنا لیجئے اور رار نہ کیجئے - نہ آپ ندیا پر گئیں - نہ نالہ پر - صرف آپ کو رار کرنا تھا تو آپ اپنی ہم جنسوں کے نزدیک پھر کر آئیں تھیں - تاکہ خواہ مخواہ اُنسے کچھ رار کروں - اچھا صاحب اپنی چوڑی لیجئے اور اپنی بہنوں کو جو کچھ آپ کو آتا ہی سکھا دیجئے ورنہ وہ بھی کچھ ایسی بات پیدا کریں گی -

(سلطان جہاں)

یہ تو ایک چھوٹا سا رقعہ تھا کہ جو آپ کی موزوں طبیعت کا نمونہ پیش کرتا ہے - سرکار عالیہ خوب سمجھ گئی تھیں کہ ہم لوگوں کو آپکے ہر کام میں دلچسپی ہی - اسی لئے آپ نے ایک اشارہ کر دیا کہ اپنی چوڑی لیجئے اور اپنی بہنوں کو جو آپ کو آتا ہی سکھا دیجئے - فوراً ہمشیرہ نے بھی خواہش بتلائی، سرکار نے ہم دونوں کو اپنی تصانیف ڈھیروں عنایت فرمائیں - اس کے بعد ایک اور بات مجھے سوجھی - میں نے عرض کیا کہ سرکار عالیہ ان کتابوں کی نوازش بہت بڑی ہی سر آنکھوں پر مگر ابھی یہ کتابیں کچھ روکھی پھیکی سی ہیں - جب ہی یہ معراجِ کمال پر پہنچ سکتی ہیں کہ جب سرکار کے مبارک اور مختلف حالات کے ساتھ ہی ساتھ برجستہ تحریریں ہوں تب ہی ہماری ملک مانی جا سکتی ہیں - ورنہ کوئی بھی اُچک کر چلتا بنے گا - اس لئے میری مہربان شفقت مآب سرکار اپنے دست مبارک سے اِسے پوری جلا دیجئے - اس میری استدعا پر سرکار خوب ہنسیں اور کہا اچھا صاحب کتابیں بھجوا دیجئے کچھ نہ کچھ لکھدوں گی - اور یہ فرمایا - آپ کے جیسے قدر دانوں کی قدر میرے دل میں ہی -

اب ان کتابوں پر سرکار عالیہ کی بیش بہا تحریریں ہمارے پاس ہیں - اُن پر جب نظر پڑتی ہی تب سے

دل میں اک درد اُٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

خطباتِ سلطانی پر آپ نے اس طرح تحریر فرمایا ہی۔ وَالْبَاقِیَاتُ الصَّالِحَاتُ مِنْ عِنْدِکَ۔ خواہر زہرا بیگم کو منجانب (سلطان جہاں)

کتاب بچوں کی پرورش۔ اس پر آپ نے تحریر فرمایا ہی "کس قدر مہربانی کے الفاظ اس آیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاهُمْ۔ پرورش کا کفیل تو اپنی ذات کو کر لیا ہی۔ لیکن حفاظت کا ذمہ دار تم کو اس نے کر دیا ہی حفاظت کا ذمہ دار تم کو اس لئے کر دیا کہ تم کو جوہرِ عقل عنایت ہوا ہی۔ جو حیوان مطلق کو نہیں دیا۔ اس لئے انسان اشرف المخلوقات کہلائے جانے کے لائق ہوا۔ ورنہ جان تو حیوانِ مطلق میں بھی ہی۔ بلکہ نباتات میں بھی بقدر ان کے پرورش ایک مادہ دے رکھا ہی جس سے ان کی نمو اور پرورش ہوتی ہی۔ اور یہی وجہ ہی کہ انسان کی پرورش کو تمام اشیاء، نباتات اور حیوانات سے مشکل کر رکھا ہی۔ افسوس ہی کہ کیسے مشکل سے بچے پرورش پاتے ہیں۔ اور کیسے بعض زمانوں میں بے دردی سے فنا کر دئے جاتے ہیں ایسی ہی حالت اُن بے درد والدین کی ہی۔ جو اپنی بے عقلی سے کیسے کیسے چہکتے بلبلوں کو مثل حباب برآب کر دیتے ہیں۔ مانا کہ جو ہوتا ہی تقدیر سے ہوتا ہی۔ لیکن تم تو اس جوہرِ عقل سے کام لے لو جو تمہارے رب نے خاص تم کو عنایت کی ہی۔ بس اَللّٰهُ بَاقٍ کُلُّ فَانٍ۔ (سلطان جہاں)

یہ تحریریں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ماشاءاللہ کیسے کیسے خیالات آپ رکھتی تھیں آپ کا مثل ڈھونڈھے نہیں مل سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ سے مستفید رہیں۔ بس یہ دعا ہی۔

(زہرہ بیگم فیضی)

صحت نامہ کتابت

کتابت وطباعت کی غلطی ایک عام نقص ہی اور لیتھوگرافی طباعت کے لئے تو یہ کچھ مخصوص ہو گیا ہی۔ باوجود کاپی اور پروف کی تصحیح اور درمیان میں فرمے دیکھتے رہنے کے بھی غلطی رہ جاتی ہی۔ پھر تصحیح میں بھی ہر شخص کو مہارت نہیں ہوتی کیونکہ بجائے خود یہ ایک فن ہی۔

مرکزوں اور نقطوں کی یا دورانِ طباعت میں پتھر پر سے کسی حرف کے اُڑ جانے سے جو غلطیاں ہوتی ہیں وہ چنداں قابلِ لحاظ نہیں البتہ جو نفسِ مضمون پر موثر ہوں اُن کی صحت ضروری ہی۔

اعراب کی صحت ایک دشوار اور کٹھن منزل ہی اور جب تک کہ خاص اہتمام نہ ہو، اس سے عہدہ برائی مشکل ہی۔ یہی وجہ ہی کہ قرآن مجید میں بھی صحت کتابت کی ضرورت رہتی ہی۔ اور بلاشبہ جہاں تک امکان ہو صحت نامہ کے ذریعہ سے اس نقص کو دُور کر دینا چاہئے۔

یہ نقائص اس کتاب میں بھی ہیں اور میں الحاج مولوی مقتدیٰ خاں صاحب شروانی مالک شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت صرف فرما کر اس نقص کے ازالہ کی کوشش فرمائی۔ جزاہ اللہ خیر الجزا۔

(مؤلف)

نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۱۴	سبعته	سَبۡعَةَ
۱۳	۱۶	لِلذَّکَرِ + لاُنۡثَیَیۡنَ	لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنَ
۱۶	۲۲	شَیۡءٍ	شَیۡءٍ
"	۱۲	اِقۡدَام	اَقۡدَام

نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۱	۵	کنج	گنج
″	۲۱	قاضی	قاصی
۳۲	۲۰	کُلُّ علیٰ	کَلٌّ عَلٰی مَوْلَاہُ
۴۵	۲	مسنرد	مسترد
۸۱	۷	اورڈوے	آورڈوے
۸۵	۱۷	الفینٹ	انفینٹ
۸۹	۲۳	اوّمین	اوّلین
۱۰۲	۱۵	وایتاءِ	وَاِیْتَآءِ
″	۱۶	وَالمُنْکِرِ	وَالْمُنْکَرِ
۱۰۳	۱۱	اُوْفُوْ	اَوْفُوْ
۱۲۰	۲۰	ماں کی	ماں باپ کی
۱۲۱	۷	دَفِی الرِقَابِ	وَفِی الرِّقَابِ
″	۱۲	نعمتك التی	نِعْمَتَكَ الَّتِیْ
۱۵۴	۵	۱۹۲۰	۱۹۲۷
۱۹۵	۱۸	رڈنگ	ہارڈنگ
۲۰۳	۱۴	تقبّل+مُسْلِمِیْنَ	تَقَبَّلْ مِنَّا + مُسْلِمَیْنِ
″	۱۵	مُسْلِمَةً+مَنَاسِکَنَا	اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا
۲۰۸	۱۸	علمی	عملی
۲۱۶	۴	خنجیرہ	جنجیرہ
۲۶۱	۳	ومحیای+العالمین	وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ
۲۶۷	۱۱	سَیِّدنا	عَلٰی سَیِّدِنَا
۲۶۹	۲	سَیِئَۃِ	مِنْ سَیِّئَةٍ

نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۶۹	۴	وَلَنَبلُوَنَّكُمْ	وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ
″	۶	صَلٰوٰتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ	صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ
۲۷۰	۸	يُجِيبُ	اَمَّنْ يُّجِيبُ
۲۷۲	۹	مُقِيمًا الصَّلٰوةِ	مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ
″	۱۰	الْحِسَابِ	الْحِسَابُ
۲۷۹	۴	صَدُقَاتِكُمْ	صَدَقَاتِكُمْ
۲۸۰	۴	وَعَلَانِيَةً	وَعَلَانِيَةً
۲۸۱	۱	تدھان	تدمع
″	۲	رَبَّنَا اِنِّي + لَمَحْزُوْن	رَبَّنَا وَاِنَّا + لَمَحْزُوْنُوْنَ
″	۴	وَاِنَّا اِلَيْهِ	وَاِنَّا اِلَيْهِ
۲۸۲	۷	نِعْمَ	وَنِعْمَ
۲۸۸	۱۳	نِعْمَتَكَ + عَلَّى	نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ
″	۱۷	بَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ	وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ
″	۲۰	لَاَزِيْدَ نَّكُمْ	لَاَزِيْدَنَّكُمْ
۳۰۰	۲۰	عَصَبِيَةٌ	عَصَبِيَّةٍ
۳۲۳	۱۲	ہِيَّا	هَيِّأْ

ضمیمہ

نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۲	ناز	نماز
۵	۱۷	ونسبونکم	وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ
۵	۱۸	قالو	قَالُوْا

Letter from

MARQUESS OF WILLINGDON,

Ex-Viceroy and Governer-General of India.

Sloane 1851.

5, LYGON PLACE,
S.W.1.
31st December, 1938.

Dear Mr. Mohammad Amin,

My wife has asked me to reply to your letter on her behalf, and the message we would send you would be much as follows with regard to our friendship with that very remarkable lady, the late Begum of Bhopal.

We were fortunate to make her acquaintance quite early in our lives in India, for we can remember well her coming to Bombay to a party at Government House and of her taking possession of our son as her A. D. C. and insisting on his attending to her during the evening. We can recollect, too, the delightful visit we paid to her in Bhopal when we began to realise the enormous influence she wielded, not only over her own people but over the whole of India. And finally, I have a vivid recollection of her coming over to London when the question of her younger son's succession to the Gadi was under discussion and of her determination to remain there until she had succeeded, as she did, in her mission.

To us both she was always the best and truest of friends, a lady of the kindest disposition who always extended her friendship and advice to those who were working for the good of her country. She was constantly occupied caring for her people and in improving their condition and their chances of education. To us both we shall always remember her as one of the best of our friends in India, a lady who by her great qualities, great position and great personal influence was always a wonderful example to all those who were fortunate enough to live in India during her lifetime.

Yours very sincerely,
(Sd.) WILLINGDON.

Letter from Lady Hailey.

I regarded Her Highness as a very dear personal friend. When we were stationed at Delhi she more than once wrote to ask, as any other friend would, if I could put her up for a few days, and she obviously liked to feel that she could come like a private person, with only one or two personal attendants.

She spoke very freely of her problems and her difficulties. One felt that her position was unusual, and in some ways embarrassing. All her traditions were in favour of standing on the old ways. But she was always seeking instinctively for the new ways and endeavouring to adapt herself to them. Long rule and the exercise of great responsibility had given her a knowledge of men and things which, joined to a keen common sense, was her chief guide in the many difficulties which she encountered. She had a great fount of affection, and she was always very strongly bound by the ties which it created. Indeed I think that affection, and the desire to assist at any cost those of her relations and friends to whom she gave it, was one of her most marked characteristics. Taking her in all, I think she would have been a notable woman in almost any company.

(Sd.) ALEXANDRA HAILEY.
30-12-38.

lonely years of her long rule she has stood for stability in the changing, often restless, Indian scene—not the stability of reaction, but the steadiness of progress suited to the genius of her people. But above all she is welcome as a woman—as one who illustrates all that can be accomplished by a wise and resolute woman behind the veil in India. She may not be seen much in public; ready to take her part in public affairs, she does not court the forum. Those who see her will mark the strength and dignity of her small resolute figure reminiscent of Queen Victoria in her maturity."

Extract from an article by Sir Stanly Reed, ex-Editor of the "Times of India".

"In the West we are apt to waste an unwanted pity on the women of the East who spend their lives behind the veil, and to imagine that an aimless seclution debars them from all interest in the affairs of life. But those who know their India have always appreciated the immense influence which women exercise, and of this there could be no better instance than the resolute lady who is now our guest"........

For nearly a quarter of century the Begam of Bhopal has exercised these great powers with wisdom, energy and resolute courage. Seven thousand miles of territory, seven hundred thousand people and £435,000 of revenue are committed to her sole and undivided care. The unceasing duties she has to discharge must be faced in strict privacy and from behind the veil. Ever since the reins of authority passed into her small capable hands the administration of Bhopal has been firm, stable and conservatively progressive. No scandle has touched it; no complaint has reached the ears of a somewhat jealous public. Invariably screened from gaze by the burka—the veil which falls to the shoulders—she has gone freely amongst her own people. Whilst her main care in the welfare of her own State, she takes her part in the wider spheres of Indian polity, No important decision on the affairs of the State is taken without consulting the Begam of Bhopal. In the special sphere of central India her influence is great.................... (In the Chamber of Princes) the Begam of Bhopal has always been a respected figure, and either from behind the burka, or through the lips of some trusted emissary, the wise and experienced word has been spoken.

The Begam of Bhopal then comes amongst us first as one of the great Indian rulers who have been aptly described as the pillars of the Indian Empire. Next, as one who in the American phrase has "made good"; through the